نگارشاتِ آزاد

فہرست

الصراط المستقیم

مسلمانوں کی آئندہ شاہراہ مقصود؟

(۱)

هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا؟ الذين ضل سعيهم في الحيوٰة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا.

تم کو بتاؤں کہ سب سے زیادہ گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے اعمال کن لوگوں کے ہیں. ان کے جن کی تمام کوششیں صرف دنیوی زندگی کے پیچھے بھٹک گئیں اور اس پر طرّہ یہ سمجھے کہ ہم کوئی عمدہ کام کر رہے ہیں۔

مرادو خضر عناں گیر باید از چپ و راست
کہ گنج روی نہ کنم ورنہ عزم راہ خطاست

جمود اور حرکت حقیقت یہ ہے کہ خیالات کی جنبش اور حرکت فی نفسہ کوئی مفید شے نہیں ہے. جب تک کہ وہ کسی آئندہ صحیح انجاد افکار سے منصل نہ ہو جائے اگر ایسا نہ ہوا تو حرکت محض بعض حالتوں میں بیکار لا حاصل اور اکثر حالتوں میں جمود سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتی ہے۔

بالفاظ سادہ تر:۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص مدتوں سے ایک جگہ بیٹھا ہے بالکل بیٹھا رہنا زندگی کے لئے نہایت مضر اور اعضاء و جوارح کو معطل کر دینے والا ہے۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ وہ حرکت کرے، یہ نہایت عمدہ خیال ہے، لیکن یہ حرکت اسی وقت مفید ہوگی جب آپ

اسے چلاکر کسی عمدہ باغ کی روش پر لا کھڑا کردیں گے۔ لیکن اگر آپ نے اس میں حرکت پیدا کی کے سامنے کے گڑھوں سے اسے نہ بچایا، اور وہ غریب اس میں گر گیا، تو اس حرکت سے تو اس کا بیٹھا رہنا ہی بہتر تھا۔

مسلمانوں کیلئے خطرات حیات اب شروع ہونگے

لیڈروں کا طبقہ اپنے گذشتہ عہد کو خواہ جدوجہد کی ایک شاندار تاریخ سمجھے، مگر ہمارے نزدیک مسلمانوں کی حرکت کی تاریخ اگر شروع ہوگی تو اب سے شروع ہوگی۔ وہ فی الحقیقت اب تک سو رہے تھے، زندگی کی ان میں کوئی حرکت نہ تھی اور نیند نے ان پر موت کا جمود طاری کر دیا تھا۔ (ھو الذی یتوفاکم باللیل) ایک سوئے ہوئے انسان کے لئے اس کی کوئی بحث نہیں ہوتی کہ دوڑنا بہتر ہے یا آہستہ چلنا؟ تکیہ لگا کر بیٹھنا بہتر ہے یا دوزانو ہو کر بیٹھنا، کیونکہ یہ حالتیں اسے پیش ہی نہیں آتیں۔ لیکن اب وہ جاگے ہیں ان کو بیٹھنا بھی پڑے گا، اٹھنا بھی پڑیگا، اور کبھی آہستہ خرامی اور کبھی تیز قدمی سے چلنا بھی پڑیگا پس اب ان کی حالت پیشتر کی سی بے خطر نہ ہوگی، کیونکہ امن موت میں ہے، مگر خطرہ صرف زندگی ہی میں ہوتا ہے جب تک غافل پڑے ہوئے اینٹھ رہے تھے تو نہ ان کو فرش گل پر چلنا تھا، اور نہ جنگل کے خارزار پر، لیکن اب دونوں طرح کی زمینوں پر ان کے قدم پڑ سکتے ہیں۔ اس لئے فی الحقیقت سوچنے، غور کرنے، اور حزم و احتیاط کا وقت اب آیا ہے بہت ممکن ہے کہ بیٹھنے کی جگہ اٹھ کھڑے ہوں، کچھ بعید نہیں کہ آہستہ چلنے کی جگہ بے اختیار دوڑنے لگیں۔ ٹھوکریں بھی کھا سکتے ہیں، اور در و دیوار سے ٹکرا بھی سکتے ہیں، کیونکہ اب وہ سوئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ زندہ اور متحرک ہیں۔ خطرات سے مقابلہ زندگی اور حرکت ہی میں ہوتا ہے جمود اور سکون میں نہیں ہوتا۔

پس پہلے نہیں، تو اب ضرورت ہے کہ ایک ایسی حقیقی رہنمائی کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہو جو انہیں معطل بیٹھنے نہ دے چلاتا رہے، لیکن ساتھ ہی نگراں بھی رہے کہ کہیں راہ کے ادھر ادھر گڑھوں اور غاروں میں نہ پھسل پڑیں۔

مرادو خضر عناں گیر باید از چپ و راست　　　　گر کج روی نہ کنم ورنہ عزم راہ خطاست

بارہا گفتہ ام و بار دیگر می گویم

کہ مسلمانوں کے لئے تمام عالم میں صرف ایک ہی ہاتھ ہے جو رہنما ہو سکتا ہے، اور ایک ہی چشم نگراں ہے جو لغزشوں سے بچا سکتی ہے۔ جو کبھی (کوہ سینا) پر تجلی بن کر چمکی، کبھی (فاران) پر ابرِ رحمت بن کر نمودار ہوئی۔ کبھی (غار ثور) میں لاتحزن ان اللہ معنا کی صدائیں تھی، کبھی (بدر) کے کنارے ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم کے پیغام میں تھی۔ کبھی (احد) کے دامن میں وکان حقاً علینا نصر المومنین کی بشارت تھی۔ اور آج بھی ایک لٹے ہوئے کارروان، ایک برباد شدہ قافلے، اور ایک برہم شدہ انجمن کے لئے امید کا آخری سہارا اور زندگی کی آخری روشنی ہے۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالہ مع اللہ قلیلاً ما تذکرون امن یھدیکم فی ظلمات البر والبحر ومن یرسل الریاح بشراً بین یدی رحمتہ ءالہ مع اللہ۔ تعالی اللہ عما یشرکون۔

کون ہے کہ جب ایک مضطر اور بے قرار روح اس کو پکارتی ہے۔ تو اس کی فریادوں کو سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے؟ اور کون ہے کہ اس نے تم کو زمین پر اپنا نائب بنایا اور اس کی وراثت بخشی کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے؟ پھر بتلاؤ کون ہے جو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ہدایت کرتا ہے۔ اور باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بشارت کیلئے بھیج دیتا ہے کیا خدا کے سوا کوئی دوسرا ہے

دنیا میں جب کبھی کسی بنی آدم نے اصلاح حیات کی کوئی منزل طے کی ہے تو صرف اسی ہاتھ کی رہنمائی سے اور جو اس کی رہنمائی میں آگیا، پھر اس کے لئے گمراہی نہیں۔

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ

خدا جب کسی کو راہ راست پر چلانا چاہتا ہے تو اس کا دل اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔
اور جس کا دل کھول دیا گیا، تو پھر وہ اپنے پروردگا کی روشن کی ہوئی مشعل اپنے سامنے پاتا ہے۔
مگر افسوس ان لوگوں پر، جن کے دل ذکر الہٰی سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں۔

اولین اور بنیادی مسئلہ

سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ اس تغیر خیالات کا منشا کیا ہے، اور رخ کس طرف ہونا چاہئے؛ ہم کو نہایت رنج اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس لحاظ سے موجودہ تغیرات خیال کا منظر زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے ہم صاف صاف اور باواز بلند کہہ دیتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنی قدیمی پالیسی کو صرف اس لئے چھوڑتے ہیں کہ تنسیخ بنگال، اور مسئلہ یونیورسٹی کی وجہ سے وہ گورنمنٹ سے روٹھ گئے ہیں یا یہ تغیر صرف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ آزاد خیال ہندووں کی دیکھا دیکھی اب مسلمان بھی پالیٹکس! پالیٹکس!! پکارنے کیلئے مضطرب ہیں۔ تو وہ یاد رکھیں کہ اس نئے تغیر اور انقلاب میں ان کے لئے کوئی برکت نہیں ہے بہتر ہے کہ اب تک جہاں پڑے سسک رہے تھے وہیں بقیہ ایام ذلت و خواری اور کاٹ لیں۔ تاریکی ہی میں رہنا ہے تو پھر اس سے کیا بحث کہ وہ کوئی گڑھا ہے یا عمدہ بنایا ہوا تہہ خانہ؛ آجتک ان کی تمام ناکامیوں کی علت حقیقی یہی رہی ہے کہ انہوں نے اپنے اعمال زندگی کی کسی شاخ کو "سلطان قرآن" کے ماتحت نہیں رکھا۔ اور جب کبھی کوئی تحریک شروع کی یا اپنے لئے کسی پالیسی کا پروگرام مرتب کیا تو قرآن کریم کو اس طرح بھولے رہے، گویا اس کا نزول تاریخ عالم کا کوئی واقع ہے ہی نہیں، اور یہ بھی سچ نہیں کہ وہ اس نام کی کسی کتاب کے پیرو ہیں اگر مسلمان اس تغیر کے بعد پھر اس گمراہی میں پڑنا چاہتے ہیں تو یہ ایک دلدل سے نکل کر دوسری دلدل میں پھنسنا اور ایک دام سے نجات پاکر دوسرے میں گرفتار ہونا ہوگا پھر اگر گمراہیوں کے قفس ہی میں ہمیشہ گرفتار رہنا ہے تو موجودہ قفس میں کیا برائی ہے کہ نئے پنجرے کی جستجو کی جائے؟

بیشک تقسیم بنگال کی تنسیخ اور یونیورسٹی کا مسئلہ ہمارے لئے ایک تازیانہ تنبیہ ضرور ہے اور یقیناً شر الدواب عند اللہ ہونگے، اگر اس سے عبرت نہ پکڑیں لیکن ہماری آئندہ پالیسی کی بنیاد کوئی وقتی یا فوری واقعہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ وہ ایک مستقل اور دائمی اعتقاد ہونا چاہئے جو اپنے قیام کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہ ہو۔ فرض کیجئے کہ کل گورنمنٹ نے بنگال کے دو نہیں بلکہ دس ٹکڑے کر دیئے اور وزیر ہند نے اعلان کر دیا کہ یونیورسٹی کا نام علی گڈھ نہیں بلکہ مسلم ہوگا، کیونکہ جو گورنمنٹ ایک دفعہ تقسیم کر کے اسے منسوخ کر سکتی ہے پھر کیا اس حالت میں مسلمانوں کی پالیسی پر ایک دوسرا انقلاب طاری ہو جائیگا؛ اور پھر تغیر!

تغیر!! کی صدا بلند کی جائے گی؟ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ کا کوئی عقیدہ کوئی خیال، کوئی مقصود، کوئی نصب العین، اور کوئی پالیسی نہیں، آپ صرف گورنمنٹ کے چشم وابرو کی حرکت کا نام ہیں اور صرف اس کو تکتے رہتے ہیں۔ اگر مصلحتاً لطف ومہر کی علامتیں نمایاں ہوئیں تو "سمعنا واطعنا" کہہ کر سربسجود ہوگئے اور اگر مصلحت نے گوشۂ چشم رقیبوں کی طرف پھیر دیا تو لگے منہ بسورنے اور آنسو بہانے۔ سوال یہ ہے کہ خود آپ کے پاس بھی کوئی شے ہے یا نہیں؟

ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تقسیم بنگال کی تنسیخ سے نہیں، بلکہ پیشتر سے اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں۔ گو عام راہ ضلالت سے الگ رہنے کا انہیں الاؤنس دینا چاہیئے، لیکن افسوس ہے کہ ان کے سامنے بھی ہندوؤں کی پولیٹکل جدوجہد کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے۔ وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہیٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بہ قدم چلنا سیکھ جائیں۔ بیشک ہمارے عقیدے میں بھی آج کل مسلمانوں کے لئے عبرت اور تنبیہہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں ہے، اور بڑی بدبختی یہی تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی۔ لیکن پیروانِ "امامِ مبین" کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی موت نہیں ہوسکتی کہ اعمالِ زندگی کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور لاچار ہوگیا ہو، اور اس کی طرف سے مایوس ہوکر انھیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی جھچھوری ہوئی ہڈیوں پر للچانا پڑے۔ اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ دنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبۂ نکاح میں چند آیتیں پڑھ دینے، یا بسترِ نزع پر سورہ یاسین کو دہرا دینے ہی کے لئے کارآمد ہوسکتا ہے۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

ہمارے نزدیک اسلام کے دامنِ تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبّہ

نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں اس بارے میں ہمارے خیالات ۔ الحمدللہ ۔ عام خیالات کی سطح سے بہت بلند ہیں۔ اور گو موقعہ نہیں ، مگر ضمناً ان کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے ۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات و صفات میں " وحدہ لاشریک" ہے ، کوئی ہستی اور وجود اس میں شریک نہیں ، اسی طرح اس کا " قرآن کریم " اپنی جامعیت اور کمال تعلیم میں " وحدہ لاشریک " ہے اور بالکل اسی طرح اس کا لانے والا رسول کمال انسانیت و تعبد ، اور قوائے نبوت و اصلاح میں بھی " وحدہ لاشریک " ہے ، ان کی صفات و خصائص میں کوئی ان کا شریک نہیں ۔

راہ نسبت طلبی ہیں کہ چہ شایاں رفتم

پس ضرور ہے کہ جو امت اس خدائے واحد ، اس قرآن واحد ، اور رسول رسولؐ واحد کے دامن تعلیم سے وابستہ ہو ، وہ بھی اپنے اندر اس شان وحدت و یکتائی کا جلوہ رکھے وہ بھی اپنے اعمال زندگی کی ہر شاخ میں " وحدہ لاشریک " ہو ۔ اس کے اعمال و خصائص بھی " من رآنی فقد رأ الحق " کی صدائے اتحاد سے غلغلہ انداز عالم ہوں ۔ تمام دنیا کی قومیں اس کے اعمال کا اتباع کریں ، زندگی کے ہر حسن و جمال میں اس کے خال و خط مرقع عالم کے لئے نمونہ بنیں ۔ وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً کے یہی معنی ہیں اور اسی لئے مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا ۔

یا ایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا	مسلمانو ! اگر تم اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کر کے متقی بن جاؤ گے ۔ تو وہ تمہارے لئے تمام دنیا میں ایک خاص انتیاز اور خصوصیت پیدا کر دے گا ۔

جس قوم کو اس صدائے الٰہی نے مخاطب بنایا ہو ، اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر شاخ میں غیروں کے لئے نمونہ بننے

کی جگہ، خود دوسروں کو اپنا کعبۂ مقصود اور قبلۂ اعمال بنا رہی ہے؟ سیاسی بحث تو ضمنی ہے ہمارا اصلی ماتم اتنے ہی پر موقوف نہیں۔ ہم کو تو یہ نظر آرہا ہے کہ آج مسلمانوں کے لئے تعلیم، اخلاق، معاشرت، سیاست، بلکہ مدنی زندگی کی ہر شاخ میں ان کے لیڈر صرف اسی کو فرض رہنمائی سمجھتے ہیں کہ ان کے آگے دوسری قوموں کے اعمال پیش کر دیں۔ تہذیب و انسانیت کی ضرورت ہے، تو مسلمان یورپ کی شاگردی کریں، پولیٹکل آزادی کی ضرورت ہے تو اپنی ہمسایہ قوموں سے بھیک مانگیں، پھر ہمیں تبلایا جائے کہ خود بدبخت مسلمانوں کے پاس بھی کچھ ہے یا نہیں؟ جو مسلمانوں کے رہنما قوم کے جلبِ قلوب کے لئے مذہب کے ذکر کو ناگزیر دیکھ کر، اپنے شاندار اسٹیجوں پر مذہب! مذہب! اور اسلام! اسلام! پکارتے ہیں، قطع نظر اس کے کہ خود ان کی زندگی میں اس اسلام کا اثر کہاں تک موجود ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے کبھی قوم کو یہ بھی تبلایا ہے کہ زندگی کی ہر شاخ میں خود اسلام کا نمونہ کیا کیا ہے، اور اگر نہیں تبلایا ہے تو قوم کے لئے ایک مسیحی راہنما اور ایک مسلمان لیڈر میں کیا فرق ہے؟ سچ یہ ہے کہ وہ غریب خود جس متاع سے تہی دست ہیں۔ دوسروں کے آگے کیا پیش کریں گے؟

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار؟

یہی بنیادی گمراہی ہے، جس نے جسمِ ملت کی ریڑھ کی ہڈی تک کو گھلا دیا ہے۔ مسلمان اگر مسلمان ہوتے تو سمجھتے کہ ان کے لئے خود ان کے سوا دنیا میں اور کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا۔ اگر فی الحقیقت دنیا کی کسی قوم کے پاس کوئی عمدہ خیال کوئی واقعی سچائی، اور کوئی اچھا گل پایا جاتا ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ بدرجۂ اولیٰ اسلام میں موجود ہے اور اگر نہیں ہے، تو اس کی اچھائی بھی قابل تسلیم نہیں۔ اسلام کے معنی کی اصلی وسعت سے دنیا بے خبر ہے۔ اسلام تو اعتقاد و عمل کی ہر صداقت اور کائنات کے ہر حسن و جمال کا نام ہے۔ جہاں کہیں صداقت اور جمال موجود ہے، یقین کرنا چاہیئے کہ وہ اسلام ہے، گو دنیا کو اس کی خبر نہ ہو۔

ولللہ درما قال :-

عبارا تنا شتی ، وحسنک واحد
وکل الی ذالک الجمال یشیر

اللہ اللہ! خدا تو مسلمانوں سے چاہتا ہے کہ مجھ کو نمونہ بناؤ، اور میری صفات کاملہ سے مشابہت پیدا کرو (تخلقوا باخلاق اللہ) اور آج مسلمان ہیں کہ انسانوں کو اپنا اسوۂ حسنہ بناتے ہیں کہ (تخلقوا باخلاق الافرنج) اور اگر کوئی ان کی نقالی بن آتی ہے تو "انا الافرنج" کا نعرہ لگا کر اس قدر نازاں ہوتے ہیں، کہ حسین بن منصور کو "انا الحق" پر بھی اتنا ناز نہ ہوگا! کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان جس قدر اصلاح کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اتنا ہی ضلالت ان سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ وہ جس قدر ترقی! ترقی!! پکارتے ہیں اتنی ہی تنزل! تنزل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ گویا دلدل میں پھنس گئے ہیں، جس قدر زور کرتے ہیں، اتنا ہی پاؤں اور دھنستا جاتا ہے۔ یا ان کے رشتۂ فلاح میں بدبختی کی گرہ پڑگئی ہے، جس قدر کھینچتے ہیں، اتنی ہی وہ اور زیادہ کستی جاتی ہے، اوکظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج، من فوقہ سحاب ظلمات بعضھا فوق بعض، اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نورا۔

جو قوم خدا سے اپنا رشتہ کاٹ دیتی ہے، اور اس کے فرمان واحکام سے روگردانی کرتی ہے، اس کے اعمال نور الٰہی سے خالی ہو جاتے ہیں اس پر ضلالت وگمراہی کا ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے، اور وہ اس کو اپنا مرکب بنا کر اس کے گلے میں اپنی اطاعت کی زنجیریں ڈال دیتا ہے:

ومن یعش عن — اور جو شخص خدا کے ذکر سے روگردانی

ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا فھوله قرین — کرتا ہے۔ ہم اس پر ضلالت کا ایک شیطان متعین کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ رہتا ہے۔

پھر یکسر گمراہی اور ضلالت ہو جاتی ہے، اس کی زندگی ناکامی اور نامرادی کی تصویر بن جاتی ہے۔ وہ طلب مقصود میں آوارہ گردی کرتی ہے مگر چوں کہ مقصود تک پہنچانے والے ہاتھ میں اس کا ہاتھ نہیں ہوتا، اس لئے کبھی مقصود تک نہیں پہنچتی۔ مسلمانوں کے تمام ترقی کے ولولوں اور اصلاح کی کوششوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے۔ نامرادی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں، ان کے لیڈر پانی کو ڈھونڈتے ہیں، مگر دوڑتے ہیں ریگ زار کی طرف:

اعمالھم کسراب بقیعة یحسبه الظمان ماءً حتیٰ اذا جاءه لم یجده شیئا۔ — ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت ہوتا ہے کہ پیاسا دور سے اس کو پانی سمجھ کر چلا۔ مگر جب پاس آیا تو کچھ بھی نہ تھا۔

عود الی المقصود

پس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں، تو مسلمان بن کر، ہندو یا مسیحی بن کر نہیں۔ آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر یہ بھی ہے کہ فرض کر لیجئے، کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینا پڑی۔ جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں، ان میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے، البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ لا تبدیل لکلمات اللّٰہ۔ پھر کیا اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دیں گے؟ ذرا غور سے کام لیجئے کہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ خواہ کسی اصول

پر مبنی ہو، لیکن وہ ایک ایسی راہ پیدا کرلیں جو ان کی مستقل اور مخصوص راہ ہو، جس میں کبھی تغیر کی ضرورت نہ ہو، جس میں کبھی تغیر کی ضرورت نہ ہو، تمام خارجی اثرات تغیر سے محفوظ ہو، نیز کہا جا سکے کہ وہ مسلمانوں کی راہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی پالیسی گورنمنٹ کے اندازِ نظر کا نام ہو۔ لطف و مہر کی بہار آئے، تو آپ کی پالیسی دوسری ہو، اغماض و اعراض کی بادِ خزاں چلے، تو آپ کا آشیانہ دوسری جگہ بن جائے۔ تقسیم بنگال کی تقسیم و ترتیب اور یونیورسٹی کا الحاق و عدم الحاق آپ کی پالیسی کو تیار نہ کرے۔ بلکہ آپ کے منقسم اقلیمِ دل کا انصال اور آپ کے شکستہ رشتۂ الٰہی کا الحاق آپ کے لئے دائمی اور ناممکن التبدیل پالیسی مہیا کر دے۔

(۲)

ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصاکم بہ لعلکم تتقون	یہی میرا (دین الٰہی کا) سیدھا راستہ ہے۔ بس صرف اسی کے ہو رہو، اور اور راستوں میں نہ پڑو، کیونکہ وہ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا کر تتر بتر کر دیں گے۔ یہ خدا کی تمہارے لئے وصیت ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

میں شاید اپنے مطلب کو اب تک ٹھیک ٹھیک ادا نہ کر سکا اس لئے زیادہ واضح طور پر آج عرض کرتا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ مضمون وسیع اور شاخ در شاخ ضمنی مطالب پر مشتمل ہے، جب لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہوں تو مجبوراً تفصیل و اطناب سے کام لینا پڑتا ہے۔ تاہم مطمئن ہوں کہ کوئی غیر ضروری بیان زبان قلم پر

نہیں گذرتا۔

مسلمانوں کا نصب العین کیا ہونا چاہیے

پالیٹکس جس کی طرف اب مدتوں کی غفلت کے بعد مسلمانوں نے شیفتگی کی نظر اٹھائی ہے۔ قومی زندگی کے اعمال کا ایک سب سے بڑا شعبہ ہے۔ لیکن ہم اسے مسلمانوں کے لئے کوئی اصلی مقصود اور بنیادی شئے نہیں سمجھتے۔ اور قوموں کے لئے اگر سیاست ان کے تمام اعمال کی بنیاد ہے۔ تو اس لئے ہے کہ زندگی کی حرارت پیدا کرنے کے لئے وہ سیاسی جذبات سے ایک گرم انگیٹھی کا کام لیتے ہیں۔ لیکن جس قوم کے پاس ایک شعلہ فشاں آتش کدہ موجود ہو، اسے انگیٹھی کی کیا ضرورت ہے؟

جب تنور گرم ہو جاتا ہے تو بہت سی انگیٹھیاں اس سے گرم کر لی جا سکتی ہیں، لیکن انگیٹھی تنور کا کام نہیں دے سکتی۔

اس وقت برسوں کے جمود نے کروٹ لی ہے، اور گویا انقلاب و تغیر کا ایک اچھا موسم مسلمانوں پر گذر رہا ہے۔ اس وقت جس چیز کی تخم ریزی کردی جائے گی، آگے چل کر اسی کے پھل کو اپنے دامن میں دیکھ سکیں گے۔ پس اس بارے میں میری دعوت کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمان محض پالیٹکس ہی کو اپنا مقصود حقیقی نہ بنائیں، اور اس طرح ایک عمدہ موسم کو، جس میں وہ شاید ایک پورا باغ لگا سکتے ہیں، صرف ایک ہی درخت کے بونے میں ضائع نہ کردیں۔ دوسری قوموں کی نظروں پر نظر رکھنا ان کے لئے کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔ ان کو صرف اپنے اوپر نظر رکھنی چاہیے، کیونکہ ان کے پاس ایک شئے ہے جو اوروں کے پاس نہیں ہے۔ اور جس کو اپنا مقصود بنا کر وہ ان تمام چیزوں کو بھی بوجہ احسن و اکمل لے سکتے ہیں، جو اور قومیں حاصل کر رہی ہیں، ان کو چاہیے کہ ہر طرف آنکھیں بند کر کے اس شئے کو اپنا اصل مقصود اور نصب العین بنائیں، جس کی تلاش میں انھیں گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ سے خود ان کے

گھر کے اندر موجود ہے۔ یعنی صرف اتباع دین مبین اور اعتصام بحبل اللہ المتین ان کے لئے ان کے خدا کی طرف سے ایک دائمی مقرر کردہ نصب العین ہے، اور ایک مسلم ہستی کے لئے اس کے سوا کوئی مقصود حقیقی نہیں ہو سکتا۔ نہ پالیٹکس نہ تعلیم، نہ اخلاق، اور نہ معاشرت، کیونکہ زمین پر جس قدر "کمالی" اور "جمال" ہے، وہ سب اس سے ہے، یہ کسی چیز سے نہیں ہے۔ دنیا میں جس قدر خوبیاں اور محاسن ہیں، سب اس کے نیچے ہیں، کیونکہ اس کے اوپر الوہیت کے درجے کے سوا اور کوئی درجہ نہیں۔ دنیا میں جس وقت سے انسانی ہدایت و شقاوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے، صرف یہی ایک صراطِ مستقیم اور ملت قدیم تمام انسانی فلاح و اصلاح کا وحدہٗ لاشریک وسیلہ رہی ہے۔

وقالوا کونوا هودًا او نصاریٰ تهتدوا، قل بل ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين۔ قولوا امنا بالله وما انزل الينا وما انزل الى ابراهيم واسماعيل واسحاق ويعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبيون من ربهم

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے (یعنی اسلام کے سوا اور طریقے اختیار کر لو) اے پیغمبر کہدے کہ کبھی نہیں! ہمارے لئے تو صرف ابراہیم ہی کا طریقہ طریق ہدایت ہے۔ اور اے مسلمانوں تم بھی کہہ دو کہ ہمارا طریق یہی ہے کہ اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور قرآن پر جو ہم پر اترا، اور اس تعلیم پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتری، اور موسیٰ اور عیسیٰ کو جو تعلیم دی گئی، اور انہیں پر موقوف نہیں، بلکہ دراصل اور تمام پیغمبروں اور رسولوں کو ان کے پروردگار کی طرف

لانفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون

سے جو تعلیم دی گئی۔ ان سب کی تعلیم ایک ہی طریق اسلام کی تھی۔ پس ہم ان میں کوئی تفریق اور امتیاز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

ترجوا النجاۃ ولم تسلک مسالکھا
ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

اگر مسلمانوں نے اپنے لئے ایک نہایت آزادانہ پولیٹکل پالیسی اختیار کر لی، کانگریس سے بھی بہتر ایک پروگرام ان کے ہاتھ میں ہوا، آئرلینڈ کے حکومت طلبوں سے بڑھ کر جوش اور سرگرمی پیدا کر لی، پالیٹکس میں وہ ازسرتاپا غرق ہو گئے، ان کا ہر فرد گلیڈسٹون اور مارلے ہو گیا، لیکن ساتھ ہی اگر انہوں نے اپنے معتقدات اور اعمال کے اندر اسلام کی عملی روح پیدا نہ کی اپنے تئیں دین الٰہی کی سلطنت کے ماتحت داخل نہ کیا، اور خشیۃ الٰہی اور زاد تقوٰی سے محروم رہے تو میں اس یقین کی لازوال طاقت کے ساتھ، جس کے لئے کبھی موت اور شکست نہیں۔ اس بصیرت الٰہی کے ساتھ جس میں کبھی تزلزل اور تذبذب نہیں۔ ازسرتاپا صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں کہ اگر آگ جلاتی ہے اور پانی ڈبوتا ہے۔ اگر آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا، اگر مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے۔ اگر مچھلی خشکی میں، اور پرند دریا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر قوانین فطریہ اور نوامیس طبیعیہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ دو اور دو پانچ نہیں بلکہ ہمیشہ چار ہوتے ہیں۔ تو یہ بھی کبھی نہ مٹنے والی صداقت، اور صفحۂ کائنات پر نقش سنگی ہے کہ مسلمانوں کو یہ تمام زمی سیاسی ہنگامہ آرائیاں، تعلیم و تربیت کا غوغائے محشر خیز، اور پولیٹکل پالیسی کے تغیر و تبدل کا ہیجان طوفان اور ایک لمحہ، ایک دقیقہ، ایک عشر دقیقہ تک کے لئے بھی کچھ نفع نہیں پہنچا سکے گا۔ ان کی تمام جدوجہد بیکار جائے گی، تغیر کا ابر ان پر سے بغیر ایک قطرہ

بارش کے گذر جائے گا، ان کی امیدوں کی خشک سالی بدستور باقی رہے گی، وہ جس قدر سعی رہائی کریں گے، اتنا ہی چاروں طرف کی لپٹی ہوئی زنجیروں کی بندش سخت تر ہوتی جائے گی۔ گمراہی و ضلالت کا شیطان کبھی ان سے الگ نہ ہوگا، ان کے گلوں میں جو طوق مذلت اور پاؤں میں جو زنجیر ادبار و تسفل پڑی ہوئی ہے وہ قیامت تک نہ ٹوٹے گی، جہالت و ضلالت، اسیر و غلامی ذلت و خواری کی صفوں میں ہمیشہ محصور رہیں گے، اور دنیا میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو قومی عزت کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا خسر الدنیا والاخرہ ذالک ھو الخسران المبین۔

ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنھا، لا تفتح لہ ابواب السماء و لا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط وکذالک نجزی المجرمین۔

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور جھکنے کی جگہ غرور سے اکڑ بیٹھے تو یاد رکھو کہ ان کے لئے نہ تو آسمانی برکت کا دروازہ کبھی کھلے گا اور نہ تو بہشت کی زندگی نہیں نصیب ہوگی، ہاں اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گزر جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہماری آیات کو جھٹلا کر پھر فلاح و برکت بھی حاصل کرلیں۔

میں نے کہا کہ "اگر آگ جلاتی اور پانی ڈبوتا ہے" نہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ آگ نہ جلائے اور پانی نہ ڈبوئے مگر یہ تو کسی طرح ممکن نہیں، کہ خدا کا وہ قانون شقاوت و ہدایت بدل جائے، جس کے لئے ابتدائے خلقت بنی آدم سے آج تک تاریخ میں کوئی مستثنیٰ شہادت موجود نہیں۔ یہ میں لکھ رہا ہوں، اور میرے اندر یقین اور اعتقاد کی ایک آواز بے چین و مضطرب ہے، مگر افسوس

کہ اس کی ترجمانی کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملتے۔ حیران ہوں کہ کیوں کر، اور کن لفظوں میں اپنا دلی یقین آپ کے دلوں میں بھی پیدا کر دوں؛ تاہم میں یہ کہنے سے کبھی نہ تھکوں گا، کہ جن احکام اسلام کو آپ نہایت بے پرواہی سے ایک مذہبی بندش کہہ کر گذر جاتے ہیں، وہ بندش تو ضرور ہے مگر ایک ایسے قانون کی بندش ہے جس کی سلطنت تمام قوانین مادیہ کے نظام حکومت سے بالاتر اور وراالوریٰ ہے اور نظم کائنات کے تمام اجزاء اسی بندش سے بندھ کر مرتب اور منظم ہوتے ہیں، یہی بندش ہے کہ لسان الٰہی نے اس کو کہیں "حدود اللہ" کے لفظ سے یاد کیا ہے، کہیں "سنت اللہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کہیں "فطرۃ اللہ" اس کا نام رکھا ہے۔ کبھی "صراط مستقیم" کہا ہے، اور کبھی "دین قویم" کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ربانی حکومت کا انتظام ہے، اور جب کوئی فرد یا قوم اس کے تحت و تسلط سے نکلنا چاہتی ہے، تو گویا وہ خدا کے ساتھ اعلان جنگ کر دیتی ہے پھر اس کی سلطنت سے نکل کر شیطانی حکومت میں داخل ہو جاتی ہے۔

یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم۔

خدا کہتا ہے کہ اے انسان حقیر، بتلا کر کس چیز نے تجھ کو اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنے رب کریم سے بغاوت کر دے؟

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باغی انسان کو کوئی گورنمنٹ پناہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح رب السمٰوات والارض کی بغاوت اور قانون شکنی کے بعد بھی کائنات کا ہر دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے۔ کسی سعی میں وہ کامیاب نہیں ہوتا، اور کوئی کوشش اس کی فلاح یاب نہیں ہوتی۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو

جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا، اس کی سعی و تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی اور اس کے تمام کاموں

فی الاخرۃ من الخاسرین — کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا۔

قرآن مجید نے امم سابقہ و اقوام پیشیں کا تذکرہ بار بار کیا ہے۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ اس "قانون ہدایت و شقاوت" کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائی جائے۔ جا بجا ان اقوام متمدنہ و عظیمہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جو آنے والی اقوام سے زیادہ قوی اور مستحکم تمدن رکھتی تھیں۔ لیکن جب انہوں نے احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا، اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کر دی، تو کوئی انسانی سعی و تلاشِ فلاح ان کو ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکی۔ یہاں تک کہ آج ان کے آثار و اطلال بھی دنیا میں باقی نہیں۔

او لم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم، کانوا اشد منھم قوۃ و اثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا، وجاءتھم رسلھم بالبینات فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔

کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ اگر پھرتے تو دیکھتے کہ جو قومیں ان سے پہلے ہو گذری ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ یہ وہ قومیں تھیں جو ان سے تمدن و ترقیات اور قوائے جسمانی میں بڑھ کر قوی تھیں۔ انہوں نے زمین پر اپنے کاموں کے نشان چھوڑے اور جس قدر تم نے اس کو متمدن بنایا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے تمدن پھیلایا ہے لیکن جب ہمارے رسول ان میں بھیجے گئے اور ہماری نشانیاں ان کو دکھلائی گئیں۔ تو انہوں نے سرکشی اور بغاوت سے جھٹلا دیا، اور برباد و فنا ہو گئے۔ خدا ظلم کرنے والا نہ تھا۔ لیکن خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

یہی اسلام وہ قانون "حیات و ممات اقوام" ہے جس کی طرف قرآن

نے جا بجا اشارہ کیا ہے۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیر۔

جتنی مصیبتیں اقوام وملل پر نازل ہوئیں وہ ہم نے پہلے سے ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں (یعنی پہلے سے وہ بصورت ایک قانون منضبط کے موجود ہے۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل بات نہ تھی۔

کائنات میں حیات وقیام صرف مسلم کے لئے ہے

اور غور کیجئے تو یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے جس کے لئے زیادہ دلائل آرائی مطلوب ہو، اگر مطلوب ہے تو اس لئے کہ دنیا میں آج اسلام کے پیرؤں کے لئے سب سے زیادہ اسلام کی دعوت معما ہو رہی ہے۔ اسلام تو فی الحقیقت ان قوائے فطریہ کے صحیح استعمال کا نام ہے جن کی حکومت سے دنیا کی کوئی شئے خارج نہیں۔ مچھلی کے لئے پانی میں تیرنا، پرندوں کے لئے ہوا میں اڑنا، نباتات کا زمین میں نشو ونما پانا، اور انسان کا زمین کے اوپر رہنا یہ سب چیزیں اسلام کے مفہوم حقیقی میں داخل ہیں، کیونکہ اس کا دوسرا نام "سنت اللہ" اور "فطرت اللہ" ہے۔ پھر کیا مچھلی پانی کی جگہ ہوا میں، پرند ہوا کی جگہ پانی میں، اور انسان زمین کو چھوڑ کر سمندروں میں زندہ رہ سکتا ہے؟ اگر نہیں رہ سکتا، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں کوئی شئے غیر مسلم ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ حیات اور زندگی صرف مسلم کے لئے ہے، اور جو قومیں زندہ ہیں، گو ان کو معلوم نہ ہو، مگر ہم کو معلوم ہے کہ وہ اسلام ہی کے سرچشمے سے سیراب ہو رہی ہیں۔ یہ اپنی بدبختی ہے کہ پاس رہ کر بھی ہم تشنہ لب ہیں۔

افغیر دین اللہ

کیا وہ لوگ دین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور

يبغون حكماً وله اسلم من في السمٰوات والارض طوعاً وكرهاً واليه يرجعون

تعلیم کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں ؟ حالانکہ اس آسمان اور زمین میں کوئی نہیں جو چار و ناچار اسی دین اللہ کا مسلم یعنی حکم بردار نہ ہو۔

ادخلوا فی السلم کافہ

پس باوجود اس کے کہ ہم پولیٹکل زندگی کو حیات ملی کا ایک ضروری شعبہ سمجھتے ہیں، باوجود اس کے کہ ہمارے نزدیک کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک اس کے اندر سیاسی جذبات مشتعل نہ ہوں، اور باوجود اس کے کہ ہم روز اول سے مسلمانان ہند کی ایک بڑی بدبختی یہ قرار دے رہے ہیں کہ ان کے لیڈروں نے غلامی و خوشامد کی داروئے بے ہوشی سے قوم کی قوم کو مرض النوم میں مبتلا کر دیا؛ ہم مسلمانوں کو کبھی یہ صلاح نہیں دیں گے کہ وہ صرف پولیٹکل آزادی کے ولولے ہی کو پیدا کر کے اصلاح و تغیر کی طرف سے فارغ البال ہو جائیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے لیے پولیٹکل پالیسی کے تغیر میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی، اگر ان کے اندر مذہبی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ بخار کے مریض کے لئے ڈاکٹر کے آگے یہ سوال نہیں ہوتا کہ اس کا جسم گرم کیوں ہے، اور آنکھوں میں سرخی کیوں ہے؛ بلکہ اس پر غور کرتا ہے کہ بخار کی تولید کی اصلی علت کیا ہے؟ اگر آپ صرف مریض کے جسم کی حرارت ہی کے شاکی ہیں، تو زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں، ایک من برف منگوا کر اس کے ریزوں میں اسے بٹھا دیجئے۔ امید ہے کہ سارا جسم ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ کہتے ہیں مسجد کا منارہ سیدھا نہیں، میں روتا ہوں کہ بنیاد ٹیڑھی ہے۔ آپ صرف پالیٹکس کو کیوں ڈھونڈھتے ہیں، جب کہ ایک ایسی مضبوط و لازوال کرسی آپ کو ملتی ہے۔ جس پر نہ صرف پالیٹکس، بلکہ قومی زندگی کی عمارت کے تمام ستون کھڑے ہو سکتے ہیں، اور ستونوں کے لئے کرسی ناگزیر ہے

مسلمانوں کے لئے اولین کام

پس موجودہ تغیر کے بعد اب مسلمانوں کو سفر اسی منزل سے شروع کرنا چاہیے جہاں کے سفر کا قدرتی مبدا ہے، اور جہاں سے ان کو پچھلا سفر شروع کرنا تھا، مگر انہوں نے نہیں کیا۔ ان کو نہ تو پولیٹیکل پالیسی کی تلاش و جستجو میں وقت ضائع کرنا چاہیے، نہ اعلیٰ تعلیم کے افسانۂ لا منتہائی میں پڑنا چاہیے، نہ لیگ کے غلامانہ اور ہوم رول آدر پالیٹکس پر توجہ کرنی چاہیے، اور نہ کانگریس کی رپورٹوں میں اپنے لئے نسخۂ فلاح ڈھونڈنا چاہیے۔ ان کو صرف ایک ہی کام کرنا چاہیے، یعنی بلا یہ سوچے ہوئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں اپنا ہاتھ دست الٰہی میں دے دینا چاہیے۔

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

نہ وہ پالیٹکس کو سوچیں اور نہ تعلیم کو، نہ آزادی کی مدح کریں، اور نہ غلامی کا طوق پہنیں۔ یہ باتیں ان کے سوچنے یا فیصلہ کرنے کی نہیں ہیں ان کا فیصلہ خدا کو کرنا تھا، اور اس نے کر لیا۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ اتباع کلمات اللہ و جمیع "ما جاء بہ القرآن" کے لئے تیار ہو جائیں، اور اپنے تئیں تمام انسانی تعلیموں اور اقوام کے اتباع و محاکات کے ولولوں سے خالی کر کے، صرف اس ایک ہی معلم کی تعلیم پر چھوڑ دیں۔ اگر اسلام ان کو پالیٹکس میں بلانا چاہے، تو لبیک کہہ کے دوڑ جائیں۔ اگر وہ اس سے اجتناب کی تعلیم دے، تو اشارے کے ساتھ ہی مجتنب ہو جائیں۔ اگر وہ کہے کہ غلامی اور خوشامد، دو ہی چیزیں اصلی ذریعہ عزت و فلاح ہیں تو وہ سر سے پاؤں تک غلامی کی تصویر بن جائیں۔ اگر وہ کہے کہ آزادی اور حقوق طلبی ہی میں قومی زندگی اور عزت ہے، تو ان کا وجود یکسر پیکر حریت و جہد حریت ہو جائے۔ اخلاق، تعلیم، تمدن، شائستگی، اصلاح معاشرت غرضیکہ ایک متمدن زندگی کے جتنے اجزا ہیں، ان میں وہ جس طرف بلائے

اسی طرف جھک جائیں۔ خود ان کی خواہش، کوئی ارادہ، کوئی تعلیم، کوئی پالیسی نہ ہو۔ ان کی خواہش اور پالیسی صرف اتباع قرآن ہو۔ وہ اس تنکے کی طرح، جس کو کسی بحر طوفان خیز میں ڈال دیا گیا ہو، اپنے تئیں تعلیم الہٰی کے سمندر میں چھوڑ دیں۔ جس طرف وہ چاہے لے جائے اور جس کنارے پر چاہے، انھیں لگا دے۔ جب خدا ان کا تمام بوجھ اپنے سر لیتا ہے، تو وہ خود اپنے کاندھوں کو کیوں تھکاتے ہیں۔؟

اگر مسلمانوں نے ایسا کر لیا، (اور وعدہ الہٰی ہے کہ والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا) تو وہ یاد رکھیں کہ آج جن چیزوں کے لئے بھٹک رہے ہیں، اور نہیں ملتیں، اگر ان کا مطلوب حقیقی یعنی اسلام ان کو مل گیا، تو وہ خود بخود ان کے قدموں پر آ کر گر جائیں گی۔ ان میں سے ایک ایک کی تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں۔ وہ بہت گمراہ ہو چکے، جو سر عزت کی بلندی کے لئے بنا تھا، بہت ٹھکرایا جا چکا اب بھی سنبھل جائیں، کہ خدا کا ہاتھ بیعت لینے کے لئے بڑھا ہوا ہے، وہ اسے چھوڑ کر شیطان کے ہاتھ پر کیوں بیعت کر رہے ہیں؟۔ ان کے تمام اعضا مردہ و غیر متحرک ہو رہے ہیں لیکن اس کے لئے سر میں تیل کی مالش یا تلوے کا سہلانا اصلی علاج نہیں ہے۔ ان کو روح کی ضرورت ہے جس دن، جس آن، جس لمحے، ان میں اسلام کی گم گشتہ حرارت عزیزی عود کر آئے گی، اسی وقت پاؤں کے انگوٹھے سے لے کر سر کے بالوں کی جڑ تک ان کا تمام جسم زندہ ہو جائے گا، ان کا اخلاق، ان کا تمدن، ان کی سوشیل حالت، ان کی سوسائٹی کا نظام اور سب سے آخر مگر سب سے پہلے یہ ان کی پولیٹیکل حالت، غرضیکہ حیات ملی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہوگا، جو باحسن شکل و باکمل حال ان کے پاس موجود نہ ہو جائے۔

ومن یسلم وجھہ
الی اللہ وھو محسن
فقد استمسک
بالعروۃ الوثقی۔
والی اللہ عاقبۃ
الامور

اور جو شخص ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور ساتھ ہی اعمال حسنہ اختیار کئے تو بس یقین کرو کہ اس نے مضبوط رسی تھام لی اور انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

۳

قل ھل شرکائکم
من یھدی الی
الحق ؛ قل اللہ
یھدی للحق
افمن یھدی
الی الحق احق ان
یتبع امن لا یھدی
الا ان یھدی ؟ فما
لکم ، کیف تحکمون ؟
وما یتبع اکثرھم الا ظنا ،
ان الظن لا یغنی من
الحق شیئا ، ان اللہ
علیم بما یفعلون ۔

اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو، کہ تمہارے بنائے ہوئے معلموں میں کوئی بھی ایسا ہے، جو راہ حق کی ہدایت کرے؟ کہدو کہ اللہ ہی ہے، جو حق کا راستہ دکھلاتا ہے۔ پس جو حق کی راہ دکھلائے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی تعلیم کی پیروی کی جائے یا وہ عاجز انسان جس کا یہ حال ہے کہ جب تک دوسرا اس کو راہ نہ دکھلائے، وہ خود بھی راہ نہیں پا سکتا؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ کیسے حکم لگا رہے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں اکثر لوگ صرف اپنے خیال و وہم کی بنائی ہوئی باتوں پر چلتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہم و گمان حق کے یقین کے مقابلے میں کام نہیں آ سکتا۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی کارروائیوں سے خوب واقف ہے۔

احرام عہد روز ازل، کعبہ کوئے دوست
جز راہ عشق ہر کہ رود بر خطا رود

صحت کیلئے تندرست کو نہیں مریض کو دیکھنا چاہیئے

اگر مریض بدپرہیزیوں اور بیماریوں سے تنگ آ کر چاہتا ہو، کہ آئندہ کے لئے ایک صحیح و تندرست کی زندگی حاصل کرے، تو اس کے لئے حفظِ صحت کی کسی کتاب کے پڑھنے سے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ اپنی بیماریوں اور پچھلی بدپرہیزیوں کا مطالعہ کرے۔ مسلمان اگر آئندہ اپنی حیات ملی کو بیماریوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، تو ان کے لئے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے گذشتہ اور موجودہ امراض علی الخصوص اپنی بدپرہیزیوں پر نظر ڈالیں، اور آئندہ ان سے بچنے کا سامان کریں۔

مسلمانوں کے تمام امراض کی اصلی علت جس نے مختلف عوارض کی شکلیں اختیار کر لی ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انھوں نے تعلیم الٰہی کے عروۃ الوثقیٰ کو چھوڑ دیا، اور اس کے ساتھ مہلک بدپرہیزی یہ ہے، کہ سعی اصلاح و ترقی کا جو قدم اٹھایا، وہ مذہب سے الگ رہ کر اٹھایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صحت و تندرستی ہی سے محروم ہو گئے۔ مسلمانوں میں بڑی تحریک تعلیمی ہے۔ اور پھر سیاسی لیکن دونوں کا یہی حال ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ پہلی پوری کامیاب نہ ہوئی۔ اور دوسری اپنی عمر کے چوتھے سال ہی میں بستر نزع پر پائی گئی۔ اب جو کچھ ہے اس کی تجہیز و تکفین کی دھوم ہے، کہ کئی کروڑ مسلمانوں کی پنجاہ سالہ "متفقہ اور مسلمہ" پالیسی کے

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دین اور دنیا کی تفریق

ہم کو مسلمانوں کی گذشتہ جد و جہد ترقی پر بہت کچھ لکھنا ہے، کیونکہ جب تک پچھلی غلطیاں سامنے نہ آئیں، آئندہ کے لئے ان سے پرہیز ممکن نہیں۔ لیکن یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں، کہ آج کل کانفرنسوں میں ہمارے قومی خطیبوں نے بزم آرائیوں کیلئے جو موضوع اختیار کر رکھے ہیں، ان میں

ایک برسوں کا پامال مضمون دین اور دنیا کا باہمی تعلق بھی ہے۔ بار بار اس کو دہرایا گیا ہے۔ اور ہمیشہ زور دے دے کر کہا گیا ہے، کہ اسلام میں دین اور دنیا کی تفریق کا کوئی سوال نہیں، وہ دین کو دنیا سے الگ نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ دین دنیا ہی کے حسن عمل کا نام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مثل آج کل کے بہت سے اقوال کے یہ قول محض بھی صحیح ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اعمال کا کیا حال ہے؟ وہی مدعیانِ اصلاح جو اس صداقت کو زبانی دہراتے ہیں، ان کی از سر تا پا زندگی، اور ان کی تمام قومی تحریکوں کے اعمال میں بھی اس کا کچھ اثر ہے یا نہیں؟

حالت یہ ہے کہ خود ہمارے نئے لیڈروں نے دین اور دنیا کے اندر تفریق کی ایک ایسی جھیل حائل کر دی ہے، جو روز بروز دونوں کناروں کو دور تر کر رہی ہے، اور ان کو کسی طرح ملنے نہیں دیتی۔ انہوں نے سعی اصلاح و ترقی کی جس قدر تحریکیں شروع کیں، ان کو مذہب سے اس طرح الگ رکھا، گویا نہ تو پیروان اسلام ان کے مخاطب ہیں، اور نہ مسلمانوں کی قوم سے خود انہیں کوئی واسطہ ہے۔ ان کی زندگی، ان کے اعمال ان کی آواز انکی نظریں، ان کی مثالیں، ان کے پیش نظر نمونے، بلکہ ان کے تمام افعال و کردار یکسر اسلام سے بیگانہ، اور از فرق تا بقدم مذہب سے نا آشنا رہے، انہوں نے ہمیشہ دنیا کو دین سے الگ دیکھا، اور جب کبھی قدم اٹھایا تو دنیا کی طرف، حالانکہ اگر دین کی طرف بڑھتے، تو دنیا خود ان کی طرف دوڑتی۔

یعلمون ظاھراً من الحیوٰۃ الدنیا، وھم عن الاٰخرۃ ھم غافلون	یہ لوگ صرف دنیا کی ظاہری دلفریبیوں ہی کو جانتے ہیں اور آخرت کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔

مذہب سے یہ الحاد آمیز بیگانگی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ آج اگر کوئی صدائے قرآنی بلند ہو جاتی ہے، تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتا ہے کہ یہ

کیسی آواز ہے؛ بہت سے اس خیال پر متعجب ہیں کہ مسلمانوں کی پولیٹکل پالیسی بھی قرآن پر مبنی ہو؟ (ر ایت المنافقین یصدون عنک صدودا) بہتوں کو یہ کہنے سے نفرت اور غصے کا بخار چڑھ آتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے جو کچھ ہے قرآن ہی میں ہے اور قرآن ہی سے ہے (قل موتوا بغیظکم) اور بہت ہیں جو فرعون کے جادوگروں کی طرح خوف زدہ ہو رہے ہیں کہ کہیں مذہب کا عصائے موسوی ثعبان مبین بن کر ان کو نگل نہ جائے،

ر ایت الذین فی قلوبهم مرض ینظرون الیک نظر المغشی علیه من الموت

جن لوگوں کے دل ضلالت سے مریض ہو رہے ہیں، تم ان کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف ایسے خوف زدہ ہو کر دیکھ رہے ہیں؟ جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔

ہم کسی کی نیت کی نسبت زبان کھولنے کا حق نہیں رکھتے، لیکن واقعات اور نتائج بعض اوقات نیت کی پروا نہیں کرتے، اور حکم نتائج پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ آج کل کے کارفرما طبقے میں بہت سے لوگ اعتقاداً ملحد ہوتے ہیں، لیکن اس اعتقاد کو لے کر کیا کیجئے، کہ عملاً سر سے پاؤں تک ان کی جس شے کو دیکھیئے، حسن الحاد کی دلربائیوں کا یہ حال ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اور باتوں سے قطع نظر کیجئے، ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑی یزداں فراموشی اور الحاد پرستی تو یہی ہے کہ ایک گروہ مسلمانوں کی اصلاح کا دعویٰ کرے اور پھر اپنے تمام کاموں کے لئے اسلام کو اور اس کے خدا کو چھوڑ کر انسانی خیالات کے اصنام و طواغیت کو اپنا حکم بنائے:

الم تر الی الذین یزعمون انھم امنو بما انزل الیک وما انزل من قبلک . یریدون ان یتحا کموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ و یرید الشیطان ان یضلھم ضلاً لاً بعیدا ۔

اے پیغمبر! ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اس زعم باطل میں پڑے ہیں کہ ہم مومن و مسلم ہیں، حالانکہ وہ کیوں کر مومن ہو سکتے ہیں جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر چاہتے ہیں کہ دوسروں کو اپنا حاکم بنائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ خدا کے سوا دوسروں کی اطاعت سے انکار کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں نہایت سخت درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

جن باتوں کو ہمارے لیڈر اسلام سے نا آشنا رہ کر کہتے رہے، اگر چاہتے تو انہی باتوں کو وہ اسلام کی زبان سے ادا کر سکتے تھے۔ تعلیم اگر ضروری تھی، علوم جدیدہ کی اگر دعوت دینا چاہتے تھے، معاشرت میں ضروری تبدیلی کے خواہاں تھے، یا اور جتنی باتیں قوم کے آگے پیش کرنا چاہتے تھے، ان میں کون سی شے ایسی ہے، جس کے لیے قرآن کریم اور تعلیم الٰہی کو سامنے نہیں رکھ سکتے تھے؟ پھر کسی دعوت کے لئے یہ طریقہ مؤثر تھا کہ انسانوں کی نظیر دی جائے، یا یہ، کہ خدا کا حکم ہے؟ غور کیجئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟

اگر واقعی یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کی دین اور دنیا دونوں ایک ہیں، اگر یہ واقعہ ہے کہ وہ قرآن نامی ایک کتاب کے پیرو ہیں، اس میں کوئی دھوکا نہیں کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول تھا۔ جس کے پیش کئے ہوئے احکام ان کے لئے ذریعہ فوز و فلاح ہیں، تو ہمارے لیڈروں کی حالت اس سے بالکل متضاد ہوتی تھی، جو آج ہم بدبختی سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ایک ایسی جماعت

ہوتی جس کے دل اور زبان، دونوں میں اسلام ہوتا، جن کا ہاتھ کسی حالت میں قرآن سے خالی نہ ہوتا۔ بلکہ قرآن کی گرفت سے اس طرح رک جاتا کہ کسی دوسری شئے کو اٹھانے کی مہلت ہی نہیں پاتا۔ وہ ازسرتاپا مذہب کی تصویر ہوتے اور تعلیم الہٰی کا عملی نمونہ، ان کی ہر صدا مذہب میں ڈوبی ہوتی، اور ہر قدم مذہب ہی کی جانب اٹھتا۔ ان کی زبان کھلتی، تو مذہب کے لئے، اور قلم حرکت کرتا تو مذہب کے نام پر وہ بہتر سے بہتر خیال، اور ہر عمدہ سے عمدہ بات قوم کے آگے پیش کرتے، مگر جو کچھ کہتے مذہب کے واسطے سے، اور جو کچھ لکھتے مصحف کی سیاہی سے۔

وہ جب ہمارے سامنے آتے، تو گو ان کے سروں پر ہیٹ ہوتا، مگر زبان پر قرآن ہوتا۔ ہمیں اس کی چنداں پروا نہ تھی کہ ان کے سر پہ کیا ہے؟ مگر اس سے کیوں کر غفلت کریں کہ ان کی زبان پہ کیا ہے۔؟

لیکن ایسا ہوتا تو کیوں کر ہوتا؟ دین و دنیا کی عملی تفریق نے قوم کی اصلاح وارشاد کی باگ ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں دے دی، جو اگر ایسا کرنا بھی چاہتی، تو نہیں کر سکتی۔ الحاد ان کے دل میں چپکے چپکے کام کر رہا تھا، اور دماغ مذہب سے ناآشنا تھا، ان کو جس قرآن اور جس اسلام کی خبر ہی نہ تھی، اس کو قوم کے آگے پیش کرتے تو کیا کرتے؟

روح کی تلاش سے پہلے اُٹھ بیٹھنے کی سعی

پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں، ایک سرد لاش اٹھ کر بیٹھ جائے، تو یہ کوشش لاحاصل ہوگی کہ اس کے ہاتھ پر گرم گرم تیل کی مالش کریں، یا سر کو سینکنا شروع کر دیں۔ بیشک ہاتھ ایک نہایت کارآمد اور ضروری عضو ہے، مگر صرف اس کو گرم کر دینے سے زندگی کی حرارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اصلی شئے روح ہے، جس وقت روح جسم میں عود کر آئے گی، خود بخود تمام اعضا کام

دینے لگیں گے۔ جسم ملت کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ سیاست، اخلاق تمدن، تعلیم، اصلاح معاشرت، یہ تمام چیزیں اس کے لئے نہایت ضروری اور کارآمد اعضا ہیں۔ لیکن ان سب کی زندگی روح پر موقوف ہے۔ میں نے کبھی لکھا تھا کہ قومی زندگی کے لئے دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں، پالیٹکس اور مذہب، مگر یہ کہنا باقی ہے کہ اور قوموں کے لئے صرف پالیٹکس حیات بخش ہو تو ہو مگر مسلمانوں کے لئے جن کا سارا کاروبار حیات مذہب ہی کے دم سے ہے، وہ روح مذہب کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

یا ایہا الذین امنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم، واعلموا! ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار سنو!! وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ تمہارے اندر زندگی کی روح پھونک دے، اور یقین کرو کہ اللہ انسان اور اس کے ارادوں میں جب چاہتا ہے آڑے آجاتا ہے یہ بھی یاد رکھو کہ بالآخر ایک دن تم سب اس کے آگے کھڑے کئے جاؤ گے۔

ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر صرف قومیت اور سیاست کی روح پیدا کر کے زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے ہیں، اسی طرح اور قومیں بھی۔ لیکن مسلمانوں کی تو کوئی علیحدہ قومیت نہیں، جو کسی خاص نسل و خاندان، یا زمین کے جغرافیائی تقسیم سے تعلق رکھتی ہو۔ ان کی ہر چیز مذہب، یا بالفاظ مناسب تر ان کا تمام کاروبار صرف خدا سے ہے، پس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو نہیں قرار دیں گے، اس وقت تک نہ ان میں قومیت کی روح پیدا ہو گی اور نہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کر سکیں گے آج دنیا "قوم" اور "وطن" کے نام میں اپنے لئے جو تاثیر رکھتی ہے، مسلمانوں کے لئے وہ اثر صرف "اسلام" یا "خدا" کے لفظ میں ہے۔ یورپ میں "نیشن" کا لفظ کہہ کر ایک شخص

ہزاروں دلوں میں حرکت پیدا کر سکتا ہے، لیکن آپ کے پاس اس کے مقابلے میں کوئی لفظ ہے تو "خدا" یا "اسلام" ہے۔

تشخیص کے بعد

اگر تشخیص کے بعد علاج آسان ہے۔ اگر گذشتہ امراض کی دریافت کے بعد آئندہ کے لیے حصولِ صحت میں کوئی دشواری نہیں، اور اگر صحت کی آرزو کے ساتھ مرض کے حصول کی خواہش کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ تو مسلمانوں کے لیے اُن کی آئندہ شاہراہِ مقصود کا سوال بالکل صاف ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ آج تک ان کی تمام کوششیں اس لئے بارآور نہیں ہوتیں، کہ ان کو آگ کی تلاش تھی چاہئے تھا کہ چنگاریوں کو پھونکتے تاکہ آگ بھڑکتی، اور تنور گرم ہو جاتا، لیکن وہ ہمیشہ راکھ کے ڈھیر کو پھونکتے رہے۔ ان کی محنت میں کوئی شک نہیں مگر اس کو کیا کیجئے کہ راکھ پھونکنے سے آگ نہیں پیدا ہو سکتی۔

ونار لو نفخت بها اضاءت
ولکن انت تنفخ فی الرماد

ضلالت اعمال کی یہی مثال ہے جو قرآن حکیم نے دی ہے اور فی الحقیقت قرآن کے سب سے گہرے معارف اس کی مثالوں ہی میں ہیں۔

مثل الذین کفروا بربهم اعمالهم کرماد اشتدت به الریح فی یوم عاصف، لا یقدرون مما کسبوا علی شیء ذالک هو الضلال البعید

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی اطاعت سے انکار کیا، ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے، گویا راکھ کا ڈھیر ہیں کہ آندھی کے دن اس کو ہوا اڑا لے گئی۔ اسی طرح جو کام ان لوگوں نے کئے ہیں، ان میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گا، یہی گمراہی پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔

مسلمانوں میں تعلیمی رفتار اب تک مقابلتاً کیوں سست ہے؟ پولیٹکل

آزادی کے ولولے کیوں ان میں نہیں ابھرے ؟ ایثار وقربانی کی مثالیں کیوں ناپید ہیں ؟ سحر نگار اہلِ قلم، اور آتش بیان مقرر کیوں نہیں پیدا ہوتے ؟ ان سب کا جواب یہی ہے کہ ایک مردہ لاش سامنے تھی، لیڈروں نے اس کے اعضا تقسیم کرلئے۔ کسی نے تلوا سہلایا، اور کسی نے سر سینکنا شروع کردیا، مگر روح کی کسی کو فکر نہیں ہوئی۔ پھونکنے کے لئے بہتوں نے اپنے چہروں کو چولھے سے ملا دیا، مگر جتنی پھونکیں ماریں، وہ سب یا تو چولھے کے باہر کی مٹی اڑاتی رہیں یا اندر کی جمع شدہ راکھ کو بکھیرتی رہیں۔ آگ بھڑکتی تو کیونکر بھڑکتی؟ اور تمام اعضاء کام دیتے تو کیوں کر دیتے ؟ بدبختی ہے کہ اتنی صاف بات بھی کسی کے سمجھ میں نہیں آئی ؟

خلاصۂ مطالب ہم نے گذشتہ تین نمبروں میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں، بہتر ہوگا اگر ان کو بطور حاصل بیان کے یہاں عرض کروں۔

(۱) - موجودہ تغیر خیالات ایک قیمتی فرصت ہے، اگر ایک دیوار ٹیڑھی کھڑی کردی گئی ہو اور آپ اس کے نقص کو معلوم بھی کرلیں، تاہم کسی بنی ہوئی چیز کا گرانا اور پھر از سر نو بنانا اس درجہ مشکل کام ہوتا ہے کہ ممکن ہے برسوں تک آپ کو نئی دیوار کھڑی کرنے کی مہلت نہ ملے۔ لیکن اگر طوفان یا بارش کے ناگہانی حملے سے گر جائے، تو پھر آپ کو نئی دیوار بہرصورت بنانی ہی پڑے گی۔ یہی حال مسلمانوں کی قدیمی پالیسی کا ہے۔ وہ خود بخود گر چکی ہے۔ نئی پالیسی کی دیوار بنانے کے لئے اب پچھلی دیوار کے گرانے کی ضرورت نہیں، صرف اس کی ضرورت ہے کہ اب جو بنیاد رکھی جائے، وہ درست ہو۔

(۲) مسلمانوں کے لئے ہر شے ان کے مذہب میں ہے، پس اگر وہ آج کل پولیٹیکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی جگہ اس شے ہی کو کیوں نہ پیدا کرلیں جو نہ صرف پالیٹکس، بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کردے ؟

(۳) قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرض بتلانے ہی کے لئے نازل نہیں ہوا، بلکہ وہ انسانوں کے لئے ایک کامل و اکمل قانون فلاح ہے، جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر نہیں. پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی، اور ہر وہ عمل، جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا. ان کے لئے کبھی موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا.

(۴) مسلمانوں کا تمام کاروبار خدا سے ہے، اور خدا کے سوا جو کچھ ہے، وہ ان کے لئے اصنام و طواغیت یعنی بتوں کا حکم رکھتا ہے. پس جب تک وہ خدا کے آگے نہیں جھکیں گے، دنیا کی کوئی چیز ان کے آگے نہیں جھکے گی.

(۵) - ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہئے اور ساری طاقت ان میں صرف کرنی چاہئے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں اسلام ہی ان کے لئے پالیٹکس کی راہ کھولے گا، تعلیم کا حکم دے گا، اخلاق و خصائل میں تبدیلی پیدا کر دے گا، اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں، نقصانوں اور مضرتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔ ھذہ تذکرۃ، فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا -

۴

ان ینصرکم اللہ
فلا غالب لکم
وان یخذلکم فمن
ذا الذی ینصرکم
من بعدہ ؟؟ وعلی
اللہ فلیتوکل
المومنون

مسلمانو! اگر اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ ہو تو پھر تم پر کوئی شے غالب نہیں آ سکتی، لیکن اگر اللہ ہی تم کو شکست دینا چاہے، تو بتلاؤ کہ اس کے بعد پھر کون ہے، جو تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اصحاب ایمان تو صرف اللہ ہی سے اپنا کاروبار رکھتے ہیں اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

ہاں رہ عشق ست، کج گشتن ندار دباز گشت
جرم را ایں جا عقوبت ہست استغفار نیست

گذشتہ مطالب کے گوش گزار کر دینے کے بعد، اب صرف چند باتیں اور عرض کرنی باقی رہ گئی ہیں، اگرچہ سچ پوچھئے تو پوری داستان ہی باقی ہے اور شاید ہمیشہ باقی ہی رہے گی۔

قصۂ عشق بہ شیرازہ نگنجد زنہار
بگذار بد کہ ایں نسخہ معجزا ماند

اس تبدیلی کے نتائج

قدرتی طور پر سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اگر ایسی تبدیلی عمل میں آ گئی (وما ذالک علی اللہ بعزیز) تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ آغاز مضمون میں جن آئندہ خطرات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ کیا کیا ہیں؟

لیکن غور کیجئے تو در اصل ہماری دعوت اثبات فوائد و نتائج سے مستغنی ہے۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ہر وہ انسانی عمل جو تعلیم الٰہی کی ہدایت بخشی سے خالی ہے، کبھی فوز و فلاح نہیں پا سکتا۔ اگر ہم اپنی دعوت کی خوبیاں ثابت نہ کر سکیں، تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ اس کے لئے یہی ایک خوبی کافی ہے کہ اوروں کی دعوت انسانوں کی طرف سے ہے، اور اس کی پکار تعلیم الٰہی کی طرف۔

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین۔

اور اس سے بہتر اور کس کی پکار ہو سکتی ہے، جس نے اللہ کی طرف بلایا، اعمال نیک انجام دیئے اور اپنے تئیں کسی انسانی نسبت کی طرف نہیں، بلکہ خدا کی طرف منسوب کر کے کہا کہ میں صرف "مسلم" ہوں۔

انسانی اعمال واقوال دوسرے انسان کے لئے محتاجِ تصدیق ہیں، مگر خدا کی آواز جب انسان کو مخاطب کرتی ہے، تو وہ خود حق اور صداقت ہے۔ اور اپنی تصدیق کے لئے کسی استدلال کی محتاج نہیں۔ اگر سچ کوئی متشکل وجود ہوتا، اور بولتا، تو کیا اس سے دلیل طلب کی جاتی کہ وہ سچ ہے؟ آفتاب اگر کہے کہ میں روشن ہوں تو آپ اس کے جواب میں کیا کہیں گے؟

ہم جلدی میں لکھ گئے کہ "ہمارا اعتقاد ہے" حالانکہ "ہر مومن قلب" کا یہی اعتقاد ہونا چاہئے۔ مومن کی تعریف یہ ہے کہ "وہ صحیح الفطرت انسان، جس کی فطرت اصلی کا ذوق خارجی اثراتِ ضلالت سے بگڑ نہ گیا ہو، کیونکہ انسان کی "فطرت اصلی" اور "اسلام" دو مترادف لفظ ہیں۔ اور فطرت انسانی کا اگر کوئی مذہب ہے، تو وہ اسلام ہی ہے۔ اس کے خلاف انسان کے جس قدر اعمال ہیں ان کو خارجی اثرات کی پیدا کی ہوئی ضلالات سمجھئے۔ ہر ایسی ضلالت کو جو سرشت انسانی کے خلاف ہو، قرآن حکیم "عمل الشیطان" سے تعبیر کرتا ہے کہ عمل رحمانی تکوین فطرت اصلی وودیعت تمیز ہدایت وضلالت ہے۔ كما ورد في الحديث المشهور، كل مولود يولد على الفطرة (او على فطرة الاسلام)، فابواه يهودانه وينصرانه (الى آخره)

فاقم وجهك للدين القيم، فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله

پس صرف دین قیم فطری کے ہو جاؤ، وہ خدا کی قائم کی ہوئی فطرت ہے جس پر یہ انسان پیدا کیا گیا، اور خدا کی فطرت میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

پس ہر صحیح الفطرت انسان کے لئے یہ دعوت ایک ایسی صداقت بحت ہے، جو کسی بحث واستدلال کی محتاج نہیں۔ یہ اس کے لئے کوئی نئی دعوت نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر کی اس صدائے فطرت کا اعادہ ہے، جو ہر آن وہر لحظہ اس کے اعماق قلب سے اٹھ رہی ہے۔ اور اس نقشِ خلقت کا عکس ہے، جو نقاشِ قدرت

نے اس کے صفحہ جبلت پر کھینچ دیا ہے۔ اگر باہر کے غوغائے ضلالت نے اس کے سامعہ کو مشغول نہ کر دیا ہو، تو جب کان لگائے، اس آواز کو سن سکتا ہے اور جب آنکھ بند کرے، اس نقش کو دیکھ سکتا ہے:

ان فی ذالک لذکری	اور اس میں بہت بڑی بصیرت ہے
لمن کان له قلب او القی	اس کے لئے، جو اپنے پہلو میں سوچنے والا
السمع وھو شھید	دل رکھتا ہو، اور جس کے سر میں سننے والا کان ہو

البتہ یہ ضرور ہے کہ دستر خوان کے لذائذ کا اعتراف کرنے کے لئے ایک تندرست شخص کی زبان چاہیئے، نہ کہ ایک ایسے مریض کی، جو رات بھر تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر بستر سے اٹھا ہو۔ اگر آپ کے منہ کا مزہ بگڑا ہوا ہے، تو آپ شہد کو حنظل ثابت کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ اپنے کام و زبان کے ذوق رفتہ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

پس حقیقت اندیشی کی نظر ڈالیے تو اتباع دین الٰہی کے داعی کے سر بحث و استدلال کا کوئی بار نہیں ہے، اس نے جس وقت یہ کہا کہ تعالوا الی ما نزل علی الرسول (اس تعلیم کی طرف آؤ جو خدا نے اپنے رسول کریم پر اتاری) تو وہ اسی وقت سبکدوش ہو گیا، کیونکہ اگر اس کی دعوت دلیل کی محتاج تھی، تو اس نے دعوے کے ساتھ دلیل بھی پیش کر دی۔ روشنی کے لئے یہی دلیل ہے کہ وہ روشنی ہے۔ اس کی صداقت کی اس سے بڑھ کر برہان مبین اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ انسانوں کی طرف نہیں بلاتا بلکہ داعی الی اللہ و ما نزل علی رسولہ ہے:۔

تعالوا الی کلمۃ	اس تعلیم کی طرف آؤ جو تم میں اور ہم
سواء بیننا و بینکم الا	میں مشترک ہے، یعنی خدا کے سوا کسی
نعبد الا اللہ	کے آگے سر نہ جھکاؤ۔

تاہم کیا کیجئے کہ بدبختی سے زمانہ وہ آگیا ہے، جو ایک مسلمان کے آگے اسلام کی خوبیوں کو ثابت کرنا بہ نسبت ایک مسیحی کے زیادہ ضروری ہے۔ عین نصف النہار کی دھوپ میں کھڑا ہو کر روشن ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ پیاس کسی کو نہیں ہے مگر پانی سے پوچھتے ہیں کہ اسے کیوں تشنگی کے لئے مفید تسلیم کیا جائے؟

حریفِ کاوشِ مژگانِ خون ریزش نئی زاہد
بدست آور رگِ جانے و نشتر را تماشا کن!

بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اس دعوت کے نتائج پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیں روشنی کی برکتیں کسے معلوم نہیں، مگر پھر بھی آپ بار بار دُہرا دُہرا کر کہے جائیں تو بہتر ہے کیونکہ لوگوں نے تاریک غاروں اور تہہ خانوں کو اپنا نشیمن بنا لیا ہے کذالك نصرف الایات لعلهم یتذکرون (اور اسی لئے ہم بار بار دُہرا کر موعظت و تذکیر سے کام لیتے ہیں، تاکہ لوگ سوچیں اور غور کریں) ہماری دعوت دراصل دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مسلمان اپنے تمام اعمال میں جب تک کوئی علمی مذہبی تبدیلی پیدا نہیں کریں گے محض سیاسی یا تعلیمی تغیرات و ترقیات ان کے لئے سود مند نہیں ہو سکتیں۔

(۲) تعلیم، معاشرت اور سیاست میں ان کو بربنائے اتباعِ اقوام کوئی راہ اختیار نہیں کرنی چاہئے، بلکہ بربنائے مذہب۔

پہلے حصے کو ہم موخر رکھ کر سردست دوسرے ٹکڑے پر ایک مختصر بحث کرنی چاہتے ہیں۔

ہم نے گذشتہ نمبر میں کہا تھا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے تئیں تعلیمِ قرآنی کے ہاتھ پر چھوڑ دیں۔

می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

اب دیکھنا چاہئے کہ اگر ہم ایسا کریں، تو تعلیم، معاشرت اور پالیٹکس

ہیں قرآن ہم کو کس طرف لے جائے گا ؛ تعلیم میں ہم آج جو علوم و فنون جدیدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں ، اور جو مقصد انتہائی ہمارے پیش نظر ہیں ، مذہب کی راہ سے بھی وہاں تک پہنچ سکیں گے یا نہیں ؛ اور اگر پہنچیں گے ، تو خالص تعلیمی تحریک اور اس تحریک میں کیا فرق ہوگا ؛ معاشرت میں اس کا ہاتھ ہمیں کہاں تک لے جائے گا ؛ اور جو زندگی ہماری ہوگی ، وہ بیسویں صدی کی معاشرتی ضروریات سے مطابق ہو سکے گی یا نہیں ؛ پالیٹکس میں اس کی تعلیم کیا ہوگی ؛ وہ غلامانہ محکومی کو فضیلت انسانی قرار دے گا ، جیسا کہ اب تک مسلمانوں کا حال رہا ، یا آزادی و خود مختاری ، جمہوریت و مساوات کا ولولہ پیدا کرے گا ، جس کی طرف موجودہ تغیرات کا عام رجحان ہے ۔" اور پھر بالفرض تعلیم قرآن و اسلام کی راہ سے ہم نے ایک آزادانہ پولیٹکل پروگرام مرتب بھی کر لیا ، تو اس میں مزیت و فضیلت کیا ہوئی کیونکہ یہی شے ہم مذہب سے الگ رہ کر ، یورپ کی موجودہ جمہوریت کے اتباع اور ہمسایوں کی نظیر سے بھی حاصل کر سکتے ہیں ؟

یہ سوالات ہیں ، جن کا جواب دینا اس حصہ بحث میں ضروری ہے ۔

لیکن تعلیم اور معاشرت سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ پالیٹکس کی شاخ پر نظر ڈالیں ، کیونکہ گو آج تک مسلمانوں کی اصلاح پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا ، کہ تعلیم اور معاشرت کی اصلاح مذہب کی راہ سے شروع کی گئی ہو ، مگر تاہم چونکہ نئے مصلحین کا سرمایہ اصلاح اب تک صرف تعلیم ہی رہا ہے ، اس لئے گاہ گاہ ان کے ایوانِ تجدید میں بہ بنائے مصالح چند در چند ، مذہب کو باریابی کی عزت دے دی جاتی ہے ، اور چنداں بے التفاتی پر اصرار بھی نہیں ہے ۔ مسلمانوں کی جیب پر اب تک مذہب کی حکومت کچھ نہ کچھ باقی ہے ۔ اور اس صید کے لئے چندے کے جال میں سب سے زیادہ پرکشش مذہب ہی کا ہے ۔

واعظین و مصلحین ، حال میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر اسلام وقرآن کے استغراق و انہماک سے بالکل عدیم الفرصت رہتے ہیں، اور قرآن کریم کے "حامی تعلیم" "دین فطری" اور "مصلح اخلاق معاشرہ" ہونے کے بہت سے دلاویز اسباق ان کے نوک زبان ہیں۔ بعضوں پر تو کانفرنسوں کی خانقاہوں میں جب ہیجان جذبۂ قومی سے عالم تواجد و ترانقص طاری ہوتا ہے۔ تو "فطرۃ" اور "اسلام" کا پردۂ بیگانگی و تعین بکلی مرتفع ہو جاتا ہے، اور عالم اتحاد کے مشاہدات سے بیخود ہو کر "الاسلام ہو الفطرۃ والفطرۃ ہی الاسلام" کا ترانہ وحدت گانے لگتے ہیں۔

یارب از سیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد
بت خانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک دین فطری ہے، التی فطر الناس علیہا، اور تمام عالم میں کوئی انسانی فطرت ایسی نہیں ہے، جو اس کے ساتھ جمع نہ ہو سکے، لیکن اگر انسانی خلقت کے بعض نمونے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جیسے اس دین فطری کے ان نئے مصلحین و واعظین کے ہیں تو پھر تو اسلام کی فطرت کے مقابلے میں شکست تسلیم کر لینا ناگزیر ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انسانوں کی فطرت اسلام سے اس درجہ متبائن و متضاد واقع ہوئی ہے، کہ آج تک ان کی فطرت اعمال کے ساتھ یہ دین فطری ایک لمحے کے لئے بھی جمع نہ ہو سکا اور گو وہ یوروپ کے معترضین اسلام کو نماز کا فلسفہ اور روزے کے دقائق نظریہ سمجھانے کے لئے پورے مستعد ہیں، مگر سوئے اتفاق سے اس فلسفہ و واسرار فطرت کو کبھی ان کے ایوانِ اعمال میں باریابی کی عزت نصیب نہیں ہوئی۔ بل قلوبھم فی غمرۃ من ھذا ولھم اعمال من دون ذالک ھم لھا عاملون (ان لوگوں کے دل اس دین فطری سے غافل ہیں اور ان کے دوسرے اعمال بھی جن کے وہ مرتکب ہوتے ہیں)۔

اب ہم صرف اس حصہ بحث پر نظر ڈالتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے آئندہ کے لئے اپنا پولیٹیکل پروگرام مذہب کی بنا پر قرار دیا، تو ایک خالص پولیٹکل تحریک کے مقابلے میں کیا نتائج مرتب ہوں گے؟

اتباعِ شک اور اتباعِ یقین

اولین اور بنیادی شے تو یہ ہے کہ اگر ایک "راہ یقین" کی دعوت آپ کو پکار رہی ہے، تو آپ "شک" اور "ظن" کی طرف کیوں دوڑتے ہیں؟ وہ پالیسی جو محض انسانی اتباع اور نظیر کی بنیاد پر قائم کی جائے گی، شک اور گمان ہوگی، کیوں کہ انسانی دماغ کا ہر خیال شک ہے، خواہ اس کا نام محصور علم ہو، یا محدود تجربہ، اور یقین کا سرچشمہ اگر کوئی ہے تو وہ "اسلام" یا مذہب حقیقی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے ہر جگہ کفر و ضلالت اور الحاد و دہریت کو "شک" اور "گمان" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ انسانی دماغ کی انتہائی سرحد میں بھی اگر کوئی ڈھونڈھا چاہے تو یقین کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ایک ملحد فلسفی ہر چیز میں شک کر سکتا ہے کہ یہ کیوں کر ہے؟ لیکن اگر اس سے پوچھا جائے کہ نہیں ہے، تو لفی کے لئے حکم یقینی کہاں ہے؟ تو اس کا جواب اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ لیکن مذہب ایک یقین کی دعوت لے کر آتا ہے، وہ حقائق اور وجود میں شک نہیں پیدا کرتا، بلکہ حقائق کے لئے ایک یقین اپنے ساتھ رکھتا ہے، اور کہتا ہے کہ:

ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ	یہ ہے میرا طریقہ کہ اللہ کی طرف بلاتا
علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان	ہوں، اس یقین پر، جو مجھ کو، اور میرے
اللہ وما انا من المشرکین	ماننے والوں کو طریق الٰہی پر ہے۔

اس نے ہر جگہ منکرین تعلیم الٰہی کو سب سے بڑا الزام یہ دیا ہے۔

ما لھم بذالک من علم	ان کے پاس کوئی علم و یقین نہیں

ان تتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ | سوا اس کے کہ شک اور گمان میں گمراہ ہو رہے ہیں، حالانکہ شک یقین کے مقابلے میں کب ٹھہر سکتا ہے؟

دوسری جگہ کہا:

ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا؟ ان تتبعون الا الظن، وان انتم الا تخرصون | کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے آگے پیش کر سکو؟ حقیقت یہ ہے کہ کوئی نہیں، صرف اپنے واہموں پر چلتے ہو۔

بلکہ اگر قرآن کریم پر تدبر و تفکر کی نظر ڈالی جائے، تو ثابت ہوتا ہے کہ "کفر" اور "شک" اس کی اصطلاح میں ہم معنی الفاظ ہیں، اور وہ کفر کو ہر جگہ شک پرستی سے اور اسلام کو یقین و علم سے تعبیر کرتا ہے۔ (لیکن یہ اس بحث کا موقعہ نہیں)

پھر سوال یہ ہے کہ اتباع و پیروی کی مستحق وہ تعلیم ہے، جو یقین اور اعتقاد بخشتی ہو، یا وہ، جس کا تمام تر ماحصل شک اور ظن ہے؟

افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع، امن لا یھدی الا ان یھدی؟ فما لکم کیف تحکمون؟ وما یتبع اکثرھم الا ظنا، ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ان اللہ علیم بما یفعلون۔ | جو حق اور یقین کی راہ دکھلائے، وہ زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، یا وہ انسان جو خود کسی راہ دکھلانے والے کا محتاج ہے؟ تم لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ کیسے حکم لگا رہے ہو؟ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنے وہم و قیاس کی اٹکلوں پر چلتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہم یقین کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔

عدم تغیر و استقلال رائے

ہم نے کسی گذشتہ نمبر میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی ایک ایسی پولیٹکل پالیسی تیار کرنی چاہئے، جو کبھی متغیر نہ ہو، اور جس کی بنیاد ایک محکم عقیدہ ہو، نہ کہ بعض خارجی اسباب، لیکن مذہب کے سوا اور کون سا اعتقاد ہو سکتا ہے، جو تغیر و تبدل سے محفوظ ہو؟۔ انسانی آراء و قیاس میں تغیر لازمی ہے، کیونکہ وہ ظنون اور اوہام ہیں، اور خارجی اسباب و علل کے تابع۔ لیکن احکام الٰہیہ کی پہلی پہچان یہ ہے کہ وہ ایسی یقینیات ہوں، جن میں کبھی تغیر نہ ہو سکے۔ اگر کوئی مذہبی حکم متغیر ہو سکتا ہے، تو وہ اس کا مستحق ہی کب ہے کہ اس کو مذہب کے لفظ سے تعبیر کیا جائے؟ ولن تجد لسنة الله تبدیلا۔

پس اگر مسلمانوں کی پولیٹکل پالیسی ان کے مذہبی اعتقاد پر مبنی ہوئی تو جب تک ان کے دلوں میں اسلام کا اعتقاد باقی ہے، اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ان کے ہمسایوں کی پالیسی بدل جائے گی، مگر ان کی پالیسی بدل نہ سکے گی، کیونکہ جس راہ نما کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہوگا، اس کی راہ ایک ہی ہے۔ اگر گورنمنٹ کی پالیسی میں تغیر ہو، تو اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، کیونکہ انسانی حکومتوں کے اصول حکمرانی ہی نہیں، بلکہ سرے سے حکومتیں ہی بدل جائیں، تو بھی اسلام نہیں بدل سکتا۔ اور اسلام نہیں بدل سکتا، تو پھر اس سے ماخوذ اور اس پر مبنی اعتقاد بھی نہیں بدل سکتا۔

تصادم احزاب و تزاحم آراء

اب تک مسلمان ملکی ترقی اور آزادی کی تمام تحریکوں سے فخر کناں الگ ہو رہے ہیں، اس لئے ان کو پولیٹکل زندگی کے سفر کی کوئی منزل پیش ہی نہیں آئی۔ یہ منزلیں ابتدا سے طے شدہ اور مقرر ہیں، اور ہر محکوم قوم جو سیاسی زندگی حاصل کرنا چاہے گی، ضرور ہے کہ ان سے ایک بار گذر جائے منجملہ ان منازل کے ایک نہایت خطرناک منزل پولیٹکل مطالبات کا اصولی

اختلاف و نزاع، اور اس بنا پر مختلف پارٹیوں کا قیام ہے۔ بغیر اس منزل سے گذرے اس راہ کو طے کرنا تاریخ کے تجربے اور موجودہ واقعات کے مشاہدے کے لحاظ سے تقریباً محال ہے۔ ملکی آزادی کی خواہش کو دل میں پیدا ہونے اور نشو ونما پانے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا، تو پھر آپ کے پاس کوئی مقیاس الحرارت نہیں ہے، جس سے ہمیشہ اس حرارت دماغ سوز کی ڈگری کا خط دیکھتے رہیں۔ پولیٹکل زندگی مختلف طبائع میں مختلف درجے کی حرارت پیدا کر دیتی ہے، اور اس لئے پولیٹکل جدوجہد کے شروع ہوتے ہی مختلف جماعتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ سب سے بڑا نزاع ملکی آزادی کی آخری منزل کی نسبت ہوتا ہے، کہ وہ کیا ہو؟ ایک جماعت خالص جمہوری اعتقاد پر قائم ہو جاتی ہے، دوسری جمہوریت کو شاہی اقتدار کے ساتھ قائم رکھنا چاہتی ہے۔

ایک جماعت غیر ملکی حاکموں کے زیر سیادت خود مختار ملکی حکومت پر قناعت کر لیتی ہے، دوسری جماعت ملک کو صرف ملکیوں کے لئے چاہتی ہے اور اس کا نصب العین صرف حکومت خود اختیاری ہی نہیں، بلکہ اغیار و اجانب سے ملک کو خالی کرنا بھی ہوتا ہے۔ اگر دور نہ جائیں تو اپنے برادران ملک کی پولیٹکل جدوجہد میں اس کی مثال آپ دیکھ سکتے ہیں۔

اس نزاع احزاب، اور اختلاف مقاصد کا سیاسی زندگی کے ساتھ ساتھ پیدا ہو جانا بالکل قدرتی ہے۔ یہ طبیعت انسانی کے طبیعی جذبات، حرص و قناعت اعتدال و سختی، اور شدت و نرمی کا پولیٹکل ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے بلا استثنار دنیا کے سیاسی جدوجہد کے عہد کے قریب میں کوئی قوم اس منزل سے گذرے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہ اختلاف و نزاع جس درجہ ناگزیر نظر آتا ہے، اس سے زیادہ اس کی مضرتیں واضح ہیں۔ سب سے پہلا مضر نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ ملکی آزادی کے حملے سے بچنے کے لئے یہ نزاع حکومت کے ہاتھ میں ایک مضبوط ڈھال بن جاتا ہے اور حملہ آوروں کا باہمی نفاق، حریف کو فرصت دے دیتا ہے۔ کہ جنگ کے

نتیجے سے محفوظ ہو جائے۔ ہندوستان کا موجودہ پولیٹکل سکون اسی کا نتیجہ ہے۔ اور مصر میں "حزب الوطنی" کی تحریک اسی لئے بارآور نہ ہو سکی کہ وہاں کی ماڈریٹ پارٹی (حزب الامہ) کو انگلستان نے اپنے ہاتھوں لے لیا۔ اور آزادی کی ایک تلوار سے دوسری تلوار کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

مسلمان اگر پولیٹکل جد و جہد کا سفر شروع کرنا چاہتے ہیں (اور افسوس کہ اب شروع کرتے ہیں) تو ان کے لئے بھی اس منزل سے گزرنا ضروری ہے۔ لیکن ہم کو یقین ہے کہ اگر وہ اپنی پولیٹکل زندگی کو مذہب سے وابستہ کر دیں، اور جس راہ کو اختیار کریں۔ اسے اپنا ایک مذہبی حکم سمجھ کر اختیار کریں۔ تو اسلام کے خوارق سے بعید نہیں کہ وہ ان کو ان موانع راہ سے بالکل محفوظ کر دے اور وہ اس امن و سکون کے ساتھ راہ سے گزر جائیں، کہ سیاسی جد و جہد کے کلیات میں ان کا وجود ایک مثال مستثنیٰ ہو۔

ہم نے کہا کہ کچھ بعید نہیں، لیکن غور کیجئے تو ایسا ہونا یقینی اور لازمی ہے۔ جب مسلمان اپنی پولیٹکل جد و جہد کو محض سیاسی دلولوں سے نہیں، بلکہ اپنے اعمال دینی کی طرح شروع کریں گے تو ان کی زندگی اور اعمال احکام دینی کے تحت میں آ کر بالکل محدود و متعین ہو جائیں گے۔ اختلاف و تنزع تو جب ہو، جب انسانی دماغ کو اس میں دخل ہو، مذہبی احکام تعبد میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان کا پالیٹکس مذہب کی حکومت میں آ جائے گا۔ وہ خود مختار نہ ہو گا، کہ اپنے لئے مقاصد اور اس کے حاصل کرنے کے وسائل ڈھونڈھے، بلکہ جو ایک ہی مقصد، اور ایک ہی طریق حصول مقصد، اس کو مذہب بتلا دے گا، مجبور ہو گا کہ صرف اسی میں محدود رہے جس طرح ایک مسلمان نماز پڑھتا، اور روزہ رکھتا ہے، بالکل اسی طرح ایک سیاسی مقصد کو حکم الہیٰ سمجھ کر تلاش کرے گا۔

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ   الساکت عن الحق شیطان اخرس

کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس، تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ۔

ا

ایک اصولی بحث سچ یہ ہے کہ پُل صراط کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اس کے نیچے آتش جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں لیکن اس کا سامنا صرف قیامت کے دن پر ہی کیوں اٹھا رکھا جائے؟ ——— (الدنیا مزرعۃ الاخرۃ) آج دنیا کے سفر میں بھی پل صراط ہر شخص کے سامنے ہے

یہ پل صراط اور حقیقت (اخلاق) کی دشوار گزار راہ ہے، جذبات و اعمال انسانی کے اعتدال کا لاینحل مسئلہ ہی اصلی پل صراط ہے، بال سے باریک تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور اس کے نیچے ہلاکت و بربادی کا قعر آدم کی اولاد میں سے کوئی نہیں جس کو اس پر ایک بار نہ گزرنا ہو۔

وان منکم الا واردھا	تم میں سے کوئی نہیں جو اس پر سے
کان علی ربک حتماً	نہ گزرے، یہ ایک وعدہ اور فیصلہ ہے
مقضیا	جس کو خدا نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

اخلاق کے سینکڑوں مشکل مسائل میں سے ایک مشکل تر مگر اصولی مسئلہ حب و بغض، تولا و تبرا، تحسین و تذلیل، اور عفو و انتقام کا بھی ہے ایک طرف اخلاق ہم کو تلقین کرتا ہے کہ دل کو محبت کے لئے مخصوص کردو کہ اس

گھر کے لئے بھی فانوس موزوں ہے، انیس سو برس پیشتر ایک اسرائیلی واعظ کہتا ہے کہ: دشمنوں کو بھی پیار کرو، کیونکہ اگر صرف چاہنے والوں کو ہی چاہا تو تمہارے لئے کیا اجر؟

اخلاق کے اولین اور سامنے کے سبق بھی ہیں کہ پیار کرو، خاکسار بنو، کسی سے بغض نہ رکھو، سب کی عزت کرو، انسان کی انسانیت کا بغیر تفریق ادب کرو، اور جس کو سامنے دیکھو سر جھکاؤ، سوسائٹی نے بھی صدیوں سے ان تعلیموں کو اعتقاداً قبول کر لیا ہے اور اصطلاحی اخلاق، مذمت، پاس و لحاظ، شرم و حیا شرافت و انسانیت تمام الفاظ انہیں معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

لیکن اس کے مقابلے میں اسی اخلاق کا ایک دوسرا پارٹ ہے، جہاں اگر اس کی یہ غریب و مسکین صورت ایک سخت اور جابرانہ خشونت سے مبدل ہو جاتی ہے اور دنیا میں اگر اس کی صدا پہلی تعلیم دیتی ہے، تو خود اس کا عمل دوسری شکل میں سامنے آتا ہے وہ چور کو قید کرتا ہے، قاتل کو پھانسی پر چڑھاتا ہے، نیکی کی جتنی تعریف کرتا ہے، اتنی ہی بدی کو برا بھی کہتا ہے، زید کو کہتا ہے کہ وہ نیک ہے، اس لئے اچھا ہے، عمر کو کہتا ہے کہ تم بداعمال ہو اس لئے برے ہو، ظالم سے اس کے ظلم کا اور مجرم سے اس کے جرم کا مطالبہ کرتا ہے، پہلی حالت میں جس قدر عاجز تھا، اتنا ہی اس حالت میں مغرور و متکبر ہو جاتا ہے پہلے اگر عاجزوں کے جھکے ہوئے سروں کو اٹھا کر اپنے سینے پر جگہ دیتا تھا تو اب سرکشوں کے سروں کو اپنی ٹھوکروں سے پامال کرتا ہے اور پھر ساتھ ہی حالت یہ ہے کہ اس کی پہلی تعلیم سے اگر صرف معبدوں اور خانقاہوں میں رونق پیدا ہوتی تھی، تو اس عمل سے پوری دنیا میں انتظام اور قانون قائم ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں اصولاً کے لئے ایک سخت تصادم اور کشمکش پیدا ہو جاتی ہے اور فیصلہ بیکار رہ جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ ان متضاد حالات میں راہِ تطبیق کیا ہے؟

عفو درگذر کے اصول سے کام لیجئے تو دنیا میں نیکی و بدی کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ انتقام و پاداش کی راہ اختیار کیجئے تو دنیا سے رحم و محبت نابود ہو جاتی ہے، سب کو اچھا کہئے تو صرف اچھوں کے لئے پھر آپ کے پاس کیا ہے۔ برائی کیجئے تو اس کے حدود اور فیصلہ کن اصول کیا ہیں؟

*

آج ملک میں جو طبقہ شخصی حکومت کے جراثیم سے مریض ہو رہا ہے، وہ گو خود زبان بلب ہے، اگر اس کی نظر اپنے مرض پر نہیں بلکہ دوسروں کی شکایتوں پر ہے۔ غلامی کے حلقوں کے لئے سب کے کان چھیدے ہوئے ہیں، پاؤں برسوں سے بوجھل بیڑیوں کے عادی ہو گئے ہیں، ان حلقوں اور بیڑیوں کے لئے ضرور نہیں کہ وہ تخت و تاج کی طرف سے بخشے گئے ہوں بلکہ ہر چاندی کا ڈھیر، ہر قیمتی کپڑا، ہر قیمتی موٹر، ہر ہوٹل کی اعلیٰ ترین منزل کا مقیم اور ہر وہ مدعی جس کے گلے میں طاقت اور جیب میں سکے ہوں، ایک قانونی اور موروثی حق رکھتا ہے جس کو چاہے اپنے حلقہ غلامی کے انتساب کا فخر دے دے، رسول عربی کے وقت میں تین سو ساٹھ بت تھے جن سے بیت خلیل کی دیواریں چھپ گئی تھیں، لیکن آج اس کی امت میں ہر چکیلی سنہری لات و منات کی قائم مقام ہے اور ہر حاکم، ہر رئیس، ہر حکام رس اور سب سے آخر، مگر سب سے پہلے، ہر خوش لباس لیڈر ایک بت کا حکم رکھتا ہے، پوری ملت موحدان کی پجاری اور پرستش کا وہی جواب رکھتی ہے جو قریش مکہ کے پاس تھا کہ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ ویعبدون من دون اللہ ما لا ینفعھم ولا یضرھم و یقولون ھؤلاء شفعاءنا۔

اس انسان پرستی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح و تحسین کی عادی ہو گئی ہیں، جو نکتہ چینی اور نقد و اعتراض کی متحمل نہیں ہو سکتیں، ہر شخص مخاطب سے اگر کوئی قدرتی امید رکھتا ہے تو وہ یہی ہوتی ہے کہ مدح و منقبت کا ترانہ سنائے اور بادہ تحسین و آفرین کی پے در پے بخشش سے ساقی کا ہاتھ کبھی نہ تھکے۔ شرک و

بت پرستی کے اس عام سکون میں اگر کوئی صدا لئے توحید خلل انداز ہوتی ہے تو ہر طرف سے اپنے ایک قدیمی پیشرو کی طرح :

لئن اتخذت الٰھا غیری لاجعلنک من المسجونین

اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تو نے اپنا معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا۔

کا غلغلہ مچ جاتا ہے، اور صرف یہ معبودانِ باطل ہی نہیں بلکہ ان کے پرستار بھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں، یہ ایک قدیمی سنت ہے اور دنیا میں جب کبھی سچائی آئی ہے، تو اس کو ہمیشہ ایسے ہی لوگوں سے مقابل ہونا پڑا ہے، فما کان جواب قومہ الا ان قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین۔

ایسے موقعوں پر عموماً اخلاقی مواعظ سے کام لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بڑے آدمیوں پر حملہ کرنا انسانیت اور تہذیب کے خلاف ہے، گالیاں دینا کوئی اچھی عادت نہیں، اختلاف رائے ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ مخالف آراء رکھنے والوں کی تذلیل و تحقیر کی جائے، پھر اگر ایسا کرنے کے لئے آپ مجبور ہیں تو ذرا لہجہ نرم کیجئے اور شکایت بھی کیجئے تو شکر کے لہجہ میں کیجئے نرمی اور محبت سے کام نہ نکلے تو سختی دکھلانا شانِ شرافت نہیں۔

آج کل بھی کہ ہشیاری اور بیداری کی نہیں تو خمار و سرشاری کی ایک کروٹ تو مسلمانوں نے ضرور بدلی ہے، نکتہ چینیوں کی زبانوں کو ایسے ہی ظاہر فریب اور اخلاق نما جملوں سے بند کیا جا رہا ہے، پس ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے اصولاً اس مسئلے پر غور کریں کہ فی الحقیقت اس بارے میں کوئی فیصلہ ہمارے پاس ہے یا نہیں؟ کسی کو برا کہنا یقیناً اچھی بات نہیں، دل محبت کے لئے ہے نہ کہ عداوت کے لئے، لیکن کیا ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں یہ برائی ہی سب سے بڑی نیکی اور بھلائی ہو سکتی ہے؟

سب سے پہلے اسے اخلاق کے عام اصول کے لحاظ سے دیکھئے جب بھی فیصلہ صاف ہے، دنیا میں جس دن اخلاق نے کہا کہ نیکی کو نیک اور نیک عمل کو اچھا کہو کیونکہ بغیر اس

کے دنیا میں نیکی زندہ نہیں رہ سکتی، اسی وقت اس نے ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ نیکی کی خاطر بدی کو برا اور بد عمل کو قابلِ نفرین سمجھو کیونکہ نیکی کو اس کا حق تحسین مل نہیں سکتا جب تک بدی کو اس کی سرزنش اور نفرین نہ مل جائے۔

زیادہ غور کیجئے تو یہ ایک دلچسپی اور عام معمولی بات ہے گو اس کا آپ کو حس نہ ہو، دنیا میں اخلاقی محاسن فی الحقیقت ایسے اعراض ہیں، جو بغیر کسی اضافی تعلق کے کوئی وجود مستقل نہیں رکھ سکتے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا فیصلہ قطعی ہمیشہ سے مشکل رہا ہے اور اب بھی مشکل ہے۔ پس ان محاسن و فضائل کا اگر کوئی وجود ہے تو صرف ان کے اضداد کے تقابل ہی کا نتیجہ ہے، جب تک رذائل انسانی کو نمایاں نہ کیجئے گا، فضائل انسانی وجود پذیر نہ ہوں گے، اس لیے روشنی اور تاریکی کی مثال شاید فہم مقصد میں معین ہو کہ روشنی کا وجود صرف تاریکی کے وجود ہی کا نتیجہ ہے۔

رہا اخلاقی تلقینات اور اعمال کا اختلاف، تو یہ تو اخلاق کے ہر مسئلے میں درپیش ہے مگر درحقیقت دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اخلاق دنیا میں کسی شے کو فی نفسہٖ اچھا یا برا کہنے کا فیصلہ نہیں کر سکا، اس کی ہر تعلیم نسبت و اضافت سے وابستہ ہے اور اس کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، کوئی شے اس کے آگے نہ تو اچھی ہے اور نہ بری، ایک ہی چیز کا بعض حالتوں میں نام نیکی ہوتا ہے اور بعض حالتوں میں بدی، یہی حال اس مسئلہ کا بھی ہے، عفو درگذر، آشتی و محبت، نرمی و عاجزی انسان کے لئے سب سے بڑی نیکی ہیں لیکن کن کے سامنے؟ عاجزوں درماندوں کے سامنے، نہ کہ ظالموں اور مجرموں کے آگے، ایک مسکین و فلاکت زدہ پر رحم کیجئے تو سب سے بڑی نیکی، اور ظالم پر کیجئے تو سب سے بڑی بدی ہے۔ گرے ہوؤں کو اٹھایئے تاکہ وہ چل سکیں، لیکن اگر سرکشوں کو ٹھوکر نہ لگایئے گا تو وہ گرے ہوؤں کو اور گرا دیں گے، قانون کو دیکھئے تو وہ جرم کو روکنے کے لئے خود جرم کرتا ہے، خون ریزی اس کے سامنے سب سے بڑی معصیت ہے لیکن خون ریزی کو روکنے کے لئے وہ قاتلوں کا خون بہانے ہی میں امن دیکھتا

ہے، قاتل کا قتل بدی تھا لیکن عدالت کا فتوئے قتل نیکی ہو گیا۔

ہم نے بغیر کسی ترتیب کے چند جملے پھیلا دیئے کیونکہ یہ اخلاق کے لیے عام اعمال ہیں جن کو یاد دلا دینا ہی کافی ہے، پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر انسان اخلاقاً نرمی و آشتی اور محبت و عفو کا مستحق ہے اور کسی کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا اخلاق کے اصول کے خلاف ہے وہ اخلاق کے نام سے ایسی سخت بداخلاقی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں جس پر اگر ایک لمحے کے لیے بھی عمل کیا جائے تو دنیا شیطان کا تخت گاہ بن جائے، نیکی و اعمال صالحہ کا نظام درہم برہم ہو جائے، قانون، اخلاق مذہب حسن و قبح کی تمیز اور نور و ظلمت کی تفریق کوئی بھی خدا کو خوش کرنے والی چیز دنیا میں باقی نہ رہے۔

یاد رکھو کہ ہر محبت کے لیے ایک بغض لازمی ہے، اور کوئی عاجزی نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ متکبر و مغرور بھی نہ ہو، نیکی کو اگر پسند کرو گے تو اس کی خاطر بدی کو برا کہنا ہی پڑے گا اور خدا کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو شیطان کی دشمنی کی پروا مت کرو۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے لیے فیصلہ کن حدود معین ہونے چاہئیں، نرمی آشتی اور عفو و درگذر کے مقامات کہاں ہیں، اور سخت گیری و پاداش و انتقام کا حق کس موقعہ پر حاصل ہوتا ہے؟

*

عام اخلاق کے اصول بھی ان سوالوں کا جواب شاید دے سکتے ہیں، مگر ہم تو دنیا کی ہر شئے کو مذہب ہی میں ڈھونڈھتے ہیں اور پھر اس کے بعد نہیں جانتے کہ دنیا میں اور کیا کہا جاتا ہے؟ ہمارے ہاتھ میں قرآن کریم ایک امام مبین، تبیاناً لکل شئی، بیان للناس نور و کتاب مبین، اور ان کے ہر اختلاف و نزاع کے لیے ایک حاکم ناطق ہے، اور پھر اس کا عملی نمونہ اور وجود ظلی اس کے حامل و مبلغ کی زندگی کے اعمال ہیں کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ، پس ان سوالوں کا جواب بھی وہیں ڈھونڈھنا

۲

(اسلام) نے اپنی تعلیم و دعوت اور اپنی امت کے قیام و بقا کے لئے اساس اولین اور نظام بنیادی ایک اصول قرار دیا ہے اور اس کو وہ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" سے تعبیر کرتا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف، وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

تم میں ایک جماعت ہونی چاہئے جو دنیا کو نیکی کی طرف دعوت دے، بھلائی کا کام کرے اور برائی سے روکے وہی فلاح یافتہ ہیں۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کو بطور ایک اصول کے پیش کیا ہے اور بظاہر مسلمانوں میں سے ایک گروہ خاص کا اس کو فرض قرار دیا ہے لیکن اسی رکوع میں آگے چل کر دوسری آیت ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ

تمام امتوں میں تم سب سے بہتر امت ہو کہ اچھے کام کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک تیسری آیت میں مسلمانوں کا یہ ملی امتیاز اور قومی فرض زیادہ نمایاں طور پر بتلایا ہے۔

وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون

اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اور وسط کی امت بنایا تاکہ لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور تمہارے

الرسول علیکم شہیدا   مقابلے میں تمہارا رسول گواہ ہو۔

تفسیر آیات

ان تین آیتوں میں خدا تعالیٰ نے خاص طور پر مسلمانوں کا اصلی مشن، مقصد تخلیق، قومی امتیاز، اور شرف خصوصی اسی چیز کو قرار دیا ہے کہ گو دنیا میں اعلان حق ہر برگزیدہ ہستی اور جماعت کا فرض رہا ہو مگر مسلمانوں کا تو سرمایہ زندگی یہی فرض ہے، وہ دنیا میں اس لئے کھڑے کئے گئے ہیں کہ خیر کی طرف داعی ہوتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، اور برائی کو جہاں کہیں دیکھتے ہیں اپنے تئیں اس کا ذمہ دار سمجھ کر روکتے ہیں۔ آخری آیت میں کہا کہ تم کو ایک وسطی ملت بنایا گیا تاکہ تم اولین و آخرین کے لئے گواہ بن سکو اور اس امر کی: کہ تم نے اپنا یہ فرض ادا کیا یا نہیں تمہارا رسول امین اللہ کے آگے گواہ ہو۔ اخلاق کے تمام دفتر کا متن قرآن کا یہی اصول ہے۔ دنیا میں سوسائٹی کے آداب اور قانون کا احتساب بھی اسی اصل اصول پر قائم ہے۔

گو تفصیل کا موقع نہیں مگر ان آیات کے متعلق چند تفسیری اشارات کر دینا فہم مقصد میں معین ہوگا۔

امر بالمعروف حکم عام ہے

دوسری آیت میں اسی لئے (المعروف) اور (المنکر) پر الف لام استغراق کے لئے آیا تاکہ (بقول امام رازی) معروف اور منکر میں کوئی تخصیص و تحدید باقی نہ رہے، اور ظاہر ہو جائے کہ وہ ہر نیکی کے لئے آمر اور ہر بدی کے لئے ناہی ہیں، عام اس سے کہ کہیں ہو اور کسی صورت میں ہو وھذا یقتضی کونھم آمرین لکل معروف و ناھین عن کل منکر۔

مسلمانوں کے ملّی شرف و فضیلت کی علت

(خیر امۃ اخرجت للناس) کے بعد امر بالمعروف کا ذکر کیا، اور یہ اس لئے

کہ پہلے وصف بیان کرکے پھر اس کی علت بیان کی جائے، یعنی مسلمانوں کا بہترین امت ہونا صرف ان کے اس وصف پر منحصر ہے کہ وہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہیں، خیر کی دعوت دیتے اور شر سے روکتے ہیں۔ (کما تقول زید کریم، یطعم الناس ویکسوھم) اور یہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ وصف امتیازی ان سے جاتا رہے، تو پھر وہ بہترین امت ہونے کے شرف سے بھی محروم ہو جائیں، اور ان کا اصلی قومی امتیاز ان میں باقی نہ رہے۔

تیسری آیت کی تفسیر

تیسری آیت میں ان کو وسط کی امت قرار دیا اور پھر اس کا سبب بیان کیا گیا کہ "تاکہ تم لوگوں کے لئے گواہ ہو" افسوس ہے کہ ایسی صاف اور سلجھی ہوئی بات میں بھی ہمارے بعض مفسرین نے لاحاصل بحثیں پیدا کر دیں اور اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ شہادت دنیا میں ہوگی یا آخرت میں؟ اسلام کا اصلی کارنامہ غیر فانی دنیا ہی کی اصلاح تھا، مگر مفسرین اس کی طرف سے اس درجہ غافل ہیں کہ ہر شے کو آخرت پر ہی اٹھا رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے موقعہ پر اسی شہادت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا گیا ہے، کہ: کنت علیھم شھید اما دمت فیھم۔ (میں اپنی امت پر شاہد تھا جب تک کہ میں ان میں موجود تھا) اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی امت میں دنیا کے اندر ہی موجود تھے نہ کہ آخرت میں۔ پس یہاں بھی شہادت سے وہی شہادت مراد ہے جو دنیا کی زندگی میں انجام دی جا سکتی ہے۔

تاہم (علامہ رازی) کا ہمیشہ ممنون ہونا پڑتا ہے کہ وہ گو ہر آیت کے متعلق طرح طرح کی توجیہات جمع کر دیتے ہیں مگر پھر بھی ایک نہ ایک توجیہہ ضرور ان میں موجود ہوتی ہے، جو اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیتی ہے اور وہی خود ان کی ذاتی رائے ہوتی ہے۔ اس آیت کے متعلق بھی انھوں نے

دوسرے قول کو بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بالکل صاف اور غیر پیچیدہ ہے۔

امتہً وسطاً اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمانوں کا فرض منصبی قرار دیا اور فی الحقیقت ایسا کرنا دنیا میں عدل حقیقی کو قائم کرنا تھا، برائی اگر روک دی جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے تو دنیا کے نظم کے قوام کا اس کے علاوہ اور کیا اعتدال ہو سکتا ہے؟ عدل کے معنی ہیں عدم افراط و تفریط، یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا اور یہ درجہ مقام (وسط) اور درمیانی ہے۔

گناہ کی حقیقت اور اصطلاح قرآنی میں "اسراف"

دنیا میں جس قدر برائیاں ہیں، غور کیجئے تو افراط و تفریط کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں ان ان کے تحفظ خود اختیاری اور حفظ حقوق کے لئے غیرت، غضب، اور ہیجان کا ہونا ضروری تھا، لیکن جب یہ جذبات اپنی حد سے آگے قدم بڑھاتے ہیں تو فطرت کی بخشی ہوئی ایک شے۔ جو یقیناً نیکی تھی۔ یکایک بدی بن جاتی ہے اور اس کا نام جرم اور گناہ ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی اصطلاح میں ہر جگہ معصیت اور گناہ کے لئے (اسراف) کا لفظ اختیار کیا: (قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ) "اے وہ میرے بندو، کہ تم نے اپنے نفسوں پر اسراف کیا ہے رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو" یہاں مسرفین سے مراد سخت درجے کے گناہگار اور معصیت شعار انسان ہیں کیونکہ آیت کا شان نزول، نیز آگے چل کر (ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا) کہنا اس کی پوری تشریح کر دیتا ہے اسراف کی تعریف (صرف الشیٔ فیما ینبغی، زائد علی ما ینبغی) اور (تجاوز الحد فی کل شیٔ "راغب") ہے، یعنی کسی چیز کو اس کی ضرورت سے زائد خرچ کرنا اور ہر شے کا اپنے حد سے تجاوز کر جانا"

اس سے بڑھ کر گناہ کی اور کیا تعریف ہو سکتی تھی کہ وہ قوتوں اور خواہشوں کے بے اعتدالانہ خرچ کا نام ہے (اسراف) کے علاوہ اصطلاح قرآنی میں ایک لفظ (تبذیر) بھی ہے، جیسا کہ فرمایا: ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین (بے موقع اور بے ضرورت مال و دولت کو ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں) لیکن تبذیر اور اسراف میں ایک باریک فرق یہ ہے کہ کسی شے کے خرچ کرنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، بعض چیزیں خرچ تو کی جاتی ہیں ان کے ٹھیک ٹھیک مصرف ہیں، لیکن تعداد صرف ضرورت اور حد معینہ سے زاید ہوتی ہے اور طریق صرف صحیح نہیں ہوتا مثلاً ایک مجرم پر اس کے قصور سے زیادہ غضب ناک ہونا اور مناسب سزا دینے کی جگہ مار پیٹ سے کام لینا۔ بیشک ایک مجرم کو اس کے جرم کی پاداش ملنی چاہئے اور اس لحاظ سے آپ کے غصے اور غضب کا خرچ اپنے صحیح مصرف میں ہوا، لیکن جس مقدار اور جس صورت میں غصے کو آپ خرچ کر رہے ہیں یہ اس کے حدود اور اس کی ضرورت سے زیادہ ہے، اور اسی کا نام (اسراف) ہے۔

برخلاف (تبذیر) کے کہ اس کی تعریف (صرف الشئی فیما لا یلبغی) بیان کی گئی ہے، یعنے "کسی چیز کو اس کے مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا" مثلاً "دولت نفس کی ضروری آرام و آسائش داعزا و اقارب کی اعانت اور اعمال حسنہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے، مگر آپ اسے محض اپنی جاہ نمائش، دنیوی عزت، اور حکام کی نظروں میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے بائلے مختلف لٹانا شروع کر دیں، تو قرآن کریم اس کو (تبذیر) سے تعبیر کرے گا اور چونکہ اس کا نقصان اسراف سے شدید تر ہے، اس لئے وعید بھی سخت وارد ہوئی ہے کہ مسرف کے لئے تو صرف (ان اللہ لا یحب المسرفین) "خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" فرمایا اور (تبذیر) کے مرتکبین کو (کانوا اخوان الشیاطین) کہہ کر "شیطان کے اخوان و اقارب" میں شمار کیا گیا۔

اسراف اور تبذیر کا یہ فرق خود قرآن کریم سے ماخوذ ہے، تفسیر بالرائے نہیں ہے یہ دونوں لفظ جہاں جہاں بولے گئے ہیں اگران کا استقصا کیا جائے تو خود بخود یہ فرق ظاہر ہو جائے گا۔ مثلاً:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا، ان اللہ لا یحب المسرفین۔	کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

بھوک اور پیاس میں غذا اور پانی کا صرف ایک بالکل صحیح مصرف کا خرچ ہے اور اشیاء کا بے موقع خرچ کرنا نہیں ہے غذا کھانے ہی کے لئے ہے اور پانی پینے کے لئے، لیکن اگر حد خواہش اور ضرورت سے زیادہ کھایا جائے، یا ان کی تیاری اور طریق، اکل و شرب میں بے جا روپیہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہو جائے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ اسراف مت کرو۔ لیکن ایک دوسرے موقعہ میں صورتِ خرچ اشیاء اس سے مختلف تھی۔

وآت ذا القربیٰ حقہ والمساکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا۔	اور اقارب کا حق ان کو دو، نیز مسکین اور مسافر کے حقوق ادا کرو، اور دولت کو بے جا ضائع مت کرو۔

یہاں چونکہ مقصود یہ تھا کہ دولت کا مصرفِ صحیح، اعزا و اقارب وغیرہ کے حقوق ادا کرنا ہے، پس دوسرے کاموں میں اس کو بے موقع خرچ نہ کرو: اس لئے اسراف نہیں کہا بلکہ تبذیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

رجوع الی المقصود

حاصل سخن یہ ہے کہ گناہ، معصیت، فسق، جرم اور ہر وہ شے جس کا شمار برائیوں اور بدیوں میں ہے، فی الحقیقت بے اعتدالی اور افراط و تفریط ہی کا نام ہے۔ اس کے مقابلہ میں نیکی اور خیر کو صرف ایک ہی لفظ (عدل) سے تعبیر کیجیے کہ وہ ہر شے جس میں عدل پایا جائے، یقیناً نیکی اور عمل خیر ہے۔

قرآن ہر جگہ ہر طرح کے محاسن و فضائل کو اسی جامع و مانع لفظ سے تعبیر کرتا ہے اس کی اصطلاح میں صراط المستقیم، نوازن قسط، میزان الموازین، قسطاس المستقیم، اور عدم تطفف اور اسی طرح کے بیسیوں الفاظ اسی ایک مقام عدل سے عبارت ہیں۔ وہ ہر جگہ اور ہر تعلیم میں لا تعتدوا (زیادتی مت کرو) اور اعدلوا (عدل کرو) کے اصول کی دعوت دیتا ہے، اور اسی راہ عدل کو اقرب الی التقویٰ بتلاتا ہے۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ ہر شے میں، خواہ وہ اس کی عبادت اور بندگی اور خواہ اس کی راہ میں خیرات و بخشش ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہے۔

ولا تجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً۔	اور اپنا ہاتھ نہ تو اس طرح سکیڑو کہ گویا گردن میں بندھ گیا ہے اور نہ بالکل پھیلا ہی دو، ورنہ تم خالی ہاتھ بیٹھے رہ جاؤ گے اور لوگ تم کو ملامت کریں گے

ہر کام کے لئے اس آیت میں اعتدال کی ایک جامع مثال بیان کر دی گئی ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے مراد قیام عدل ہے

پس جیسا کہ ہم نے ابتدا میں اس طرف اشارہ کیا تھا جس جماعت کا فرض دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر ہوگا، وہ دنیا میں ایک ایسی طاقت ہوگی جو صرف نیکی ہی کی خاطر دنیا میں بھیجی گئی ہے، اور چونکہ نیکی عبارت ہے عدل سے اور بدی اس کے عدم سے، اس لئے فی الحقیقت وہ عدل کو قائم رکھنے والی اور سر افراط و تفریط کو کہ بدی اور گناہ ہے۔ روکنے والی جماعت ہوگی۔

اب عدل کی حقیقت پر غور کیجئے تو وہ فی الحقیقت ہر شے کی وسطی اور درمیانی حالت کا نام ہے۔ کسی ایک طرف جھک پڑے تو افراط و تفریط ہے، لیکن ٹھیک ٹھیک درمیان میں اس طرح کھڑے ہیں کہ بال برابر جگہ بھی کسی

طرف زیادہ نہ جھکی ہو تو اس کا نام اعتدال اور عدل ہو گا۔ قرآن کریم نے اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے، ایک جگہ فرمایا:

وزنوا بالقسطاس المستقیم خیر و احسن تاویلا۔ — جب کسی چیز کو تولو، تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو تاکہ وزن میں دھوکا نہ ہو، یہی طریق خیر، اور نیک انجام ہے۔

دوسری جگہ ایک سورت اس جملے سے شروع کی ہے۔

ویل للمطففین — ناپ تول میں کم دینے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے۔

عدل کے لئے سب سے زیادہ مشاہدے میں آنے والی اور عام فہم مثال ترازو کی تھی۔ کہ اس کے تمام اعمال کی صحت کا دارومدار محض اس کے اوپر کی سوئی پر ہے، جب تک وہ ٹھیک ٹھیک اپنے وسط میں قائم نہ ہو جائے وزن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، جوں ہی دونوں پلوں کا وزن مساوی ہو گا، معاً سوئی بھی وسط میں آ کر ٹھہر جائے گی۔

اسی لئے قرآن نے اکثر مقامات میں ترازو کی مثال سے کام لیا ہے، اور قیامت کے دن بھی انسانی اعمال کا فیصلہ اسی کے ہاتھ ہو گا: فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیہ، واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ یہی سبب ہے کہ وسط کو عدل کے معنوں میں بولا جاتا ہے اور فی الحقیقت (وکذلک جعلنکم امۃ وسطا) میں بھی وسط سے مراد عدل ہی ہے۔

جس جماعت کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو، اس سے بڑھ کر کون سی جماعت عند اللہ اور عند الناس عادل ہو سکتی ہے؟ پس خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ "ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے ایک عدل قائم کرنے والی امت بنایا تاکہ دنیا کے لئے تم ایک گواہ عادل کی حیثیت سے شہادت دے سکو۔"

خود قرآن مجید بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ ایک موقعہ پر فرمایا کہ (قال

اوسطہم) اور وہاں بلا اختلاف (اوسطہم) سے مراد (اعدلہم) ہی ہے۔ امام رازی نے بروایت قفال ایک حدیث بھی درج کی ہے کہ آنحضرتؐ نے خود اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی: امتہ وسطا ای عدلا۔ اس کے علاوہ مشہور حدیث خیر الامور اوسطہا میں بھی اوسط بمعنی عدل استعمال کیا گیا ہے یعنی بہتر کام وہ ہیں جو ان میں مطابق عدل ہوں۔ آنحضرتؐ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اوسط قریش نسبا اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اوسط، اعدل ہی کے معنی میں بولا گیا ہے اور اسی بنا پر اس آیت سے (اجماع) کے حجت ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جب امت کی عدالت نص سے ثابت ہو گئی تو، اس کا اجماع یقیناً گمراہی و فساد سے محفوظ ہو گا۔

پہلی اور دوسری آیت میں تطبیق

پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کا ذکر کیا ہے، لیکن پہلی آیت میں بظاہر الفاظ تمام امت کے لئے نہیں، بلکہ امت میں سے ایک خاص جماعت کے لئے اس کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف (الخ) — تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے۔

لیکن دوسری آیت میں کسی ایک جماعت کی تخصیص نہیں ہے، تمام امت کا امتیاز ملی اسی فرض کو قرار دیا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف (الخ) — تم سب میں بہتر امت ہو، اس لئے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو (الخ)

دونوں آیتیں ایک ہی سورت اور ایک ہی رکوع میں ہیں، پھر دونوں میں اختلاف کیوں ہے؟ پہلی میں یہ فرض محدود (مخصوص) اور دوسری میں عام ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے جن فرائض کا ذکر کیا ہے،

ان میں سے ہر فرض اپنی تکمیل کے لئے علم کا محتاج ہے۔ دعوت الی الخیر کے لئے ضرور ہے کہ اعمال کا علم ہو، امر بالمعروف کیونکر انجام پاسکے گا جب کہ وہ کام معلوم نہ ہونگے جن پر معروف کی اطلاق ہو سکتا ہے؟ نہی عن المنکر تو اور زیادہ علم و فضل اور درس و تدریس کا محتاج ہے کیونکہ منکرات میں تمام محرکات و مکروہات فقہیہ داخل ہیں اور جب تک ان کا علم نہ ہو کیونکر اسے روکا جا سکتا ہے؟

اس تفسیر کی بنا پر فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ اس آیت (ولتکن منکم) میں (من) تبعیض کے لئے آیا ہے، اس سے صرف ایک گروہ محدود (علماء) مراد ہے، اور یہ تینوں باتیں صرف انہیں کے فرائض میں داخل ہیں۔

لیکن

علماء نے اس فرض عام کو اپنے لئے مخصوص کر لیا

درحقیقت یہ خیال عملاً و اعتقاداً ایک ایسی خطرناک غلطی تھی جس کو نہیں سمجھتا کہ کن لفظوں سے تعبیر کروں؟ اس تیرہ سو برس میں اسلام کو ان تمام غلط فہمیوں سے پالا پڑا جو اس سے پہلے امم سابقہ کو پیش آچکی ہیں لیکن کسی سخت سے سخت تحریف نے بھی مسلمانوں کو ایسا لاعلاج نقصان نہیں پہنچایا، جیسا اس غلطی سے پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ اسلام کی وہ دعوتِ الٰہی جو ایک عالمگیر اصلاح اور بین الملی جامعہ کے قیام کے لئے آئی تھی، اسی غلط فہمی سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ خلافت و نیابت الٰہی کا وہ شرف جو مسلمانوں کو عطا کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے بہ حیثیت ملی وہ تمام عالم میں خدا کا مقدس دستِ عمل تھے بدبختانہ اسی غلط فہمی سے خاک میں ملا۔ رؤسائے روحانی اور پیشوایانِ مذہب نے جو مشرکانہ اختیارات اپنے لئے مخصوص کر لئے تھے اور جن کی غلامی سے دنیا کو نجات دلانا اس دین الٰہی کا اصلی مشن تھا، اس کی بیڑیاں پھر اسی غلط فہمی کی لعنت سے مسلمانوں کے پاؤں میں پڑیں اور ایسی پڑیں کہ اب تک نہ نکل سکیں چالیس کروڑ فرزندان الٰہی، جن کو اپنے اعمال حسنہ سے دنیا میں خدا کی تقدیس

کا تخت جلال بنتا تھا، آج اپنی بداعمالیوں سے تمام قومی جرائم اور ملی معاصی میں گرفتار رہیں، اور قہر الٰہی کو مدتوں سے دعوت دے رہے ہیں۔ یہ وہی معاصی ہیں، جن کی پاداش میں اقوام گزشتہ سے خدا نے اپنا رشتہ توڑا تھا، جن کی وجہ سے (داؤد) کے بنائے ہوئے ہیکل سے روٹھ کر رحمت الٰہی نے (اسماعیل) کی چنی ہوئی دیواروں کو اپنا گھر بنایا تھا، اور پھر جن کی وجہ سے بنی اسرائیل کو اپنی نیابت سے معزول کر کے مسلمانوں کو اس پہ سرفراز کیا تھا۔

ولقد اهلكنا القرون من قبلكم لما ظلموا وجاءتهم رسلهم بالبينات وما كانوا ليومنوا، كذالك نجزی الله القوم المجرمين۔ ثم جعلنا كم خلائف فی الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون؟

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گذر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم و معاصی پر کمر باندھی تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ انکے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا۔ مجرموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تم کو دنیا کی بادشاہت دے کر ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو؟

مگر یہ بدبختی بھی صرف اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

لیکن یہ سب کچھ کیوں کر ہوا؛ اس طرح کہ اعتقاد ہی سے عمل وجود پذیر ہوتا ہے، اس غلط فہمی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ: (امر بالمعروف) جو دراصل ہر فرد اسلامی کا فرض تھا، اور صحابۂ کرام کی زندگی اس کی عملی شہادت ہمارے سامنے ہے، وہ روز بروز ایک محدود دائرے میں سمٹتا گیا، اور سمٹتے سمٹتے ایک غیر محسوس نقطہ بن کر رہ گیا۔ اب اس کے وجود میں بھی شک ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کے انحطاط و ہلاکت کی ایک بڑی علت رؤسا مذہبی کا مجبورانہ اقتدار ہے اسلام نے اس زہر کا تریاق اسی اصل اصول کو تجویز کیا تھا کہ امر بالمعروف کی خدمت کو اس طرح عام، اور ہر فرد ملت پر پھیلا دیا جائے، کہ پھر کسی مخصوص گروہ کو کسی ذریعہ سے اقتدار حاصل کرنے کا موقع نہ ملے اور ہندوؤں کے برہمنوں، اور عیسائیوں کے رومن کیتھولک فادروں کی طرح، مذہبی دعوت واصلاح کو کوئی جماعت اپنی اقلیم حکمرانی نہ بنالے کہ یفعل مایشاء ویحکم ما یرید۔ لیکن اب صدیوں سے دیکھئے تو مسلمان جن بیڑیوں کو کاٹتے آئے تھے ان سے خود ان کے پاؤں بوجھل ہو رہے ہیں۔ اس فرض الہٰی کو (علماء) نے اپنا موروثی حق بنالیا ہے جس میں اور کسی فرد کو دخل دینے کی اجازت نہیں۔ شیطان (اپنی قدیمی عادت کی طرح) جب ضرورت دیکھتا ہے ان کو اپنے اعمال ابلیسانہ کے لئے آلۂ کار بنا لیتا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی جگہ (امر بالمنکر ونہی عن المعروف) کے فرائض ان کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں باقی تمام قوم اپنے اس فرض کی طرف سے غافل و بے خبر ہے اور جہل مذہبی کے سبب سے (علماء) کے اس غصب حقوق عامہ پر قانع ہوگئی ہے۔ خدائی حکومت کوئی بھی اپنے اوپر محسوس نہیں کرتا، نیکیوں کی طرف سے سب کی آنکھیں بند ہیں، اور برائیوں پر سے ہر شخص ایسا گذر جاتا ہے گویا اس کو کان سننے کے لئے اور آنکھیں دیکھنے کے لئے ملی ہی نہیں۔ فانہا لا تعمی الابصار، ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

دونوں آیتوں کا منشا ایک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں، دونوں کا منشا ایک ہے اور دونوں اس فرض کو بغیر کسی تخصیص و تحدید کے ہر قائل کلمۂ توحید کا فرض قرار دیتی ہیں البتہ پہلی آیت میں (ولتکن منکم) کا لفظ اشتباہ پیدا کرتا ہے، کہ

(منکم) بیان تبعیض کے لئے ہے، یعنی تم میں سے بعض لوگوں کی ایک جماعت اس فرض کو اپنے ذمے لیلے۔ لیکن چونکہ آگے چل کر دوسری آیت نے اس فرض میں تمام امت کو شامل کر لیا ہے۔ اس لئے یہاں (منکم) کو تبعیض کے لئے قرار دینا ہی غلط ہے بلکہ وہ یقیناً توضیح وتبیین کے لئے آیا ہے جیسا کہ ہر زبان کے محاورے میں عموماً بولا کرتے ہیں، مثلاً عربی میں کہیں گے۔ للامیر، من غلامہ عسکر۔ ولفلان، من اولادہ جند۔ یعنی امیر کے لڑکوں سے فوج کے سپاہی ہیں اور فلاں شخص کی اولاد سے لشکر مرتب ہو رہا ہے، تو اس سے امیر کے تمام لڑکے مراد ہوں گے نہ کہ بعض۔ خود قرآن میں ایک موقعہ پر فرمایا ہے کہ فاجتنبوا الرجس من الاوثان مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بتوں کے علاوہ اور کسی شئے کی ناپاکی سے پرہیز نہ کیا جائے۔ غرضکہ یہاں (من) افادۂ معنی تبیین کرتا ہے نہ کہ تبعیض۔ (امام رازی) نے دوسرے قول کو بیان کرتے ہوئے اس پر کافی بحث کی ہے۔ فمن شاء التفصیل فلیرجع الیہ

لیکن اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم قرآن مجید کی ایک اور آیت اس مضمون کے متعلق پیش کرتے ہیں، اگر (امام رازی) نے اس آیت کو بھی پیش نظر رکھا ہوتا تو ان کو متعدد آراء توجیہات کے لاحاصل نقل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ سورۂ (حج) کے پانچویں رکوع میں خدا تعالےٰ نے کافروں کے ان مظالم کی طرف اشارہ کیا ہے، جن سے آغاز اسلام کے مسلمانوں کو سامنا ہوا تھا۔ پھر دفاع وحفظ نفس کے لئے قتال کی اجازت دی ہے اور اس کے بعد کہا ہے:۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر، وللہ	اگر ہم (ان مظلوم مسلمانوں) کو حکومت اور خلافت دے کر زمین میں قائم کر دیں تو وہ نہایت اچھے کام انجام دیں گے، یعنی نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور برائی سے روکیں گے

عاقبۃ الامور۔ اور سب کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

یہ آیت اس بارے میں بالکل صاف اور فیصلہ کن ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیاب کرنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ زمین پر حکمران ہونے کے بعد اچھے اور نیک کاموں کو انجام دیں گے۔ پھر ان کاموں کی بالترتیب تشریح کی ہے اور سب کو مسلسل عطف کے ساتھ بیان کیا ہے جو معطوف و معطوف علیہ میں تسویہ ثابت کرتا ہے۔ پہلے نماز کا ذکر کیا، پھر زکوٰۃ کا، اور یہ دونوں عمل ہر جگہ قرآن میں ایک ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام آیا ہے اور اُسی سلسلۂ اعمال میں جس میں نماز اور زکوٰۃ بلحاظ وجوب و فرض بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ۔

(۱) مسلمانوں کو خدا نے جو نصرت و فتح اور دنیا میں کامیابی عطا فرمائی اس کی علت یہ تھی کہ تاکہ وہ اعمال حسنہ انجام دیں۔

(۲) وہ اعمال حسنہ، علی الخصوص قیام نماز، ادائے زکوٰۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہیں

(۳) نماز اور زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پس امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔

۳

عدل واعتقاد

گذشتہ نمبر سے گویہ تحقق ہوگیا کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے ہر پیرو پر فرض کر دیا ہے لیکن اصل بحث ابھی باقی ہے۔ اس تعلیم کو اصولاً و اعتقاداً کون نہیں مانتا؟ لیکن اخلاق اور مذہب کی ہر تعلیم میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں، جو اصول قابل عمل نہ ہو، وہ کاغذ کے صفحوں پر کتنا ہی دلفریب ہو مگر انسانی مصائب کے لئے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا اس اصول پر عمل بھی کر سکتی ہے یا نہیں؟

"اسلام" یکسر عمل ہے، مذہبی تاریخ میں جو انقلابات ذہن واصول سے عمل کی جانب ہوئے ہیں اور جن کی ابتدائی حالت کا مکمل نمونہ (گوتم بدھ) اور آخری صورت (مسیحی تحریک) تھی، اسلام اس کے انقلاب آخری کا نام ہے، جس کے بعد مذہب ایک خالص عملی قانون کی شکل میں مبدل ہوگیا اور وہ تمام چیزیں نکل گئیں جو اس کی عملی طاقت کو مضرت پہنچاتی تھیں۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ امر بالمعروف ایک اسلامی اصول ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ وہ محض ایک ذہنی زندگی رکھنے والا اصول ہی نہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے والا قانون ہے۔

حب وبغض وعفو وانتقام

سب سے بڑی مشکل جو اس اصول کی عملی راہ میں پیش آتی ہے وہ اخلاقی تعلیمات کی دورنگی ہے، ایک طرف عفو و درگذر اور محبت و عاجزی کی تعلیم ہے، دوسری طرف نیکی و بدی کے احتساب کی سختی اور انتقام و عقوبت ہے۔ خود قرآن کریم کی تعلیمات میں بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔ ایک طرف عفو و نرمی اور حکمت و موعظۃ کا حکم ہے، دوسری طرف سختی و انتقام اور تشدد و جبر کے احکام پر زور دیا گیا ہے۔ یورپ کے مورخین جب تعصب و جہل کی

تاریکی میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس اختلاف تعلیم کی تہہ میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا پھر پریشان ہو کر اس اختلاف کو (مکی) اور (مدنی) زندگی کے اختلاف حالت کا نتیجہ بتلاتے ہیں کہ جب تک اسلام بے بسی اور محتاجی کی حالت میں تھا، نرمی اور عفو و درگذر کی تعلیم سے زندگی کا سہارا ڈھونڈتا تھا لیکن مدینہ میں آکر جب تلوار ہاتھ آگئی تو پھر حکومت اور طاقت کی حالت میں عاجزی مسکنت کی ضرورت نہ تھی لیکن واللہ یعلم انہم لکاذبون۔

عفو و انتقام کا اصل اصول

اس بحث کا یہ موقع نہیں، لیکن اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جس اصول پر قائم کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

فقہا کا ایک عمدہ اصول ہے کہ "اصل ہر شے کی اباحت ہے تا آنکہ کوئی سبب حرمت پیدا نہ ہو" انگور کا عرق فی نفسہ ایک مفید اور عمدہ شے ہے، لیکن جب اس میں نشہ پیدا کر دیا جائے اور نشہ کی وجہ سے انسان کے دماغ اور اخلاق کو نقصان اور اس نقصان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل اور سوسائٹی کا حرج ہو تو وہ پھر حرام قطعی ہے۔

بالکل اسی طرح اخلاق میں بھی اصل عمل (محبت) ہے تا آنکہ کوئی سبب لاحق ہو کر (بغض) سے تبدیل نہ کر دے، یعنی دنیا میں ہر شے محبت کے زیر قانون ہے اور کوئی نہیں جو محبت و پیار کا مستحق نہ ہو۔ لیکن اس محبت کے اوپر بھی ایک قانون عام کی حکومت ہے یعنی "نفع رسانی اور حقوق العباد کی نگہداشت" پس اگر کوئی علت ایسی پیدا ہو جائے جس کے سبب سے محبت کی صورت اپنی محبوبیت کو مسخ کر دے تو ہر محبوب شے کو اپنی نظروں میں مبغوض بنا لو اور جس قدر محبت کی راہ میں محبت کا جوش رکھتے تھے، محبت ہی کے خاطر بغض کی راہ میں بغض کا جوش ظاہر کرو۔

غور کرو، قانون دنیا میں کیا چاہتا ہے؟ محبت یعنی امن کو قائم کرنا، لیکن محبت کی خاطر عداوت، اور امن کی خاطر بدامنی اس کو بھی کرنی ہی پڑتی ہے اس کی انتہائی آرزو یہ ہے کہ انسان کی زندگی کو مہلکات سے نجات دے، لیکن زندگی

بخشنے کے لئے اسے موت ہی کے حربے سے کام لینا پڑتا ہے۔ انسان کو پھانسی پر چڑھا کر مارتا ہے اور کہتا ہے یہ اس لئے ہے تاکہ انسان گلا گھونٹ کر نہ مارے جائیں۔

پارلیمنٹ اور جمہوریت، امن اور آزادی مانگتی ہے، مگر امن کی خاطر اسے شخصی حکومت میں بدامنی پیدا کرنی پڑتی ہے اور آئندہ قتل روک دینے کے لئے بہتوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔

قرآن نے حب و بغض اور نرمی و سختی کے اصول کو اسی بنیاد پر قائم کیا ہے، اس کی عام تعلیم یہ ہے:۔

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين واما ينزغنك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله انه سميع عليم	خطاؤں سے درگذر کر، اچھی باتوں کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جا اور ... (اے پیغمبر) تیرے دل میں اگر انتقام کا ولولہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر احسان عام اور عاجزی اور فروتنی کو اس پیرایہ میں فرمایا:۔

ولا تمش فی الارض مرحا، انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا کل ذالک کان سیئہ عند ربک مکروها	زمین پر اکڑ کے نہ چلا کرو، اس طرح چل کر زمین کو پھاڑ تو سکتے نہیں اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو، یہ تمام باتیں خدا کو ناپسند ہیں۔

سورۂ فرقان میں اپنے نیک بندوں اور سچے مومنوں کی جہاں خصلتیں گنائی ہیں وہاں پہلا وصف یہ کہا۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما
اور رحم کرنے والے خدا کے رحیم طبیعت بندے وہ ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو سلام کرکے الگ ہو جاتے ہیں۔

سورۂ شوریٰ میں ایک ایسے ہی موقعہ پر مومن کا سب سے بڑا وصف یہ قرار دیا ہے کہ:۔

اذا ما غضبوا ھم یغفرون
اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو خطاؤں سے درگذر کرتے ہیں

اصطلاح قرآن میں (عزم امور) ایک انتہائی وصف ہے جو انبیائے جلیل القدر کی مدح میں آیا ہے لیکن عفو وصبر کرنے والے کیلئے بھی اسی کو استعمال کیا

ولمن صبر وغفر ان ذالک لمن عزم الامور
اور جو صبر کرے اور خطاؤں کو بخش دے تو بیشک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں

احسان عام کی ان تعلیمات کا استقصا کیا جائے تو اس طرح کی بیسیوں آیتیں اور ملیں گی۔

یہ تعلیم تو عام، اور گویا اصل اخلاقی کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن جب عوارض سے حالات متغیر ہو جائیں، اور عفو درگذر کی جو علت تھی (یعنی نفع خلائق اور عدم مضرت رسانی)، عفو و درگذر سے خود وہ مفقود ہونے لگے تو اس حالت میں پھر بہ شرط عدل و وسطیت، انتقام اور بدلے کی سختی کو جائز کر دیا۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا
برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے کرو۔

آگے چل کر اس کو صاف کر دیا:۔

ولمن انتصر بعد ظلمہ
اور اگر کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے

فاولٰئک ما علیہم من سبیل - انما السبیل علی الذین یظلمون الناس و یبغون علی الارض بغیر الحق -

بعد بدلہ لے تو ایسے لوگ معذور ہیں ان پر کوئی الزام نہیں، الزام انھیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور بغیر کسی حق کے زیادتی کے ساتھ پیش آتے ہیں -

دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے -

عام حکم کفار و مخالفین کے ساتھ نرمی و رافت، عفو و درگزر، اور بطریق احسن نصیحت و موعظت کا ہے -

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلہم بالتی ھی احسن

خدا کی راہ کی طرف حکمت و وعظ کے ساتھ بلاؤ اور اگر بحث بھی کرو تو اس طرح کہ وہ پسندیدہ طریقہ ہو -

دوسری جگہ مخصوص طور پر یہود و نصاریٰ کی نسبت کہا -

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن

اہل کتاب کے ساتھ بحث نہ کرو مگر بطریق پسندیدہ -

لیکن پھر دوسرے موقعوں پر (جہاد فی سبیل اللہ) کو ایک فرض دینی قرار دیا اور سورتوں کی سورتیں اس کے احکام کی نسبت نازل فرمائیں :-

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم

جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو -

اسی آیت کے بعد فرمایا :-

فاقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم

ان کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انھوں نے تمہیں نکالا ہے، تم بھی انھیں نکال باہر کرو -

پہلے عام طور پر نرمی اور آشتی کا حکم دیا تھا لیکن قتل پر بھی بس نہ کر کے
اب تشدید سے شدید سختی پر زور دیا۔ حیث قال :۔

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ	اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔

دونوں تعلیموں میں کس درجہ تباین و تباعد ہے؟ مگر دراصل دونوں کا
منشا ایک ہی ہے۔ پہلا حکم احسانِ عام۔ محبت عمومی، اور اصل اخلاقی پر مبنی
تھا۔ لیکن جب عوارض دلواحق سے حالات بدل گئے تو جس طرح پہلے انسانوں کی راحت
اور جلب نفع کے لئے نرمی کا حکم دیا تھا اسی طرح اور اسی مقصد سے یہاں سختی و قتل
کا حکم دیا اور اس کی علت کو کھول کر بیان کر دیا کہ

الفتنۃ اشد من القتل	فساد خون ریزی سے بڑھ کر برائی ہے۔

(۲)

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ	ان کو قتل کرو یہاں تک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے

جس طرح قتل کی برائی کو روکنے کے لئے خود قتل کی برائی کو مجبوراً اختیار
کرنا پڑتا ہے
اسی طرح قرآن نے فتنہ و فساد سے ارض الہٰی کو پاک کرنے
کے لئے تلوار سے مدد لینے تک کی اجازت دے دی ہے۔
بیشک نرمی اور نرم رفتاری کو خدا دوست رکھتا ہے لیکن
سخت گیروں اور ظالموں کو سختی سے باز رکھنے کے لئے بھی اگر سختی نہ کی
جائے نرمی قائم نہیں ہو سکتی۔ فتنہ و فساد اسے پسند نہیں، مگر فتنہ و
فساد کو روکنے ہی کے لئے اسے فتنہ سے علاج بالمثل کرنا پڑتا ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا

اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا تا رہتا تو تمام صومعے اور گرجے اور تمام عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ کبھی کے منہدم ہو گئی ہوتیں۔

یعنی مقصد الٰہی شفقت و رحمت و احسان عام ہے لیکن جب ایک گروہ اس کی زمین کو فتنہ و فساد سے آلودہ کرتا ہے، بغیر کسی جرم و قصور کے محض عبادت الٰہی کی وجہ سے اس کے نیک بندوں پر ظلم و سختی کرتا ہے، ان کو گھروں سے نکالتا ہے، اللہ کی عبادتگاہ میں جانے سے روکتا ہے، پھر وہ جب اپنا گھر بار چھوڑ کر، وطن سے بے وطن ہو کر، ایک دوسرے شہر میں پناہ لیتے ہیں تو وہاں بھی ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا، تو ان حالتوں میں مجبور ہو کر پیغمبر کو فتنہ روکنے، مظلوموں کو بچانے شعائر الٰہی کی حفاظت اور حرمت کو قائم رکھنے اور رافت و رحمت سے دنیا کی محرومی کو مٹانے کے لئے سختی سے کام لینا پڑتا ہے اور تلوار کو کاٹنے کے لئے تلوار بلند کی جاتی ہے۔

وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا

اس موقعہ پر پچھلے نمبر کے اس ٹکڑے پر ایک نظر ڈال لینی چاہیئے جس میں "امۃ وسطا" پر بحث کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی خلافت اور نیابت بخشی تھی پس ضرور تھا کہ وہ بھی صفات الٰہی سے متصف، اور متخلق باخلاق الٰہی ہوں۔ خدا رحیم اور محبت کرنے والا ہے، پس حکم دیا گیا ہے کہ ارحموا علی الارض یرحمکم من

فی السماء" زمین پر رحم کرو تاکہ وہ جو آسمان پر ہے تم پر رحم کرے۔ لیکن رحیم ہونے کے ساتھ وہ عادل بھی ہے، پس رحم و محبت میں بھی عدل اور وسط کا ہونا ناگزیر تھا اس بنا پر تعلیم دی گئی کہ جب افراط و تفریط حد سے بڑھ جائے تو افراط کو روکنے کے لئے تم بھی افراط کرو۔ صفرا بڑھ گیا ہے تو تم بھی بہت زیادہ ترشی کھلا دو۔ تم پر تلوار اٹھائی گئی ہے تو اسے تلوار ہی سے کاٹو۔ تم ذلیل کئے گئے ہو تو تم بھی ذلیل ہی کرو تاکہ تسویہ و اعتدال پیدا ہو۔ یہ سب کچھ عین رحم و محبت ہے۔ نہ کہ سختی و جبر۔ "ڈاکٹر مریض کے عزیز سے تم مریض پر مہربان نہیں اس کے تلوے میں کانٹا چبھ کر چبھن پیدا کر رہا ہے لیکن اس چبھن کے دور کرنے کے لئے نشتر کے نوک ہی سے اسے کام لینا پڑے گا۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط، وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس۔

ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کیا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو بھیجا، تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور نیز لوہا پیدا کیا (جو ہتھیار و ں کی شکل میں) سخت خطرناک بھی ہے اور ساتھ ہی بہت سی منفعتیں بھی انسانوں کے لئے اپنے اندر رکھتا ہے۔

اس آیت میں قرآن نے پوری تشریح کے ساتھ نظام عالم کے قوانین اساسی کو بیان کر دیا ہے۔ خدا ہدایت و اصلاح کے لئے انبیاء کو بھیجتا ہے اور ان کو میزان (قیام امن کی ناقدانہ قوت) دیتا ہے، تاکہ دنیا میں اللہ کے عدل کو قائم کر دیں۔ لیکن چونکہ اس کے لئے اکثر اوقات قہر و عقوبت کی ضرورت تھی، اس لئے ان کو عدل قائم کرنے کے لئے جنگ و قتال کی بھی اجازت دی اور لوھا پیدا کیا، جو طرح طرح کی اشکال اختیار کرتا ہے پس وہ مضر بھی ہے اور مفید بھی۔.....

تشبہ بالالٰہ و تخلق باخلاق اللہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اسلام انسان کے آگے ایک ارتقائے روحانی کی راہ کھولتا ہے جو گو عبدیت کے مقام تذلل و تکسر سے شروع ہوتی ہے مگر اس کا انتہائی نقطہ تشبہ بالالٰہ (یعنی خدا کی صفات سے مشابہت پیدا کرنے کا مقام) ہے اور اسی طرح اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ: تخلقوا باخلاق اللہ (خدا کا اخلاق اپنے اندر پیدا کرو) پس ضرور تھا کہ جس ملت کو خدا نے دنیا میں اپنی نیابت اور خلافت بخشی تھی وہ بھی اس صفت الٰہی سے متصف ہوتی۔ خدا اطاعت و عبادت سے (یعنی ہر ایسے کام سے جو قوائے فطریہ کا صحیح استعمال ہو) خوش ہوتا ہے، پس ایک انسان مومن کو بھی خوش ہونا چاہیئے اور اپنی ناراضمندی کا اعلان کرنا چاہیئے ہم نے پچھلے نمبر میں (اسراف) اور تبذیر) کی حقیقت سے بحث کی تھی۔ خدا عادل ہے اور رحم و محبت، نرمی و آشتی میں بھی، اسراف و تبذیر پسند نہیں کرتا۔ اگر (بائبل) کا (ابن اللہ) رحم محض کا مجسمہ ہے اور عدل کی ترازو کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا تو نہ لے، مگر چھوٹے بغیر تو اسے بھی چارہ نہیں۔ اس نے تمام انسانی جرائم و معاصی کو شان محبت کے جوش میں معاف کر دینا چاہا لیکن پھر بھی بدی کو قابل عقوبت ثابت کرنے کے لئے تمام ابن آدم کو نہ سہی، مگر اپنے عزیز بیٹے کو تو تین دن تک لعنت میں گرفتار رکھ کر خونی مجرموں کی طرح سولی پر چڑھانا ہی پڑا۔

یہ ناگزیر ہے، دنیا کیلئے محبت کی صورت موہنی ہو مگر افسوس کہ سود مند نہیں عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوش نمائی کی بلندی کی جگہ سختی و خشونت کی لکیریں ہیں لیکن دنیا کا تمام نظام صرف اسی کے دم سے ہے۔ پس خدا نے اپنی ملت کو بھی اپنی صفات کی دعوت دی اور اپنی شان عدل کیطرح اس کو بھی (امۃ وسطاً) قرار دیا تاکہ

نہ اس کی زمین پر ایک عادلانہ خلافت ہو اور اس کی طرح طرح جذبے ہیں نہ تو اسراف کرے (یعنی رحم کے موقعہ پر رحم کو، اور سختی کے موقعہ پر سختی کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا) اور نہ تبذیر کا طریقہ اختیار کرے (یعنی رحم کی جگہ قہر۔ اور قہر کی جگہ رحم)۔

مقام محبت الٰہی اور "یحبہم ویحبونہ"

یہی راز ہے کہ خدا نے تمام قوموں کو اپنے اپنے دور میں اپنی خلافت بخشی اور ہر صالح جماعت کو اس ورثۂ الٰہی کا حقدار بنایا (ان الارض یرثہا عبادی الصالحون) مگر کسی کو اپنی محبوبیت اور معشوقیت کا درجہ عطا نہیں فرمایا۔ حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی نسبت ضرور کہا کہ

یا داود! انا جعلنک خلیفۃ فی الارض — اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر اپنی خلافت بخشی۔

بنی اسرائیل بھی مدتوں اس پر سرفراز رہے، لیکن ان کی نسبت یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ خدا کے دوست اور محبوب بنائے گئے تھے یہ اس امت مرحومہ کی مرتبت خصوصی تھی کہ:۔

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ — عنقریب اللہ ایک ایسا گروہ پیدا کرے گا جن کو وہ اپنا محبوب بنائے گا اور وہ خدا کو محبوب رکھیں گے۔

لیکن اس جماعت کی علامت یہ بتلائی کہ:۔

اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم — مومنوں کے ساتھ نرم، مگر کافروں کے ساتھ سخت اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے۔

یہ مختصر آیت اس مشکل کا پورا حل ہے۔ مومن محبوب الٰہی ہے کیونکہ ایمان باللہ سے بڑھ کر محبت الٰہی کے لئے اور کون سی شے جالب ہو سکتی ہے؟ لیکن خدا نے اپنی محبت کے ساتھ طرف مخالف کی محبت کا بھی ذکر کیا کہ "میں انھیں چاہتا ہوں اور وہ مجھے چاہتے ہیں" (یحبہم ویحبونہ) اور یہاں ارباب ذوق کے لئے ایک نکتۂ عجیب ہے۔ حضرت (یوسف) کے حالات میں تابسر عشق و محبت ہی کا افسانہ ہے، مگر وہ محبت محض یک طرفہ تھی "یحبہم ویحبونہم" کی طرح دونوں طرف سے نہ تھی۔ صرف زلیخا ہی کی نسبت فرمایا کہ

قد شغفها حبه — یوسف کا عشق اس کے دل میں جگہ پکڑ گیا ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ زلیخا جو کچھ کرتی تھی، اپنے نفس کی خاطر کرتی تھی، یوسف کی رضاجوئی مطلوب نہ تھی۔ جب عزیز مصر پر اصلیت منکشف ہوگئی تو ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے باوجود کمال استیلائے محبت و شغف خود ہی یہ صلاح دی کہ:۔

ما جزاء من اراد باهلك سوءا الا ان يسجن او عذاب اليم — جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی یہی سزا ہے کہ قید کیا جائے یا سخت عذاب میں گرفتار رہو۔

لیکن عشق و خود پرستی دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے عشق کی تعریف یہ ہے کہ "اولها قتل و آخرها حرق" (اس کی ابتدا قتل نفس ہے اور انتہا تمام خواہشوں اور ہوا و ہوس کا فنا) یہاں سب سے بڑی معصیت اپنے وجود کا حس اور اثبات ہے۔

وجودك ذنب لا يقاس به ذنب

محبت کا اصلی مقام وہ ہے جہاں پہنچ کر نفس اپنے کو فنا کر دیتا ہے اور پھر

دست محبوب میں محض ایک آلہ بے روح بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کا دل اس کے پہلو میں نہیں ہوتا، بلکہ محبوب کی انگلیوں میں "یقلبھا کیف یشاء" (جس طرف چاہتا ہے پھرا دیتا ہے) محبت کا استغراق خود اس کے محبوب کے صفات و خصائل کا ایک دوسرا پیکر بنا دیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو اسی کی نظر سے، اور سنتا ہے تو اسی کے کانوں سے خود اس کی کوئی خواہش اور کوئی مرضی باقی نہیں رہتی محبوب کی خواہش اس کی خواہش، اور محبوب کی مرضی اس کی مرضی بن جاتی ہے۔ (زلیخا) کو ابھی یہ درجہ حاصل نہیں ہوا تھا ورنہ اپنی ذلت و رسوائی کے خوف سے (یوسف) کو بارہ برس تک قید خانے میں نہ دیکھتی البتہ جب اس راہ میں ترقی کر گئی تو پھر ننگ و ناموس نفس کی زنجیریں خود بخود ٹوٹ گئیں اور پکار پکار کر کہنے لگی۔

ما ابری نفسی ان	اپنے نفس کو الزام سے نہیں بچاتی بیشک میرا
النفس الامارۃ بالسوء	نفس برائی پر آمادہ کرنے والا ہے۔

خدا نے اپنے مومن بندوں کو صرف اپنا ہی محبوب نہ کہا کہ یہ تو صرف نیمی ہوتی، بلکہ یحبہم و یحبونہم فرمایا کہ میں اگر ان کو دوست رکھتا ہوں تو وہ بھی مجھ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس تعلق محبت کو محب و محبوبی اور عشق و معشوقی، دونوں سے مرکب بنایا، تاکہ مقام ایمان کی اصلی علامت و خصوصیت ظاہر ہو جائے اور ایمان باللہ فی الحقیقت اللہ کی محبت ہی کا نام ہے۔

والذین اٰمنوا	اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی
اشد حباً للہ	خدا سے نہایت درجہ دوستی ہے۔

محبت کی شرط اولین فنافی المحبوب ہے، اس لئے مومن مخلص بھی وہی ہے جو اپنی تمام خواہشوں اور قوتوں کو بھول کر صرف خدا کی مرضی اور ارادے پر اپنے تئیں چھوڑ دے۔ خدا کی مرضی اس کی مرضی اور خدا کی خوشی اس کی خوشی ہو

یہی معنی خلافت الہٰی کے ہیں کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفات کاملہ کا مظہر اور اس لئے اس کا جانشین ہے۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

پس جب مقام ایمان محبت الہٰی اور محبت بغیر حصول فنا فی المحبوب محال، تو یہیں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بے نقاب ہو جاتا ہے (مومن) کی تعریف یہ ہے کہ خود اس کی نہ کسی کے ساتھ دوستی ہو نہ دشمنی، نہ کسی کی مدح کرے، اور نہ مذمت، بلکہ وہ دست الہٰی میں ایک بیجان آلہ بن کر اپنی محبت و دشمنی کو راہ محبوب کے لئے وقف کر دے جو خدا کے دوست ہیں، وہ اس کے دوست ہوں، اور جو اس کے دشمن ہیں، وہ اس کے دشمن ہوں، اسی کی راہ میں دوستی اور اسی کی راہ میں دشمنی،

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ خدا نیکی اور اعمال حسنہ سے خوش ہوتا ہے، پس یہ کبھی جہاں کہیں نیکی کو دیکھے، اپنا سر جھکا دے وہ بدی اور بد اعمالی پر غضب ناک ہوتا ہے (لا یرضی بعباد الکفر) پس اس کو بھی جہاں کہیں بدی نظر آئے، صفات الہٰی کی چادر اوڑھ کر قہر مجسم بن جائے۔ اذلۃ علی المومنین، اعزۃ علی الکافرین۔ نیکی کے سامنے جس قدر عاجز ہو، اتنا ہی بدی کے آگے مغرور و سخت ہو۔

کیا نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں امر بالمعروف کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی ایمان باللہ کا بھی نام لیا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس، تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون

تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو کہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان

باللہ

رکھتے ہو۔

یہ اس لئے کہا کہ امر بالمعروف کا فرض بغیر کامل ایمان باللہ کے ادا نہیں ہوسکتا۔ ایک انسان جو ہوائے نفس میں گرفتار ہے، درہم و دنانیر کو پوجتا ہے۔ لذت نفس اور عیش دنیوی کو اپنا قبلہ بنالیا ہے، اور دنیوی رسوخ و عزت کو اپنا معبود سمجھتا ہے، ممکن نہیں کہ اپنے اندر نیکی کے حکم اور بدی کی روک کی طاقت پا سکے۔ وہ مشرک ہے۔ گو زبان سے دعوٰی ایمان کرتا ہو مگر ایمان کی حلاوت اس کو کبھی چکھنا بھی نصیب نہیں ہوئی۔

وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون	اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ گو ایمان کا دعوے کرتے ہیں مگر فی الحقیقت مبتلائے شرک ہیں۔

عبادت اور بندگی کے معنے کسی مجسم بت کو پوجا ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ شے جس کے دینے کا حق صرف خدا ہی کو تھا، اگر اس کے سوا کسی دوسری ہستی کو دے دی جائے تو یہ بھی شرک ہے۔ (مگر اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں)

خدا نے سب کچھ انسان کے لئے، مگر انسان کو اپنے لئے بنایا۔ پس ایمان باللہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان سب کچھ اوروں کو دے دے مگر خود اپنے تئیں خدا کے سوا اور کسی کو نہ دے۔ اگر وہ اپنی خواہش اور مرضی کو اس کی خواہش اور مرضی پر مقدم رکھتا ہے تو وہ دعوئ ایمان میں سچا نہیں۔

ہجوم خیالات سے یہ سلسلہ سخن بار بار ٹوٹتا ہے اور پھر چند قدم چل کر واپس ہونا پڑتا ہے۔ حاصل سخن یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی ہوسکتا ہے جو ایمان باللہ میں راسخ و مستقیم ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ محبت الٰہی کی راہ میں مستقیم ہو کر سب کو خدا کے لئے اختیار کرے اور سب کو خدا کے لئے چھوڑ دے خود اس کی کوئی ذاتی محبت اور ذاتی عداوت نہ ہو۔ نہ اپنی غرض کے لئے دوست بنے اور نہ اپنی غرض کے لئے دشمن۔ وہ ہر شے کو خدا کی

آنکھ سے پیار کرے اور اسی کی آنکھ سے دشمن دیکھے اس کا کوئی وجود اس کی کوئی زندگی، اس کی کوئی صدا نہ ہو، جب چلے تو خدا کے پاؤں سے چلے اور جب سنے تو خدا کے کان سے سنا اور جب بولے تو خدا کی آواز اس کے گلے سے نکلے۔ اولنعم ماقیل فی ھذا المقام۔

من بجاناں زندہ ام و زجاں نیم
من زجان بگذشتم و جانانیم
چشم و گوشش و دست و پایم او گرفت
من بدر رفتم، سرایم او رفت
ایں بصر وین سمع، چوں آلات اوست
بلکہ ذرات تنم امرآت اوست
نغمہ از نائیست، نے از نے، بداں
مستی از ساقیست، نے از مے، بداں
چوں مرا دیدی، خدا را دیدہ
گرد کعبہ صدق بر گرد دیدہ
گفتن من گفتن اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
ما چو مست از دیدن ساقی شدیم
مست گشتیم، از فنا باقی شدیم

یہ (عارف رومی) کی مستانہ نغمہ پردازیاں ہی نہیں ہیں، بلکہ عین ترجمہ ہے، اس مشہور حدیث قدسی کا، جس کو (امام بخاری) کتاب التواضع میں لائے ہیں کہ،

لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل، حتی احببتہ، فاذا احببتہ کنت سمعہ

جب میرا کوئی بندہ بذریعہ نوافل کے مجھ سے قریب ہوتا ہے تو اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، پس جب وہ محبوب بن

الذی یسمع بہ، وبصرہ الذی یبصر بہ، ویدہ التی یبطش بھا، ورجلہ التی یمشی بھا، ولسانہ الذی یتکلم بہ، ولئن سألنی لاعطینہ، ولئن استعاذنی، لاعیذنہ

گیا تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، میرے کان سے سنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں میری آنکھ سے دیکھتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، میرے پاؤں سے چلتا ہے، اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں، میری زبان سے بولتا ہے۔ وہ جو مانگتا ہے عطا کرتا ہوں، اور جب پناہ مانگتا ہے پناہ دیتا ہوں۔

"یحبھم ویحبونھم" کا یہی مقام ہے اور یہیں پہنچ کر (پیر ہرات) اپنی فریاد ضبط نہ کر سکا اور مضطربانہ چیخ اٹھا کہ "خدایا ایں چہ بوالعجبی ست کہ با دوستاں خود دے کنی؟ تا وقتیکہ ترا می جستیم خود را یافتم اکنوں خود را می جویم، ترا می یابم"

صحابہ کی ایک جماعت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر محمدؐ بن عبد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر ارشاد الٰہی ہوا کہ وہ ہاتھ عبد اللہ نہ تھا بلکہ خود اللہ کا تھا: ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم — وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ وورا ذالک، فلا اقول، لا نبی سر، لسان النطق عنہ اخرس۔

شیخ المجاہدین، محبوب الاسلام والمسلمین

البطل العظیم غازی انور بک

متع اللہ الاسلام والمسلمین بحفظہ وجودہ وطول حیاتہ

طرابلس کی ایک لیلۃ الشہدا

اس ایک ہی آسمان کے نیچے ایک ہی وقت میں کیسے کیسے مختلف اور متضاد تماشے ہوتے ہیں! اگر ہماری طرح آسمان بھی دیکھتا ہوگا تو اس کے سامنے کیسے عجیب اور مدہش منظر ہوں گے! ایک گوشے میں نشاط و شادمانی کا ہنگامہ ہے دوسری طرف حسرت و نامرادی کے ماتم سے دنیا کو فرصت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ جس وقت دنیا کے ایک حصے میں پھولوں کی سیج پر خواب نوشیں کے لذت یاب کروٹیں بدل رہے ہوں، عین اسی وقت کسی دوسرے حصے میں گرم بالو اور تیز کانٹوں پر خون چکاں لاشیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو رہی ہوں!

لیکن لذت و عیش کے پرستاروں کو قتیلان حسرت و یاس کا افسانہ سننے کی مہلت کہاں؟ اگر غم کے ماتم کدوں میں آگ لگ گئی ہے تو عیش کے عشرت کدوں میں گلاب کا چھڑکاؤ کیوں روک دیا جائے؟ دنیا کے کارخانے ہمیشہ غفلت کی کل سے چلتے ہیں اور چلتے رہیں گے۔

زخار خار محبت دل ترا چہ خبر!
کہ گل بجیب نگنجد قبائے تنگ ترا

✡

لیکن اگر حفظِ وطن، جہاد فی سبیل اللہ، جوشِ ملی، اور وطن پرستی کا خون کچھ بھی قیمت رکھتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ (سرزمین طرابلس) کی کیا قیمت ہوگی؟

۲۶- اکتوبر کا آفتاب جب کہ مسیحی وحشت و درندگی کی خون ریزیوں کو دن بھر دیکھ کر ساحل طرابلس پر کانپتا ہوا پہنچا، تو اس کے لئے اب ظلم و مظلومی، قتل و مقتولی، قہقہہ و وحشت اور آہ و مایوسی کی جگہ، صرف ایک ہی قسم کا منظر باقی رہ گیا تھا۔ موت و حیات کی بقیہ کشمکش، روح و جسم کی مفارقت کا آخری اضطراب، الی نی احتضار کی تڑپ اور بے قراری، گرم گرم خون کے فواروں کا جوش و خروش، زخموں کی کنکریوں اور کانٹوں پر تلملاہٹ، ایڑیوں کی جاں کنی کی بے چینی میں پیہم ٹیک، زندگی کی دنیا پر الوداعی نظر، اور موت کی اس چھائی ہوئی خاموشی میں گاہ گاہ اضطراب والی درد کی چیخیں اور بند آنکھوں سے بہنے والے چند قطرہ ہائے اشک، بس یہی منظر تھا جو اس سرزمین کے تماشائی کے لئے باقی رہ گیا تھا۔

✡

کشتگانِ ظلم و ستم کی برہنہ لاشوں کی تجہیز و تکفین کے لئے جب کوئی ہاتھ نہ بڑھا تو رات کی تاریکی نے چادرِ ظلمت ڈال دی۔ جبکہ دنیا کی کبھی بند نہ ہونے والی حرکت کی نبض طرابلس کی لاشوں کی طرح بالکل خاموش تھی، اور اس کا سرد دل ریت پر جمے ہوئے خون کے لوتھڑوں کی طرح منجمد ہو گیا تھا، کھجور کے درختوں کے جھنڈ اور منہدم مکانوں کے ٹیلوں پر سے چاند کی مدہم روشنی نے سر نکالا۔

آہ! یہی چاند اس وقت کسی نشاط سرائے عیش و عشرت کے صحن میں اپنی دھیمی دھیمی کرنوں کے اندر کیسا شگفتہ اور راحت بخش ہوگا؟ مگر یہاں اس صحرائے وحشت، اس ماتم کدۂ انسانیت، اس شہادت زارِ خوں بار، اور اس خواب گاہ اجسادِ اموات میں اس کی خاموش روشنی

کیسی غمگین اور المناک ہے !

یکایک اندرونِ صحرا کی طرف سے چاند کی بھیانک روشنی میں ایک سیاہ قد نمودار ہوا - اس مدینۂ اموات میں یہ ایک تنہا متحرک جسم تھا - وہ ایک اونٹنی پر سوار تھا جو اس کی طرح بالکل چپ تھی - اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر لاشوں کے ڈھیر کو رحمدل اونٹنی اپنے گھٹنوں سے ٹھکرا دینے پر راضی نہ ہوئی - وہ نہایت آہستگی سے اتر کر خونِ انسانی کے اس سمندر کے کنارے کھڑا ہو گیا یہ اس کے لبوں کے ہلنے کی آواز ہے یا دل کے دھڑکن کی ؟ مگر جس عالم میں وہ کھڑا ہے، یہاں لبوں کی حرکت اور دل کی دھڑکن، گویائی میں دونوں برابر ہیں، بلکہ عجب نہیں کہ لبوں سے نکلی ہوئی آواز کو سننے والا اب یہاں کوئی نہ ہو، مگر دل کی صدا کو ہر لب زخم سن کر خون کے آنسوؤں سے جواب دے -

وہ کچھ عرصے تک ایک غیر متحرک سنگین بت کی طرح خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے گردن اٹھائی، پہلے اپنے سامنے کے منظر خونیں پر نظر ڈالی اور چاند کو دیکھ کر بولا -

" آہ ! زندگی کے عیش و نشاط پر چمکنے والے چاند ! تجھ کو آج بھی اس فضائے خونیں پر آنکلنے کی مہلت مل گئی - انسانی غفلت کے لعنت کدوں کو روشن کرنے کے بعد تجھ کو فرصت مل گئی کہ یہاں کی متبرک وحشت کو بھی جھانک کر دیکھ لیں ! لیکن، تو جو ظالموں کے سروں پر بھی چمکتا ہے اور انسانی سبعیت و درندگی کے چہروں کو بھی اپنی کرنوں سے نمایاں کر دیتا ہے، کیا حق رکھتا ہے کہ ان مقدس لاشوں پر اپنی ملوث روشنی ڈالے ؟

تیرے لئے انسانی فسق و معصیت کے پوشیدہ دریچے کافی نہیں ہیں کہ انسانی شرف و تقدیس کے اس صحرائے مقدس کی پاک تاریکی میں خلل ڈالنے کیلئے آموجود ہوا ؟ تو سمجھتا ہو کہ تیرا آشیانہ ہم سے بلند ہے اور اسلئے

تو خدا کے عرش کبریائی سے زیادہ قریب ہے۔ شاید تو قریب ہو، مگر اس کے پاس تو نہیں، حالانکہ تجھ سے لاکھوں میل نیچے تعر ارضی کی سطح پر، جو خاموش اجسام اس وقت پڑے ہیں، ان کا دل خدا سے قریب ہی نہیں، بلکہ اس وقت اس کی گود میں ہے۔ اس خدائے نیرنگ ساز کی گود میں، جو ظلم و عدوان سے گو خوش نہیں مگر شاید اپنے دوستوں کے لئے یہی پسند کرتا ہے کہ ان کے گلے کٹے ہوئے اور جسم زخموں سے سرخ ہوں" لیکن اس کا ضبط اب قابو سے باہر تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ کسی قدر آگے بڑھا۔ سامنے ایک ٹھنڈی لاش خون کے لتھڑوں کی تہہ سے منھ ڈھانکے ہوئے پڑی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ گولی کے ضرب سے لٹک کر الگ ہو گئی تھی اور ناف سے لے کر چہرے تک سنگینوں اور تلواروں کی نوکوں سے کٹ کٹ کر گوشت کا ایک مسطح ٹکڑا ہو گیا تھا۔ اس نے جھک کر اس کٹے ہوئے جسم سے الگ پاؤں کو بوسہ دیا اور اس آواز سے جو دل اور حلق، دونوں جگہ اٹکی ہو لی تھی۔ چلایا۔

☆

"اے گوشت و خون کے مقدس ڈھیر! اے محبوبیت الہٰی کی جبروت و عظمت! اے دائمی شرف و تقدس کی مثال! اے ظلم انسانی اور محبت الہٰی کے تمثیل! اے حیات ارضی سے روٹھنے والے اور ملاءِ اعلیٰ کے ساکن! اے ملائکہ مقربین کے ہمنشیں اور اعلیٰ علیین کے مکین! اے وہ، کہ تیرے خدا کی طرح اب تیرے لئے بھی کبھی فنا و زوال نہیں! اے وہ کہ ایک مرتبہ کٹ کر ہمیشہ کے لئے واصل، اور ایک مرتبہ مر کے ہمیشہ کے لئے زندہ ہے! خدا کے دشمنوں نے تیرے جسم کو بھیانک بنا دیا ہے مگر وہ تیری روح کے حسن کو تو بگاڑ نہیں سکتے تھے۔

جس طرح دشمنوں کی گولی سے تیرا پاؤں تیرے جسم سے الگ ہو چکا ہے مگر

چند باریک اور ضعیف رگوں سے اب تک جڑا ہوا ہے۔ اسی طرح تیری روح بھی اب اس دنیا کے قفس سے آزاد ہو گئی ہے، جہاں نیکی ہمیشہ سے مظلوم ہے اور حق کا گذارہ نہیں، لیکن اس خاکدان ارضی پر تیرے جسم کا آخری بوجھ تیرے پاؤں کی رگوں کی طرح روح کو جوڑے ہوئے ہے اور یہ تعلق بھی عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ جب کہ تیرے جسم سے یہ زمین خالی ہو جائے گی اور انقلابات عالم کا طوفان تیرے خون کے دھبوں کو دھو دے گا، اس وقت انسان کی نظریں تیرے نشانوں کو نہیں پا سکیں گی۔ مگر فرشتے ہمیشہ آسمان سے اتریں گے تاکہ اس سرزمین کو بوسہ دیتے رہیں، اور تیرا آسمانی دوست ہمیشہ پیار کی نظروں سے یہاں کی مٹی کو دیکھے گا، تاکہ ساکنان جنت کی نظروں میں اس کا شرف ہمیشہ قائم رہے، یہاں تک کہ اس کا تخت آخری فیصلہ کے لئے بچھایا جائے گا، اور پھر تو اپنے قتل کے سلسلہ میں کھڑا ہو کر اس کا دامن پکڑے گا، اور "بای ذنب قتلت؟" کے فغاں سے محشرستان قیامت کو ماتم کدہ بنا دے گا۔

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بحشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں دادخواہ کیست

لیکن اے زمین! اے قاتلوں اور خوں ریزوں سے بھری ہوئی سرزمین اس جسم مقدس کے آخری بوجھ کی عزت کر، کہ یہ خدا کی امانت پھر تجھے نہیں ملے گی۔ تجھ پر ہزاروں فدائیان ملت اور عشاق وطن اپنی لاشوں کو تڑپا ئینگے مگر یہ مقتولان محبت پھر تجھ کو میسر نہ آئیں گے۔ جس قدر عزت کر سکتی ہے کر لے کیونکہ یہ خدا کی گود میں کھیلنے کے لئے بہت جلد تجھ کو چھوڑنے والے ہیں"

★

اب پھر اس کی آواز اس کے قابو میں نہ تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا:-

"دنیا مر گئی، زندگی کہیں بھی نہیں، مگر اے شہرِ خاموشی! اے صحرائے سکوت تیرے ہر خون سے رنگین ذرّہ خاک میں ایک حیات پوشیدہ ہے۔ اے مرنے والو! کیا تم ہم کو زندگی نہ دو گے؟ ہم بدبخت ہیں کہ تم زندہ ہو گئے، مگر ہم تمہارے پیچھے موت کی ایڑیاں رگڑیں گے۔ تم نے اپنے مقدّس خون کی چھینٹوں کو اپنے قاتلوں سے دریغ نہیں کیا مگر ہم کو محروم رکھتے ہو! کاش تمہارے اس خون کا جو راہ ملّت پرستی میں بہا ہے ایک قطرہ بھی میسّر آجاتا تاکہ اس سرخ رنگ سے اپنے آستین و دامن پر گل بوٹے بناتے اور قیامت کے دن (مقام محمود) میں جب (رحمۃ اللعالمین) لوائے رحمت کے نیچے کھڑا ہوتا تو اس قبائے لالہ گوں کو پہن کر اس کے تختِ رحمت کو بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ تیری اس اُمّت کے سرو سینے سے نکلے ہوئے خون کا دھبہ ہے جس کی یاد سے تو اپنے خدا کی بندگی میں بھی غافل نہیں ہوتا تھا۔ اے وہ، کہ جب تک تیرا وجود رحمت حجاز کے کفرستان میں رہا، خدا کا قہر اس پر نازل نہ ہو سکا۔ واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھوالحق من عندک، فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (اور مشرکانِ مکہ سرکشی کے نشے میں کہتے تھے کہ خدایا اگر محمد (صلعم) واقعی حق پر ہے اور ہم ناحق پر تو کیوں نہیں ہم پر آسمان سے پتھر برساتا یا کیوں نہیں کسی عذاب دردناک میں گرفتار کرتا؟ مگر اے محمدؐ! خدا کیوں کر ان پر عذاب نازل کرے، جب کہ تو بھی ان کے اندر موجود ہے)

تیرا وجود آب و گل میں تھا تو مصیبت نازل نہ ہوئی، مگر یہاں تو تیری محبت روح و دل میں موجود تھی، کیونکر دشمنوں کی تلواریں ان پر چل سکیں؟

لیکن نہیں، وہ عذابِ الٰہی کے پتھروں کی بارش تھی، رک گئی، یہ محبتِ الٰہی

کے پھولوں کی بارش ہے اس کو اور زیادہ ہونا چاہیئے" طاق محبت کی ساری آرائش خون کے چھاپوں اور گل بوٹوں ہی سے ہے۔

حسنش ہمہ قتل ست ، نقابش ہمہ خونست

☆

وہ یکایک چونک پڑا، دیکھا تو چاند اس کی ملامت کی پروا نہ کر کے اور آگے بڑھ آیا ہے اور منظر زیادہ صاف ہے، سامنے خون و میّت کا ایک سمندر سکون و سکوت میں تھا۔ اس نے پھر ایک مرتبہ جھک کر سامنے کی لاش پر بوسہ دیا اور کہا۔

" اے کبریائے منتظم و قہار کی نگراں آنکھیں! اے ملائکہ سماوات کی بیشمار جماعتو! اور پھر اے خون کے سمندر، اور لاشوں کے صحرا! تم گواہ رہنا کہ میں اپنے تئیں خدا کے ہاتھ سپرد کر دیتا ہوں۔ ایک لمحے، ایک دقیقے، ایک چشم زدن کیلئے بھی الگ نہیں۔ وہ مجھ کو اپنی غیبی تلوار بنائے اور پھر بیکار نہ رکھے یہ خون کب تک بے آواز بہتا رہے گا؟ کب تک خدا کے دشمنوں کی لعنت سے وطن مقدس کی سرزمین ناپاک رہے گی؟ میں ایک بے سر و سامان مسافر ہوں اور دشمن کی فوجوں کے غول بحر و بر پر قابض، مگر اے خدا! تیری جنود مخفی کہاں ہے؟ ــــ"

یہ کہہ کر اس نے اپنے گرم آنسوؤں کے چند قطرے اس سرد لاش پر ڈالے اور پھر یکایک پیچھے ہٹ کر اپنی خاموش اونٹنی پر سوار ہوا اور صحرا میں غائب ہو گیا

☆

یہ صحرائے لیبیا کے امن و قتال کا تاجدار

(انور بک) تھا اس نے فرانسیسی سفارت خانے اور فرانسیسی معلم افسروں کا محاصرہ کر لیا ہے۔ نیز مراکش میں عام طور پر اس کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ جو یورپین باشندے

شورش سے خائف ہو کر بھاگ گئے تھے مقام صفی پر روکے گئے اور فدیہ دینے پر مجبور کئے گئے۔ لندن ٹائمس کے ایک تار کے بموجب اس وقت فاس سے ۵۰ میل کے فاصلے پر کرنل مینگن چار ہزار آدمیوں کے ساتھ شہر میں ہنگامہ مچا دینے کی تیاری کر رہا ہے۔

مسئلۂ اسلامی

(مولانا ابوالکلام آزاد کی وہ تقریر جو انہوں نے ۲۷ اکتوبر کو کلکتہ کی ایک عام مجلس میں کی)

(۱)

اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء، وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر، انک علی کل شیٔ قدیر۔

*

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم: یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید، ان یشاء یذھبکم ویات بخلق جدید، وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

برادرانِ اسلام!

عرصے کی خاموشی کے بعد پھر میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں۔

تحقیق حال ما ز نگہ میتواں نمود
لختے ز حال خویش بسیما نوشتہ ایم

آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہے کہ بعض اسباب خاص سے اس عاجز نے عام مجالس کی شرکت قطعاً بند کر دی تھی، اور گذشتہ (خیرپور) کی مجلس میں التجا کی تھی کہ آئندہ اس خدمت سے معاف رکھا جاؤں۔ ارکانِ انجمن نے جب اس کی نسبت ایک خط لکھا، تو پہلے جی میں آیا کہ معذرت کے ساتھ انکار کر دوں، لیکن اس کے بعد سوچا کہ وقت تو وہ آگیا ہے جب گونگے بولنے لگیں، اندھے دیکھنے لگیں، لنگڑے چلنے لگیں، اور بہرے سننے لگیں، کیونکہ اسلام اپنے ہر پیرو سے اس کے آخری فرض کا مطلب، اور اس شئے کا خواستگار ہے جس کے بعد اس کے ذمے اور کچھ باقی نہیں رہے گا، اور وہ توحید الٰہی کے حق سے سبکدوش ہو جائے گا۔ پس جو زبان نہیں بول سکتی، اس کو بھی بولنے کی سعی کرنی چاہیئے، اور جو قدم نہیں اٹھ سکتا، اس کو بھی چلنے کے لئے اٹھنا چاہیئے۔

توحید اخوتِ اسلامی و عمومِ رشتۂ دینی

قرآن حکیم نے توحید الٰہی کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو "سراجاً منیرا" سے ملقب کیا اور ان کے خصائص کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً، وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا۔

اے پیغمبر! بیشک ہم نے تم کو شہادت دینے والا، بشارت پہنچانے والا ضلالت وخبائث سے خوف دلانے والا، راہ الٰہی کی طرف داعی، اور ایک نورانی مشعل بنا کر بھیجا ہے۔

لیکن ایک دوسرے موقعہ پر آفتاب کو بھی "سراج" کے لقب سے یاد کیا ہے:

وجعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس

اور آسمان میں خدا نے چاند کو بھی بنایا جو ایک نور ہے، اور سورج کو بھی بنایا کہ وہ

سراجا   ایک روشن مشعل ہے،

اس مماثلت اور اشتراک تشبیہ سے مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت بھی اس آفتاب مادی کی طرح ایک آفتاب روحانی ہے۔ آفتاب جب نکلتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت میں کوئی تمیز نزدیک و دور، اعلیٰ وادنیٰ، سیاہ و سفید باغ و دشت کی نہیں ہوتی۔ اس کی روشنی بلا تمیز مکان و مقام ہر شے پر چمکتی اور ہر حرارت پذیر وجود کو گرم کرتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال اس آفتاب دعوت الٰہی اور نیر درخشاں سمائے رسالت کی عموم فیضان بخشی کا تھا، جو گوشہ سے چلا، مگر فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا، جس کی کرنوں میں داہنی جانب شریعت الٰہی کی "نور و کتاب مبین" تھی، مگر بائیں جانب نیام عدل و میزان کی شمشیر آبدار چمک رہی تھی۔ جس کا طلوع کائنات میں ظلمت کی شکست اور روشنی کی دائمی فیروز مندی تھا، کیونکہ آسمان ہدایت پر شریعت الٰہی کے گو سینکڑوں ستارے نمودار ہوئے تھے، لیکن تاریکی کی آخری شکست کے لئے دنیا کو آفتاب کے طلوع کا انتظار ہوتا ہے۔

واللیل اذا یغشٰی   رات کی قسم، جبکہ اسکی تاریکی کائنات کی تمام
والنہار اذا تجلّٰی   اشیا کو چھپا دیتی ہے اور روز روشن کی قسم جبکہ
وما خلق الذکر   آفتاب کی تجلی تمام کائنات کو روشن کر دیتی ہے
والانثٰی۔   اور دراصل اس خالق کی قسم، جس نے تخلیق عالم کے
لئے نر و مادہ کا وسیلہ پیدا کیا۔

اس آفتاب توحید نے طلوع ہوتے ہی تفریق و انشقاق کی تمام تاریکیوں کو مٹا دیا اس کی روشنی کی فیضان بخشی میں اسود و ابیض اور عرب و عجم کی کوئی تمیز نہ تھی، خدا کی ربوبیت کی طرح اس کی رحمت بھی عام تھی۔ وہ "رب العالمین" تھا، پس ضرور تھا کہ اس کی راہ کی طرف دعوت دینے والا بھی "رحمۃ للعالمین" ہو۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا، مگر تمام عالموں کے لئے رحمت قرار دے کر۔

انسان کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خدافراموشی تھی، کہ اس نے رشتۂ خلقت کی وحدت کو بھلا کر، زمین کے ٹکڑوں، اور خاندان کی تفریقوں پر انسانی رشتے قائم کرلئے تھے، خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی اتحاد کے لئے اپنی قوموں کے باہمی اختلافات ونزاعات کا گھر بنا دیا تھا، لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے، جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں، بلکہ الٰہی تعبد کی وحدت پر ایک عالمگیر اخوت واتحاد کی دعوت دی اور کہا کہ:-

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ، ورنہ دراصل یہ تفریق و انشعاب کوئی ذریعۂ امتیاز نہیں، اور امتیاز اور شرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن ومقام، اور رنگ وزبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے۔ "ومن آیاتہ اختلاف السنتکم والوانکم"! لیکن اس کو وہ کسی انسانی تفریق وتقسیم کی حد نہیں قرار دیتا۔ انسان کے تمام دنیاوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے، وہ ایک ہے، پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہیے

اگرچہ سمندروں کے طوفانوں، پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں، زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس و نسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو۔

ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ، وانا ربکم فاتقون — بیشک تمہاری جماعت ایک ہی امت ہے، اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں

اے برادران ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوت اسلام کی وحدت تھی، جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا تھا۔ اسلام نے ریگستان حجاز میں ظہور کیا، مگر صحرائے افریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی۔ اس کی دعوت کی صدا جبل بو قبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی، مگر دیوار چین سے صدائے اشہد ان لا الہ الا اللہ کی بازگشت گونجی۔ تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ و فرات کے کنارے پیروان اسلام کے نقش قدم گن رہی تھی، عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سینکڑوں ہاتھ تھے، جو خدائے واحد کے آگے سر بسجود ہونے کے لئے وضو کر رہے تھے۔ یہ تمام عالم کی مختلف قومیں، زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں، گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے، جن کو شیطان رجیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعے پھر ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے ملا دیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج و راحت ہو گئے۔

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم، اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ — اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو، جو تم پر نازل کی گئی، جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ مگر اسلام نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی اور دشمن کی جگہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے۔

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے۔ ہر انسان جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا، بمجرد اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا، خواہ مصری ہو، خواہ نائیجیریا کا وحشی ہو، خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک، لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس ایک خاندان توحید کا عضو ہے، جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔ دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں۔ مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے، بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کر دے، ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان و معاذ محبت ٹوٹ جائیں۔ مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے، ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے، اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے پیوستہ و یکجان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے، جو اسے توڑ سکے۔ اور اس زنجیر کو کاٹ سکے۔ جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسان کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزان ملت! اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلۂ اسلام!! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں پیروان اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے تو تعجب ہے اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں۔ اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیروئے توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان سات کروڑ زندگیوں پر، جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامئ وطن کے حلق بریدہ سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا ہے، تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل و جگر کے ٹکڑے نہیں گرتے؟ ایران میں اگر دو گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں، جن سے آخری ساعت نزع میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کی آواز نکل رہی

تھی، تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو۔ اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں۔ اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظین کلمۂ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھن رہے ہیں، تو ہم اللہ اس کے ملائکہ، اور اس کے رسولؐ کے آگے ملعون ہوں، اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے راحت اور سکون محسوس کریں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ حالانکہ اگر اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیروؤں میں باقی ہے، تو مجھ کو کہنا چاہئے کہ اگر میدان جنگ میں کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے، تو قسم ہے خدائے اسلام کی، کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اس چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے، کیونکہ ملت اسلام ایک جسم وحدہ ہے۔ اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹا چبھے، تو جب تک باقی اعضاء کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں، ممکن نہیں کہ اس کے صدمے سے بے خبر رہیں۔ اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں، محض اظہار مطلب کا زور بیان ہی نہیں ہے۔ بلکہ عین ترجمہ ہے، اس حدیث مشہور کا، جس کو امام احمد و مسلم نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

مثل المومنین فی توادهم و تراحمهم و تعاطفهم، مثل الجسد اذا اشتکی له عضو، تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی

مسلمانوں کی مثل باہمی مودت و رحمت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم واحد کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے، تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔

اور اسی کے ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے، جس کو ابو موسیٰ اشعری نے

روایت کیا ہے کہ:۔

الموٴمن للموٴمن کالبنیان، یشد بعضہ بعضا

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے، جیسے کسی دیوار کی اینٹیں، کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔

اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے ایک اولین اور اشرف ترین خصوصیت ہے، جس کی طرف قرآن کریم نے اپنے جامع و مانع الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ:۔

اشداء علی الکفار رحماء بینھم

کافروں کے لئے نہایت سخت، مگر آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد۔

ان میں جس قدر سختی ہے، باطل اور کفر کے لئے۔ اور ان کی جس قدر محبت و الفت ہے، حق و صدق، اور اسلام و توحید کے لئے فاعتبروا یا ایھا المسلمون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون

جامعہ اسلامیہ یا پان اسلام ازم

جب سے اسلام دنیا میں موجود ہے، یہ اخوت و وحدت بھی موجود ہے، مگر یورپ کا جدید وسیسۂ شیطانی اس کو کسی مجہول الحال اور حدیث العہد "اسلامی اتحاد سیاسی" سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اس اضغاث احلام کی تعبیر اس کو ایک خون افشاں ہلال کی صورت میں نظر آتی ہے۔ وہ کسی ایسے وقت کے تصور سے اپنے تئیں لرزاں و ترساں ظاہر کرتا ہے، جب کہ تمام عالم میں چالیس کروڑ مسلمانوں کی تلواریں یکایک چمک اٹھیں گی۔ عیسائیوں سے ان کے گذشتہ چار سو سال کی مسیحی خون ریزی کا حساب لیا جائے گا۔ اور خذوہ، فغلوہ ثم الجحیم صلوہ، کے نعروں کے ساتھ تمام دنیا کے درختوں پر صلیب پرستوں کی معلق اور مصلوب لاشیں ان کے خدائے مصلوب کی لاش کی طرح

ٹکنے لگیں گی!!

مگر یہ یورپ کے چہرۂ خونیں کا عکس ہے، جو اس کو عالم اسلامی کے آئینے میں نظر آتا ہے!!

میں نے جب کبھی اس قسم کی تحریریں پڑھی ہیں، تو لکھنے والوں کے تعصب پر اس قدر متعجب نہیں ہوا ہوں جس قدر اس کا جواب دینے والے مسلمانوں کی جہالت بلکہ اسلام فراموشی پر۔ جب کبھی یورپ کے "شیاطین سیاست" نے "پان اسلام ازم" کی صدا بلند کی ہے، تو معاً مسلمانوں نے ڈر ڈر کر اور کسی خونی مجرم کی طرح سہم سہم کر اپنی براءت کے بے اثر دلائل کی وظیفہ خوانی شروع کر دی ہے، اور پھر اکثر اوقات غیروں کو خوش کرنے کے لیے، اس میں اس درجہ غلو کیا ہے، کہ خود اپنے تئیں بھول گئے ہیں۔

"مسئلہ مشرقی" اور "پان اسلام ازم"

لیکن حضرات! یقین کیجیے کہ "پان اسلام ازم" کا فرضی خطرہ جس غرض مخفی سے دنیا کے سامنے لایا جاتا ہے، بہت کم مسلمان ہیں جن کی نظر اس کی حقیقی علت پر ہو گی۔ اس خطرے کے اعلان پر براءت اور احتیاط کی کوشش بالکل بے فائدہ ہے، کیونکہ اس کی بنیاد جہل نہیں۔ بلکہ ایک نہایت سخت ابلیسانہ حکمت عملی ہے قبل اس کے کہ مسلمان "پان اسلام ازم" کے جرم سے کانوں پر ہاتھ دھریں ان کو خود یورپ سے پوچھنا چاہیے کہ "مسئلہ مشرقی" کی حقیقت کیا ہے؟

فما کان جوابھم، فھو جوابنا۔

کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج نصف صدی سے یورپ کی تمام مسیحی طاقتوں نے ایک خاص متفقہ حکمت عملی وضع کی ہے۔ اور اس کا نام "مشرقی مسئلہ" یا "مشرق کا فیصلہ آخری" رکھا ہے۔ مشرقی مسئلہ کی حقیقی غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کے بقیہ قوائے سیاسیہ کا

بتدریج خاتمہ کردیا جائے، اور بالفاظ صاف تو یہ، کہ دنیا کے جس قدر حصے اسلام کے زیر اثر باقی رہ گئے ہیں۔ ان کو بھی یورپ کی مسیحی حکومتیں کسی ایسی تقسیم کے ساتھ۔ جو توازن دولی پر موثر نہ ہو۔ آپس میں بانٹ لیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اظہر من الشمس فی نصف النہار ہے، اور جس شخص نے کم از کم گذشتہ دس برسوں کے اندر کے واقعات سے آنکھیں بند نہیں کرلی ہیں، وہ بغیر کسی بصیرت مزید کے اسے دیکھ سکتا ہے۔ پھر اگر یہ سچ ہے کہ ایک خنجر اسلام کے قلب میں پیوست کردینے کے لئے تیز کیا جارہا ہے تو کیا منا اُنفہ اگر ہم کسی ڈھال کی تیاری میں مصروف ہوں؟ اگر خدا پرستی سے مسیح پرستی کی دشمنی قدیمی ہے، اور یہ کوئی نئی مسیحی سازش نہیں تو پیروانِ توحید کا حملہ مشرکین سے بچنے کے لئے اتحاد اخوت بھی کوئی نیا خبر نہیں ہے۔ یورپ جانتا ہے کہ مسئلہ مشرقی کے لئے کوئی بچاؤ اگر اسلام کے پاس ہے، تو صرف اس کا حقیقی اتحاد اسلامی ہے، اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس پر متفق ہوجانا ہے۔ کہ اپنی قدیمی سیادت اور شرف کو محفوظ رکھیں اسلامی زندگی کی آخری انسانی تلوار صرف ترکوں کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ایک ترکی حکومت جس کے کئی قیمتی اجزا اب یہ مسئلہ مشرقی کی قینچی چل چکی ہے۔ مسیحی اتحاد کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے؟ البتہ اگر چالیس کروڑ قلوب اسلامیہ ہلال کے نیچے جمع ہوجائیں، تو پھر وہ ایک ایسی قوت ہے، جس کو سیکڑوں سکندر اور نپولین بال بھی مل کر فنا نہیں کرسکتے۔ یورپ چونکہ یہ جانتا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے کہ غفلت اور اغراض پرستی نے مقامی و وطنی سرشاریوں میں مسلمانوں کو مبتلا کردیا ہے، اور ان کے باہمی بین الملی اتحاد کے جسم میں مغربی الحاد کے جراثیم پیدا ہوچکے ہیں، اس لئے گو فی الحقیقت کسی ایسے اسلامی اتحاد کا وجود نہیں ہے۔ لیکن وہ وقت سے پہلے پیدا ہونے والی مفاومت کا استیصال کرنا چاہتا ہے۔ اور اس مشہور قاعدے کی رو سے کہ "اتقاء وقوع المرض

خیرمن معالجتہ بعد وقوعہ " اسلام کو فناہ کرنے سے پہلے اس کے بچاؤ کی ڈھال کو فنا کر دینے کی تدبیروں میں مصروف ہے۔

پھر کیا ہو گیا ہے ان ملاحدہ مسلمین اور متفرنجین مارقین کو جو"پان اسلام ازم" نام سنتے ہی "صبانا! صبانا" کا نعرہ لگانا شروع کر دیتے ہیں، اور ہاں قسمیں کھا کھا کر کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں، کہ ہماری یورپ پرستی، اور اسلام دشمنی، کی پرامن وفاداری میں کوئی اسلامی اتحاد خلل انداز نہیں ہو سکتا؟ کیا وہ اس انکار و تبری سے ٹھیک اس غرض و غایت کو پورا نہیں کرتے، جو اس عمل شیطانی سے خود یورپ کے پیش نظر ہے؟

پروفیسر ادمیبرے) جس نے اٹھارہ برس کی عمر سے تیس برس تک ترکوں کا نمک کھایا ہے۔ اور اس کے بعد ہمیشہ ایک اسلام پرست اور عثمانی خواہ دوست کے سرائے یلدیز کی شاہانہ مہمان نوازیوں سے متمتع ہوتا رہا ہے، کل کی بات ہے کہ (بودا بست ہیرلڈ) میں اس تمہید کے اعادے کے بعد کہ وہ مسلمانوں کا دوست ہے لکھ رہا تھا۔

اسلام کی حمایت سے اب کوئی فائدہ نہیں، وہ عنقریب فناہ ہو جائے گا۔ اور اس کو فنا ہی ہو جانا چاہیئے۔ مسلمان ایک ایسی وحشی قوم ہے جس میں نہ تو "طبیعتہ" کا وجود ہے، اور نہ "طبیعتہ" کو وہ محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کو صرف خدا کی عبادت گذاری آتی ہے۔ مگر دنیا میں کام کرنا نہیں آتا، تمام انسانی حس و شعور ان سے سلب ہو گئے ہیں، صرف ایک دینی جذبہ ان میں باقی ہے۔ نہ ان کا کوئی مسلک ہے، اور نہ کائنات میں مقصد۔ پس اب یورپ کے لئے یہی باقی رہ گیا ہے کہ وہ اسلامی حکومتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لے ؎

یہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دوست کی آواز ہے! لیکن اب دشمنوں کو کہاں ڈھونڈھیں؟

پروفیسر (مکسین ہارڈن) جو اسٹریا کے سب سے بڑے اخبار (زنگفت) کا مالک اور چیف ایڈیٹر ہے، چند سال ہوئے ہیں کہ اس نے مسئلہ مشرقی پر لیکچر دیا تھا، اور اس کا خلاصہ (لنڈن ٹائمس) نے چھاپا تھا، مجھ کو یاد ہے کہ اس کی آواز ان جملوں کو پورا کر کے رُکی تھی۔

اب اور کب تک اسلام کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ کہ وہ اپنی ہزار سالہ وحشت و خونخواری کے واقعات بیسویں صدی میں دہراتا رہے؟ کب تک یورپ اپنی باہمی رقابت کے ہاتھوں عالم انسانیت کی مظلومی کا تماشا دیکھتا رہے گا؟ اسلام ایک خطرہ ہے اور اس کا بقا تمامتر خطرہ۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یورپ اسلام سے جو زمین کا ٹکڑا لے لیتا ہے، وہ اس کا قدرتی حق ہے، اور دول یورپ کے لئے مال غنیمت ہے۔ جس کی واپسی کا خیال بھی جنون ہے۔"

یورپ اسلام کے چالیس کروڑ نفوس انسانی کو تمدن اور تہذیب کے نام سے فنا کر دینا بیسویں صدی کی سب سے بڑی مدنی خدمت سمجھتا ہے لیکن روس میں آج کئی ملین عیسائی موجود ہیں، جو عثمانیوں سے ہزار درجہ یورپین تمدن سے ابعد ہیں، سب سے پہلے اس خنجر تہذیب کی دھار کی مستحق ان کی گردنیں کیوں نہیں سمجھی جاتیں؟ اور اگر جس تہذیب کے نام پر یہ صلیبی جنگ جاری کی گئی ہے، یہ وہی تہذیب ہے، جس کی ٹریجیڈی ۲۶ راکتوبر ۱۹۱۱ء کو رومانی تمثال نے طرابلس میں دکھلائی تھی تو ہزار سلامتی ہو تجھ پر، اے وحشت و خونخواری! اور ہزار ہزار رحمت و برکت نازل ہو تجھ پر اے افریقہ اور نائجیریا کی بربری و درندگی!! اور کبھی تیرے سایۂ برکت سے ہمارے سر جدا نہ ہوں!!

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

حضرات!! یورپ کے نزدیک "مسئلہ مشرقی" کا حل بالکل ایک قدرتی انصاف و عدل ہے، چالیس کروڑ نفوس اسلام کو مٹا دینے کا عملی تہیہ کوئی تشویش انگیز بات نہیں۔ یہ اس پرانی مسیحی وصیت کی تبلیغ و تکمیل ہے، جس کو سینٹ لوقا نے شہزادہ امن (مسیح) کی زبانی دنیا کو سنایا تھا کہ "میرے وہ دشمن جو نہیں چاہتے کہ میں ان پر حکمرانی کروں ان کو یہاں لاؤ! اور میرے قدموں کے آگے ذبح کر دو" پس اس میں کوئی انسانی ظلم نہیں، قوموں کے قدرتی قانون کا احترام اس بارے میں بالکل بے معنی ہے۔ اگر کوئی شے قابل توجہ ہے تو صرف یہ ہے کہ یورپ کی رقیب حکومتیں ایک دوسرے پر بازی نہ لے جائیں، جسم اسلام کی اس طرح بوٹیاں نوچی جائیں کہ ہر بھیڑیے کے منہ میں مساوی تقسیم کے ساتھ ایک ایک لقمہ آجائے۔ لیکن جامعہ اسلامیہ، اسلام کی قدرتی اخوت، اس کا روز اول سے قائم کردہ رشتہ اتحاد، تو یہ ایک سخت سے سخت معصیت اور جرم ہے، جس کا کوئی ذی روح مخلوق مجرم ہو سکتا ہے۔ یہ ایک کھلا عدوان و فساد ہے۔ یہ ایک وحشیانہ تعصب اور بربرانہ خونخواری کی سازش ہے۔ یہ ایک ایسا گناہ ہے، جس کے لئے نفرین اور عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ایک ایسی تاریک زندگی ہے، جو صرف اس لئے ہے کہ اسے مٹا دیا جائے۔! ذالك قولهم بافواههم، يضاهون قول الذين كفروا من قبل، قاتلهم الله انى يؤفكون

لیکن اے اقوام یورپ! اے دردانہ قافلہ انسانیۃ! اے امثال درندگی و سبعیت! اے مجمع وحوش وکلاب!! ظلم وعدوان تابکے؟ اور خون وخونریزی تاچند؟ کب تک انصاف ظلم سے اور روشنی تاریکی سے مغلوب رہے گی؟ تبریز میں تمہارے ہاتھوں انسانوں کی گردنیں سولی میں لٹک رہی ہیں، طرابلس کی

ریت پر اب تک اس جمے ہوئے خون کے ٹکڑے باقی ہیں۔ جو تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے ایک پیشرو نے بہایا، مراکش میں ان لاشوں کا شمار کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ جن میں سیکڑوں کو مٹی کے بوجھ کی جگہ تمہارے گھوڑوں کے سموں کی پامالیاں اور تمہارے جنگی بوٹوں کی ٹھوکریں نصیب ہوئی ہیں۔

یہ تمہارے تمام خبائث شیطانی دنیا کے لئے تہذیب و تمدن کی رحمت، اور امن اور صلح کی برکت ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آٹھ سو اطالین قیدی (عزیزیہ) اور (طبروق) کے صحرائی قبائل کی قید میں دن میں پانچ مرتبہ اس غذا سے بہتر غذا کے سامنے بٹھائے جاتے ہیں۔ جو فوج طرابلس کے عام افسر کو نصیب ہوتی ہے، اور عین اس وقت جبکہ نخلستان طرابلس میں مسلمانوں کے شیر خوار بچوں اور خانہ نشین عورتوں کا قتل عام کیا جاتا ہے، ڈیڑھ سو سے زیادہ اطالین قیدیوں کو (شاعت لے) خاص اپنا خیمہ دے دیتا ہے، کیونکہ وہ ریگستان کی گرد اور تپش کے عادی نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں، لیکن پھر بھی اسلام اور اسلام کے محافظ ترک، وحشت و بربریت کا پیکر ہیں، اور صرف تہذیب و شائستگی کی تکمیل کے لئے ان کو مٹا دینا چاہیئے۔!!

پس اے برادرانِ ملت! جس "پان اسلام ازم" کو یورپ پیش کر رہا ہے، اگرچہ اس کے وسائل آفریں دماغ سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں۔ مگر اس سے بربریت کی بے فائدہ کوشش نہ کیجئے۔ جس چیز کو آپ اپنی بربریت میں پیش کریں گے، اس سے وہ بے خبر نہیں ہے۔ آپ اپنی بربریت کے اظہار میں آج کل کے ملاحدۂ مسلمین کی طرح خواہ اپنی جنس اسلامی کو جنس مغربی سے کیوں نہ بدل لیں۔ لیکن وہ کبھی "پان اسلام ازم" سے اپنے تئیں بے خطر نہ دکھلائے گا۔ کیونکہ وہ دانستہ آپ کی ایک اصلی مدافعانہ قوت اتحادی کو اس طرح فنا کر دینا چاہتا ہے، آپ انکار کریں یا اقرار، دونوں حالتوں میں اس کا سلوک یکساں ہو گا۔

مثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث ، او تترکہ یلہث ۔

اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس کو اگر دتکار دو، جب بھی زبان باہر لٹکاتا رہے گا ، اور اگر اس کو چھوڑ دو، جب بھی زبان ہلاتا رہے گا ۔

کاش مسلمانوں میں پان اسلام ازم ہوتا

مسلمان "پان اسلام ازم" کے نام پر استغفار پڑھ رہے ہیں ۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اے کاش آج مسلمانوں میں "پان اسلام ازم" کا وجود ہوتا ۔ وہ پان اسلام ازم" جس کو ترکی یا انگلستان کے مسلمانوں کی کسی خفیہ کمیٹی کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے ، روزِ اول سے اس کی ہم کو دعوت دی گئی ہے ۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا ۔

ایک دین الٰہی کی رسی سب مل کر پکڑ لو، اور آپس میں متفرق نہ ہو!

اگر پان اسلام ازم" کا اصلی وجود ہوتا، تو کیا ممکن تھا کہ ہمارے سامنے ایران پر قیامت گزر جاتی، مراکش کا خاتمہ ہو جاتا ۔ طرابلس میں مسلمانوں کی لاشیں تڑپتیں ۔ اور ہمارے قلوب میں کوئی حقیقی حرکت پیدا نہ ہوتی؛ روضہ مبارک حضرت امام رضا علیہ السلام کی دیواریں ملاعنۂ روسیا کی گولہ باری سے گر گئیں ، برقہ کی مسجدوں کے میناروں پر اٹلی کے مشرکین و مریم پرست چڑھ گئے ۔ تاکہ عین اس مقام پر جہاں خدائے واحد کی تقدیس و تسبیح کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں ، رومن کیتھولک بت پرستی کا علم نصب کریں ۔ لیکن مجھ کو بتلاؤ کہ کتنے ہندوستان میں مسلمان ہیں، جن کے دلوں میں زخم لگے ، اور کتنے ہیں، جن کے جگر میں ٹیس اٹھی ؟

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب اسلام و ایمان

سچ یہ ہے کہ ہم اپنے اصلی "پان اسلام ازم" کو کھو چکے ہیں۔ اور یہی علت حقیقی اسلام کے اصلی ضعف اور انحطاط کی ہے۔ مگر چونکہ اس کا تیج اب بھی ہم میں موجود ہے۔ گو برگ و بار نہیں۔ اس لئے یورپ چاہتا ہے کہ اس طرح کے انتشارات سے سہما اور ڈرا کر ہم کو آئندہ کی ہوشیاری اور بیداری سے بھی باز رکھے، اور رہی سہی اتحادی قوت کا بھی اس کی نشوونما سے پہلے خاتمہ کر دے۔

مسئلہ مسلم یونیورسٹی اور مسئلہ بقائے اسلام

اے حضرات! یاد رکھیے کہ آج اسلام کے لئے مسلمانوں کی کوئی وطنی اور مقامی تحریک سودمند نہیں ہو سکتی اور اس کشتی کے تیرنے کے لئے اصلی (نہ کہ یورپ کے اختراعی) "پان اسلام ازم" کے سوا کوئی اور بادبان نہیں ہے، ایک قوم جو ریگستان عرب سے دیوار چین تک آباد ہے، انھیں کو زمین کے کسی خاص ٹکڑے کا تغیر کیا فائدہ پہونچا سکتا ہے؟

جس قدر مقامی کوششیں آج عمل میں آرہی ہیں، خواہ وہ مصر میں ہوں یا ترکی میں۔ الجزائر میں ہوں یا اس تیرہ زار ہند میں، میرے عقیدے میں یہ سب کچھ کاہن شیطان کا ایک عمل السحر ہے، جو اس لئے سلاتا ہے، کہ سونے والوں کا اٹھنا اسے پسند نہیں۔ میں نے کہا کہ ہم میں سچا "پان اسلام ازم" یا بالفاظ اصلی رشتہ اخوت دینی باقی نہیں رہا، لیکن کیونکر باقی رہے جبکہ ہندوستان میں ایسے عظیم الشان اشغال ہمارے لئے موجود ہیں، جو نفس اسلام کے بقا سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ہم غریب ترکوں یا ایرانیوں کی کیونکر خبر لیں؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ہمیں (علیگڑھ) میں ایک یونیورسٹی بنانی ہے اس کے لئے تیس لاکھ روپیہ جمع کرنا ہے یہ مانا کہ دنیا کی کوئی سرزمین ہے، جہاں خود اسلام کے بقا و فنا کا سوال درپیش ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ "مسلم یونیورسٹی"

ہمارے قومی مقاصد کا اصلی نصب العین، کعبۂ علی گڈھ کے شب زندہ داران عبادت کی چہل سالہ تہجد گذاری کی مراد و آرزو، اور ہمارے رہنمائے اول کی دی ہوئی شریعت تعلیم کا یوم تکمیل ہے۔ جس دن یونیورسٹی بن جائے گی اس دن الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا کی وحی اسٹریچی ہال کی چھت پر نازل ہوگی ترکوں کی ہمدردی اور ایرانیوں کی مصیبت پر ادائے فریضۂ تشکر کے بعد ایک ریزولیوشن پاس کر دیا جائے گا، مگر افسوس یہ سلامت: کیجیے کہ کمبخت طرابلس کے جھگڑے سے یونیورسٹی کے چندے میں فرق پڑ گیا!! اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ، فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین

اے عزیزان ملت! قوموں اور ملکوں کی زندگی کا نہیں بلکہ اسلام کی زندگی کا سوال ہے۔ فرض کیجیے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے سارے منصوبے پورے کر لیے، اور ان کا ہر فرد تعلیم اور دولت کا ایک مرکب طلائی بت بن گیا۔ لیکن اگر سرے سے خود اسلام کی سیاسی طاقت ہی پہ چھری چل گئی، تو پھر علی گڈھ میں یونیورسٹی ہی نہیں، بلکہ چاندی اور سونے کی بہشت شداد بھی بن جائے۔ مگر اس کے حور و غلمان کس کا ترانہ گائیں گے؟

السیف اصدق انباء من الکتاب

اے اخوان عزیز! یاد رکھیے کہ دنیا میں امن، صلح اور ترک قتل و غارت کا تصور کتنا ہی خوشنما ہو۔ مگر دنیا کی بدقسمتی سے اب تک اصلی قوت تلوار کی قوت، اور زندگی کا سرچشمۂ آب حیات خون کی ندیوں اور فواروں ہی میں ہے۔ دنیا پر اب تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا ہے کہ تلوار کی صداقت ضعیف ہوئی ہو۔ اور امید نہیں کہ آئندہ بھی کبھی ایسا زمانہ نصیب ہو۔ غریب اخلاق نے ہمیشہ اپنے تنگنائے بیکسی میں چھپ کر کسی ایسی دنیا کی منتیں مانی ہیں جبکہ تمام کائنات انسانوں کی جگہ ملائکہ معصومین کی بہشت زار بن جائے گی۔

اور قتل وخون ریزی کو لوگ اس طرح بھول جائیں گے۔ جس طرح موجودہ عالم نے امن اور صلح کو فراموش کر دیا ہے۔ اس آرزو کے حسن وجمال پر کون دل ہے، جو فریفتہ نہیں ہوگا۔ لیکن کیا کیجئے کہ دنیا امید وآرزو کی نہیں بلکہ حقائق ونتائج کی جگہ ہے۔ اور انسان جب تک فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے اس وقت تک ایسی امیدوں کا اخلاق کے صفحوں سے باہر پتہ لگنا ممکن نہیں آج اگر پوچھا جائے کہ قوموں کی زندگی اور زندگی کے مظاہر کہاں تلاش کئے جائیں؟ تو اس کا جواب علم وفن کی بڑی بڑی درسگاہوں اور علوم اولین والاخرین کے کتب خانوں میں نہیں ملے گا۔ بلکہ ان آہن پوش جہازوں کے مہیب طول وعرض سے، جن کی قطاریں ساحل کے طول میں پھیلی ہوئی اور جن کے روزنوں سے انسان پاش توپوں کے دہانے نکلے ہوئے ہیں۔

پس حضرات! وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے، جس میں صلح کا سفید جھنڈا لہرا رہا ہو، مگر زندہ وہی رہ سکتا ہے، جس میں خونچکاں "تلوار کا قبضہ ہو۔ یہی اقوام کی زندگی کا منبع، قیام عدل ومیزان کا وسیلہ، انسانی سبعیت ودرندگی کا بچاؤ، اور مظلوم کے ہاتھ میں اس کی حفاظت کی ایک ہی ڈھال ہے۔

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط، وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس،

اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، اور ان کو کتاب اور میزان دی، تاکہ لوگ عدل وانصاف پہ قائم ہوں۔ اور نیز لوہا پیدا کیا (جو ہتھیاروں کی شکل میں سخت خطرناک بھی ہے۔ اور نفع رساں بھی۔

اسلام کی پولٹیکل طاقت کا مرکز وحید

مسلمان یاد رکھیں کہ آج صرف ایک ہی تلوار ہے، جو دین الٰہی کی حمایت میں بلند ہو سکتی ہے، اور وہ صرف آل عثمان کی مقدس شمشیر خلافت ہے۔ یہ اسلام کے گذشتہ قافلۂ جہاں باری کا آخری نقش قدم، اور ہمارے آفتاب اقبال کی آخری شعاع امید ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہمارا ترکوں سے رشتہ محض اخوت دینی ہی کا نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی مقدم تر رشتہ "خلافت اسلامیہ" کے دینی احترام کا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی قوم بغیر کسی سیاسی مرکز کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور اسلام کا کوئی مرکز سیاسی اگر ہے تو صرف خلافت آل عثمان ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہو، اگر اس کا فرض دینی ہے کہ اسلام کے بقا کا خواستگار ہو، تو یہ بھی فرض دینی ہے کہ خلافت آل عثمان کے تعلق کو ایک خالص دینی رشتے کی طرح اپنے دل میں محفوظ رکھے اور دنیا کی جو حکومت اس کی دشمن ہو، اس کو اسلام کا دشمن، اور جو اس کی دوست ہو، اس کو اسلام کا دوست یقین کرے۔ کیونکہ مسلمانوں کی دوستی اور دشمنی، انسانی اغراض کے لئے نہیں بلکہ صرف دین الٰہی کے لئے ہے۔

مسلمانان ہند کی نسبت بار بار سیاسی حلقوں میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے کسی اسلامی حصے کے واقعات سے اس درجہ متاثر نہیں ہوتے، جس قدر ترکی کے حوادث و حالات سے۔ اگر محض رشتۂ اخوت اور اشتراک مذہب ہی اس اثر پذیری کی علت ہے، تو اس میں ترکوں کی خصوصیات کیا ہیں؟ بہت سے لوگ ہیں جو اس واقعی ضروری سوال کے جواب میں یا تو نفاق سے کام لینا چاہتے ہیں یا کفر سے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کیلئے بہتر راہ اسلام کی ہے۔ مسلمانوں کو بغیر ادنیٰ تامل کے صاف صاف اس سچے سوال کا سچا جواب دے دینا چاہیئے۔ تمام

دنیا کے مسلمانوں سے ہمارا صرف ایک ہی رشتہ ہے، دینی اخوت اور "یاران اسلام ادم" کا، مگر ترکوں سے ہمارے دو رشتے ہیں، پہلا اخوت دینی کا کہ وہ بھی مسلمان ہیں۔ اسی لئے خدا نے ہم کو ہمیشہ کے لئے ان کے رنج وراحت کا شریک بنا دیا ہے۔ دوسرا اس سے بھی قوی تر رشتہ خلافت دینی اور اسلام کے آخری سیاسی مرکز ہونے کا، کہ آج کلمہ اسلام کی حفاظت کی آخری تلوار صرف ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کسی اور حصے سے اسلام کی حکومت مٹتی ہے، تو ہم روتے ہیں۔ کہ ہمارا ایک عضو کٹ گیا، لیکن ترکوں پر جب کوئی آفت لائی جاتی تھی، تو تڑپ جاتے ہیں کہ ہمارا دل دو نیم ہو گیا ہم جب ترکوں کے لئے مضطرب ہوتے ہیں، تو ہمارا اضطراب مسلمانوں کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کے لئے ہوتا ہے۔

حضرات!

وہ قوم جس کا ظہور تیرہ سو برس ہوئے "مکہ" نامی ایک جزیرہ نما سے ہوا تھا۔ اور جو مسلم کے لقب سے پکاری جاتی ہے، اس کا عقیدہ تو یہی ہے، جس کو میں نے بیان کیا، لیکن بدبختی سے ایک دوسری قوم بھی ہم میں موجود ہے، جو اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی دنیوی عزت و شوکت کا جوا کھیلا ہے۔ اور اس کے لئے ملت مظلوم کو ایک بازیچہ بنا لیا ہے۔ ہوائے نفس جن کا الٰہ ہے، حکام و امرا، جن کے معبود ہیں درہم و دینار جن کا قبلہ ہے۔ غلامی و تعبد جن کی شریعت ہے، جو قریش مکہ کے صامت و ساکن بتوں کی جگہ سمندر پار سے آئے ہوئے متحرک بتوں کو پوجتے ہیں، جو وحی الٰہی کی جگہ سمائے شملہ سے اترے ہوئے "احکام و فرمان کو اپنی کتاب و سنت یقین کرتے ہیں، اور جن کے قلوب "اصابع الرحمٰن" کی جگہ اصابع الشیطان" میں ہیں۔ (یقلبہا کیف یشاء) غرضیکہ الذین یستحبون الحیاۃ الدنیا علی الاخرۃ،

ویصدون عن سبیل اللہ، ویبغونہا عوجا، اولٰئک فی ضلال بعید

تو اے حضرات! اس قوم کے عقیدے میں "پان اسلام ازم" یا اسلام کا بین الملی اتحاد" ایک کفر صریح ہے۔ خلافت اسلامی کوئی شے نہیں، ان کو اپنی "خلافت راشدہ" کے سوا اور کسی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اگر ایسا کریں تو فرض اطاعت اولوالامر کی خلاف ورزی کے مجرم۔ ترکی فتح پر تبریک و تہنیت کا تار دینا داخل "خفیفۂ الحرکتی" اور بغیر ان کے معبودانِ کونین کی اجازت کے قطعاً حرام و معصیت، یہ لوگ یورپ کے ان شیاطین سیاست کے ہاتھ میں جو خلافت اسلامیہ کے بین الملی اثر کے مٹانے کے لئے تیس برس سے اپنا مشن پھیلا رہے ہیں، ایک آلۂ عمل رہے ہیں۔ اور ہمیشہ دنیا کو اس کا یقین دلایا ہے کہ مسلمانان ہند کو خلافت اسلامی اور ترکوں کے بقاء و فنا سے کوئی تعلق نہیں۔

حالانکہ جس وقت اپنے معبودانِ باطل کے آگے ان لوگوں کی زبان و قلم سے یہ جملے نکل رہے تھے۔ یقین کیجئے کہ اس وقت اللہ اور اس کے ملائکہ کی لعنت اور پھٹکار ان پر نازل ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس طرح بے تعلقی ظاہر کر کے یہ اس رشتے کو کاٹ رہے تھے جس کو خدائے ابراہیم و محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) نے تمام دنیا میں قائم کر دیا ہے۔ اور گویا اس پر اپنی رضا و مسرت ظاہر کرتے تھے کہ وہ لاکھوں مسلمان جو اس آخری وقت میں کلمہ توحید کی حفاظت کر رہے ہیں صلیب پرستوں کی تلواروں سے فنا کر دیئے جائیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کی اذیت پر خوش تھے اور مسلمانوں کی اذیت پر خوش ہونا عین اللہ اور اس کے رسول کی اذیت پر خوش ہونا ہے

ان الذین یوذون اللہ   جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ

ورسولہ، لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذاباً مھینا۔

کو اذیت دیتے ہیں، دنیا اور آخرت میں اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے ایک ذلت بخش عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اب زمانے نے پلٹا کھایا ہے۔ زمین اور آسمان، دونوں طرف سے تازیانہ ہائے عذاب ان پر پڑ رہے ہیں، اس لئے گو دل نہ ملے ہوں۔ مگر زبانیں کچھ کچھ ملنے لگی ہیں۔ اب ترکوں سے اس قدر بے مہری ظاہر نہیں کی جاتی۔ خلافت اسلامی کا نام آتے ہی اس سے انکار تبری کے تار "پانیر" میں نہیں بھیجے جاتے، مدت سے کوئی پمفلٹ بھی مسئلہ خلافت پر شائع نہیں کیا گیا ہے۔ رزدلیوشنوں کے پاس کردینے سے بھی چنداں انکار نہیں ہے۔ بعض اصحاب کی تو بظاہر اس درجہ قلب ماہیت ہو گئی ہے کہ علانیہ ترک مجروحین کے لئے چندے میں بھی شرکت کر رہے ہیں۔ تاہم ہم کو معلوم ہے کہ اس انقلاب حالت کی اصلی علت کیا ہے؟ اور ان کے ظاہر اور باطن میں باہم کیا ربط ہے؟

واذا لقوا الذین امنوا، قالوا امنا، واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون۔

یہ منافق جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، لیکن جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ دل سے تو ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ظاہری کارروائیاں جس قدر ہماری ہیں وہ ایک تمسخر و دل لگی سے زیادہ نہیں۔

اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون۔

اے اخوان ملت! آج وقت آگیا ہے کہ دلوں پر سے پردے اٹھ جائیں۔ اور کفر اور ایمان میں تمیز ہو جائے۔ یقین کیجئے کہ یہ ایک سب سے بڑی اور شاید آخری

ابتلائے عظیم ہے، جو صرف اس لئے ہے کہ اللہ مدعیان ایمان کو آزمانا چاہتا ہے۔

ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین منکم۔

اور اللہ تم کو آزمائے گا، یہاں تک کہ سچے مجاہد اور صابر، جھوٹوں سے الگ ہو جائیں۔

آج وہ دن آ گیا ہے۔ جب مسلمانوں کے دل پہلوؤں کی جگہ ان کے چہروں پر آ جائیں گے۔ جب کہ یا تو دلوں کی سیاہی سے ان کی پیشانیاں بھی تاریک ہو جائیں گی۔ یا دل کی ایمانی روشنی ان کی پیشانی پر چمکنے لگے گی۔

یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون، واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خالدون۔

وہ دن، جب کہ یا تو چہرے چمک اٹھیں گے۔ یا سیاہ پڑ جائیں گے۔ پھر جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے، وہ، وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد انکار کیا۔ اور ان کے لئے وہی عذاب ہو گا جس سے وہ انکار کیا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں کے چہرے چمکنے لگیں گے، ان کے لئے اللہ کی رحمت کا آشیانہ ہو گا۔ جس میں ہمیشہ کے لئے ان کو جگہ مل جائیگی۔

یاد رکھیئے کہ خدا تعالیٰ اپنے کلمہ توحید کی حفاظت کے لئے ہم مسلمانوں کی اعانت کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اسلام میں کتنی قومیں آئیں۔ اور اپنی اپنی باری سے اسلام کی حفاظت کا فرض ادا کر گئیں۔ اگر اس آخری آزمائش میں بھی ہم پورے نہ اترے، تو کیا عجب ہے کہ قدرت الٰہی اپنے دین مبین کی حفاظت کے لئے دوسروں کو چن لے، اور ہم کو اسی طرح اپنے

دروازے سے مطرود و مردود کر دے۔ جس طرح ہم سے پہلے بہت سی قومیں ہو چکی ہیں۔

یا ایہا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید ان یشاء یذھبکم ویات بخلق جدید وما ذالک علی اللہ بعزیز

اے لوگو! تم اللہ کے دروازے کے فقیر و سائل ہو، اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے، اور ایک دوسری مخلوق پیدا کر دے۔ اور اس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

اللہ کے عجائب کاروبار قدرت کے یہ تماشے پہلے ہی دن سے رہے ہیں، کیا نہیں دیکھتے کہ اس نے مکہ کی سرزمین کو سرزمین محبوبیت کا شرف عطا فرمایا اور قریش مکہ کو اپنے نور رسالت کا حامل بنایا۔ لیکن جب انھوں نے اس احسان الٰہی کی قدر نہ کی، تو غیرت الٰہی نے کہا کہ وہ اپنے کاموں کی تکمیل کیلئے کچھ سرزمین مکہ ہی کا محتاج نہیں ہے۔ دین حق کی امانت کے لئے مدینے والوں کو بھیج دیا۔

یا ایہا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ

اے مسلمانوں! تم میں سے کوئی دین الٰہی سے منہ موڑے گا تو اللہ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں، وہ ایسے لوگوں کو موجود کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے گا۔ اور وہ اس کو دوست رکھیں گے۔

الی الجہاد فی سبیل اللہ

اے اخوان عزیز! میں جس چیز کے اعلان سے نہیں ڈرتا، تعجب ہے اگر آپ اس کی سماعت سے خوفزدہ ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ہر اس

مومن پر جو اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتا ہے، فرض ہے کہ آج جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اٹھ کھڑا ہو، سب سے پہلا جہاد اس کے لئے جہاد مال ہے، اور اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو جہاد نفس وجان۔ مال و متاع کو بھیج دو۔ اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر تیار رکھو! آج اگر ضرورت پیش نہ آئی تو کیا مضائقہ، کل کو کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی، یہ متاع ایسی نہیں، جس کی تیاری بے کار جائے۔

بطاعت کوش گر عشق بلا انگیز مے خواہی
متاع جمع کن، شاید کہ غارت گر شود پیدا

مسلمانو! یاد رکھو کہ اوروں کی جانیں، ان کے قبضوں میں ہوں گی، مگر ہم مسلمانوں کی جانیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اسلام ایک خرید و فروخت ہے، جو ناقص کو لیتا ہے اور کامل کو دیتا ہے۔ فنا کو خریدتا ہے اور بقا اس کی قیمت میں دیتا ہے۔ ہم نے جس وقت اقرار کیا کہ ہم مسلم ہیں، اسی آن اس کا بھی اقرار کر لیا کہ ہماری جانیں اسلام کے ہاتھ بک گئیں۔ اسلام کے معنی ہی یہی ہیں کہ خدائے واحد کے آگے اپنی گردنوں کو جھکا دینا۔ پھر خواہ وہ اسے دوستوں کی گود میں ڈال دے، یا دشمنوں کی تیغ کے سپرد کر دے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ جب حضرت ابراہیم نے حکم الٰہی کے آگے سر جھکا دیا۔ اور حضرت اسمٰعیل کی گردن قربان ہونے کے لئے مستعد ہو گئی، تو اس وقت فرمایا۔

فلما" اسلما" وتلہ للجبین وناديناه ان یا ابراھیم قد صدقت الرویا، انا کذالك نجزی المحسنین۔

پس جب وہ دونوں (مسلم) ہوئے اور ابراہیم نے اسمٰعیل کو پیشانی کے بل زمین پر گرا دیا، تا کہ ذبح کر دے، تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم (بس کرو) تم نے اپنا خواب پورا کر دکھایا۔

خدا نے باپ کے ارادے، اور بیٹے کی جان کی قربانی کو "اسلما" کے لفظ سے تعبیر کیا کہ فی الحقیقت اصلیت اسلام یہی ہے۔

عزیزہ جان دینا تو اسلام کا وہ پہلا عہد ہے، جس کے بغیر وہ کسی کا ہاتھ ہی اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا۔!

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ	بیشک اللہ نے مومنوں کے فانی جان و مال کو خرید لیا ہے۔ تاکہ اس کی قیمت میں جنت کی باقی اور دائمی زندگی عطا فرمائے۔

اے عزیزان غیور! مال و متاع دنیوی کا جو حال ہے۔ وہ کس کی نظر سے پوشیدہ ہے؟ کون ہے جس نے اپنی زندگی میں دولت و جاہ کے فنائے عاجل کے دو چار تماشے نہیں دیکھے ہیں؟ رہی جان، تو وہ بھی ایک ایسی جنس فانی ہے، جو رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے ہی کے لئے ہے۔ آپ دیں یا نہ دیں، لینے والا ایک دن لے کر ہی چھوڑے گا۔ پھر جو چیز رائیگاں جانے والی ہی ہے۔ اگر اسے دے کر مفت کا احسان اپنے دوست کے سر رکھ سکیں، تو اس سے بڑھ کر اور کون سا سودا ہو سکتا ہے؟

جاں بجاناں دہ، وگرنہ از تو بستاند اجل
خود تو منصف باش ای دل ایں بکن یا آں بکن

یا ایھا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض، ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من	اے مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں نکل کھڑے ہو، تو تم زمین پر ڈھیر ہو جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر ہی قناعت

الاخرة ؛ فما متاع
الحياة الدنيا في الاخرة
الا قليل ۔ الا تنفروا
يعذبكم عذابا
اليما، ويستبدل
قوما غيركم ولا تضروه
شيئا ۔ ان الله على
كل شيئ قدير۔

کرلی ہے؟ اگر یہی بات ہے تو یاد رکھو کہ
آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلے میں
دنیا کا مال و متاع بالکل ہیچ ہے۔ اگر تم
صدائے جہاد سن لینے کے بعد بھی خدا کی
راہ میں نہ نکلو گے، تو خدا تم کو ذلت اور
اسیری و غلامی کے عذاب دردناک میں
مبتلا کرے گا، اور تمہارے بدلے دوسرے
لوگوں کو دین مبین کی مدد کے لئے مستعد
کردے گا۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔
وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن نے کیا راہنمائی کی ہے؟

اسوۂ ابراہیمی

ایں رہ منزل قدس است بیندیش و بیا
میل ازیں راہ خطا باشد ہیں تا نکنی !

بابل کے آثار قدیمہ نے جو ابھی حال میں برآمد ہوئے ہیں۔ علمائے اثریات (ARCHAEOLOGIST) کی توجہ کو موجودہ صدی سے ہٹا کر آج سے تیس صدی پیشتر کی جانب پھیر دیا ہے۔ جبکہ عرفہ کی ایک کمزور مخلوق نے سیّاروں کے طلوع و غروب سے خدا شناسی کا سبق لیا تھا۔ اور ایک سیارہ پرست قوم کو ظلمات کفر سے روشنی میں لانے کی کوشش کی تھی۔

دنیا نے اپنے ابتدائی عہد میں ایک زمانہ وہ بھی دیکھا ہے۔ جب انسانی تمدن کی بدیع المثل ترقی نے قدرت اور بندوں میں کوئی حدِ فاصل باقی نہیں رکھی تھی۔ قدرت کے صدہا راز آشکارا ہو چلے تھے۔ اور جس قدر حیرت انگیز قدرتی طاقتیں مخفی تھیں انسان نے تقریباً سب سے کام لینا سیکھ لیا تھا۔

آگ، پانی، ہوا، مٹی کوئی چیز ایسی نہ تھی۔ جس پر انسان نے حکومت نہ کی ہو۔ سیارۂ زمین کی عنانِ اختیار گویا ہاتھ میں تھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ فضاء محیط کے کروں اور سیاروں کو بھی ایک طرح سے اپنا بنا لیا تھا۔ اور اپنی ضروریات میں ان کی مہیب طاقتوں سے بھی نہایت آسانی و سہولت کے ساتھ فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔

نقولا تسلا (نکولس ٹازلے) کو ہنوز مریخ کی آبادی سے تعلقات پیدا کرنے

میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن تاریخ کو اس ابتدائی زمانے کے علمی وعملی ترقی پر حیرت ہے کہ زمین والے آسمان تک پہنچ گئے تھے۔ اور آسمانی آبادی سے جو چاہتے تھے کام لیتے تھے۔! بستیاں بساتے، شہر کے برج بناتے۔ تو اُس کا قبہ آسمان تک پہونچا دیتے۔ سیر گاہیں اس شان کی ہوتیں کہ مکانات ہیں۔ عمارتیں ہیں۔ محل سرائیں ہیں۔ آبادی ہے، اور اوپر نظر اُٹھاؤ تو ایک وسیع اور بہت ہی وسیع باغ آویزاں ہے۔ شہر میں آیند و روند کی چہل پہل ہے۔ سڑکیں ہیں گاڑیاں ہیں۔ دوکانیں ہیں۔ اور اوپر دیکھئے تو ایک عظیم الشان دریا لہریں مار رہا ہے!!

یہ عجیب وغریب مدنیت کلدانیوں کی تھی۔ جو ارض عراق کے فرمانروا تھے۔ جن کی جلالت کا یہ عالم تھا کہ تورات کے پیغمبر بھی انھیں عشر (محصول دریک) دیتے تھے۔ اور اُن کے قانون سے تالیف تورات میں مدد لیتے تھے۔

وسائل تمدن کی فراہمی و فراوانی ایک عالم کو سرکش بنا چکی ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی۔

ایک ذرا سی ملکی ومالی عظمت، جو انسان کو انسانیت سے گذار دیتی ہے جو اس قدر مغرور بنا دیتی ہے کہ لنڈن ٹائمس کے صفحات پر زبان سیاست کو اس اعلان سے بھی باک نہیں ہوتا کہ "ایک معمولی انگریز سپاہی کے خون کے مقابلہ میں تمام ایرانی آبادی کی کچھ وقعت نہیں"! جو ایک با اختیار ملکہ کی حیثیت میں ایک غاصب وظالم و خونریز سلطنت کو انسانی قتل عام پر مبارکباد دیتی ہے۔ جو ایک فرمانروا سے یہ عصبیت ظاہر کراتی ہے کہ ایک ملک کو چند قومیں پامال کر چکی ہیں۔ اور اب اُسے مجبور کرتی ہیں کہ اس پامالی پر قانع ہو جائے۔ جس نے ۲۵ برس پہلے ایک وزیر اعظم کی زبان سے ایک ایسے ملک کا خون چوس لینے کی تلقین کرائی تھی۔ جو خود اُسی کا محکوم تھا جس پر اس کی ثروت کی بنیادیں قائم تھیں۔ جو اس کے تاج سلطنت کا درخشندہ گوہر مانا جاتا تھا۔ اور جس کے باشندوں نے اپنا ملک ومال خود اُس کے تصرف میں

دے کر، اسے مطلق العنان کر دیا تھا کہ

بھلا یا کیا ہے؟ میں ضامن، ادھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا؟

غرض کہ وہی عظمت جب اپنے انتہائی مظاہر میں نمایاں ہوں تو انسان میں کہاں تک سرکشی نہ آئے گی؟ مادہ کی الوہیت کلدانیوں پر چھا گئی تھی۔ خدا کو بھول گئے تھے۔ اور بندگانِ خدا کے ساتھ اسی ظلم اور زبردست آزاری کے ساتھ پیش آئے تھے۔ جو آج موجودہ تمدن کے مخصوصات نمایاں میں سے ہے۔

کلکتہ، بمبئی، برلن، اور لندن میں جس طرح عظمائے رجال کے جابجا بت نصب ہیں۔ اسی طرح کلدانیوں نے بے شمار مجسمے قائم کر رکھے تھے۔ اور اُن کی بے انتہا عزت کرتے تھے۔ چونکہ قدرت کو روئے زمین سے تاریکی مٹانی تھی۔ اس لئے اسی قوم اور اسی ملک سے ایک ایسے نامور اور عظیم الشان خداشناس کو اٹھایا۔ جس نے اس طلسم کی حقیقت واضح کر دی۔ اور کواکب پرست کلدانیوں پر ملکوت السموات والارض کے اسرار فاش کر دیئے!

یہ خداشناس ہستی، ابراہیم علیہ السلام ابن آزر (تارخ) کی تھی۔ جن کو توحید و صداقت کی دعوت و اشاعت میں سخت سے سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ملک کا ملک دشمن تھا۔ قوم کی قوم تشنۂ خون تھی۔ حکومت اپنی پوری طاقت سے مقاومت کو آمادہ تھی۔ ایک زمانے نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس خداپرست مخلوق کو آگ کے حوالے کر کے رہیں گے — باایں ہمہ اُن کے عزم و استقلال کا یہ عالم تھا کہ بقول مسیحی مؤرخ (مارگری گوری ابوالفرج ملطی) کے انھوں نے تن تنہا کلدانیوں کے بت خانے میں آگ لگا دی (مختصر الدول۔ صفحہ ۲۱) اور اتنی بڑی مہم انجام دینے پر بھی کوئی

زبردست طاقت اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ وہ بقول "تورات" عراق سے ترک وطن کر کے صحیح وسلامت اُس ملک میں چلے گئے۔ جہاں خدا نے اُن کو برکت دینے اور انھیں ایک بڑی قوم بنانے کا وعدہ کیا تھا" (تکوین۔ ۱۲×۱۔۵)

یہودیوں کی مقدس کتاب (تلمود) میں یہ واقعات شرح و بسط سے مذکور ہیں۔ جن کو قرآن کریم نے اور زیادہ پھیلا کر بیان کیا ہے۔ سورۂ انبیا میں ہے۔

ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہٗ من قبل وکنا بہٖ عالمین۔ اذ قال لابیہ وقومہ ماھٰذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون ۝ قالوا وجدنا اٰباءنا لھا عابدین، قال لقد کنتم انتم واٰباؤکم فی ضلٰل مبین قالوا اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین قال بل ربکم ربّ السمٰوٰت والارض الذی فطرھن وانا علیٰ ذٰلکم من الشاھدین وتاللّٰہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین فجعلھم جذٰذًا الا کبیرا لھم لعلھم الیہ یرجعون قالوا من فعل ھٰذا باٰلھتنا انہ لمن الظٰلمین قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم، قالوا فاتوا بہ علیٰ اعین الناس لعلھم یشھدون قالوا ءانت فعلت ھٰذا باٰلھتنا یا ابراھیم قال بل فعلہ کبیرھم ھٰذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون فرجعوا الی

حضرت ابراہیم کو ہم نے ابتداءِ عمر ہی سے فہم سلیم اور درجۂ رشد و حکمت عطا فرمایا تھا۔ اور ہم اس سے اچھی طرح واقف تھے۔

دعوتِ الٰہی کے اُس مقدس وقت کو یاد کرو۔ جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ "یہ پتھر کی مورتیں جن کی پرستش پہ تم جمے بیٹھے ہو، کیا ہیں؟" انھوں نے کہا: "اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے کہ اپنے بڑوں کو ان کی پرستش کرتے دیکھتے آئے ہیں"۔ حضرت ابراہیم نے کہا: "پس یقیناً تم اور تمہارے بڑے دونوں صریح گمراہی میں پڑے رہے"۔ اس پر انھوں نے کہا: "یہ جو تم کہہ رہے ہو، کیا واقعی یہ تمہارا کوئی حقیقی خیال ہے۔ یا محض دل لگی کر رہے ہو؟" انھوں نے جواب دیا کہ "دل لگی کی اس میں کیا بات ہے؟ یہ تو اصلی

انفسهم فقالوا انكم انتم الظالمون
ثم نكسوا على رؤسهم، لقد علمت
ما هؤلاء ينطقون. قال افتعبدون
من دون الله ما لا ينفعكم شيئا
ولا يضركم؟ اف لكم ولما
تعبدون من دون الله، افلا
تعقلون؟ قالوا حرقوه وانصروا
الهتكم ان كنتم فاعلين،
قلنا يا نار كوني بردا وسلاما
على ابراهيم؎ وارادوا به
كيدا فجعلنٰهم الاخسرين
ونجينٰه ولوطا

حقیقت ہے کہ وہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ وہی تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں اپنی بصیرت اور یقین سے اس پر شہادت دیتا ہوں"

ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہدیا کہ میں بخدا ضرور بالضرور تمہارے ان بتوں سے تمہارے جانے کے بعد ایک چال چلوں گا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم لوگوں کے جانے کے بعد بُت خانے میں گئے۔ اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

جب لوگ آئے اور یہ حال دیکھا تو لگے آپس میں کہنے کہ ہمارے معبودوں کیساتھ کس نے یہ

؎ حضرت ابراہیم کے حق میں آگ کیونکر برد و سلام (ٹھنڈک اور سلامتی) بن گئی تھی؟ مفسرین نے اس باب میں بہت سی توجیہیں کی ہیں۔ ابو مسلم محمد بن بحر اصبہانی کا قول ہے "قلنا یا نار کونی بردا وسلاما المعنی انه سبحانه جعل النار بردا وسلاما لا ان هناك كلاما، كقوله ان يقول له كن فيكون" (تفسیر کبیر جلد ۶ ۔ صفحہ ۱۵۱) یعنی قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ: "ہم نے کہا اے آگ ابراہیم کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے آتش افروز اور فتنہ گر کلدانیوں کی آگ سے حضرت ابراہیم کا کچھ نقصان نہ ہونے دیا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔ اس کی نظیر کن فیکون والی آیت ہے جس کے معنی یہ بتلائے جاتے ہیں کہ خدا نے پیدا ہونے والے عالم کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ ہوجا۔ وہ ہوگیا۔ یہاں بھی کچھ لفظوں میں یہ حکم نہیں ملا تھا۔ اور نہ خدا نے واقعی گفتگو کی تھی۔ بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ارادۂ الٰہی ظہور عالم سے متعلق ہوا اور اسی مشیت کے مطابق موزوں و مناسب طریق پر اُس کی تکوین ہونے لگی۔

الی الارض التی بارکنا
فیھا للعالمین
(۲۱ - ۷ - ۴ - ۶۳)

گناہ کی؟ جس شخص نے ایسا کیا یقیناً وہ بڑا ظالم تھا۔ اس پر بعضوں نے کہا کہ وہ نوجوان جسے ابراہیم کے نام سے پکارتے ہیں ان بتوں کا ذکر کر رہا تھا۔ ہو نہ ہو یہ اسی کی کارروائی ہے۔ لوگوں نے شور مچایا کہ اس کو یہاں سب کے سامنے پکڑ کے حاضر کرو تاکہ جو کچھ سوال و جواب ہو، اس کے لوگ گواہ رہیں۔

چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم کو لے کر آئے۔ اور ان سے پوچھا کہ "اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تو نے کی ہے؟" انھوں نے الزاماً کہا:-

"نہیں، بلکہ یہ بُت جو سب میں بڑا ہے۔ اسی نے کی ہوگی۔ انھیں سے پوچھ لو اگر وہ جواب دے سکتے ہیں"!!

اس دندان شکن جواب کو سن کر سب کے سب ششدر رہ گئے، اور اپنے دل میں اپنی گمراہی کے قائل ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ سچ ہے۔ تم ہی برسرِ ناحق ہو!

مگر بایں ہمہ سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے۔ وہ پھر اپنے سروں کے بل اوندھے گمراہی کے گڑھوں میں ڈھکیل دیئے گئے۔ اور حضرت ابراہیم سے کہنے لگے۔ کہ یہ تم نے کیا کہا۔ تم کو تو معلوم ہے کہ بت بولا نہیں کرتے۔

انھوں نے کہا:- پھر یہ کیا بدبختی ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو خود ہی مجبورِ محض ہیں؟ نہ کسی کو کچھ نفع پہونچائیں اور نہ نقصان؟ تف ہے تم پر اور تمہاری اُن چیزوں پر جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو! یہ کیا ہے کہ ایسی ظاہر اور کھلی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟؟

جب وہ لوگ حضرت ابراہیم سے عاجز آ گئے، تو اور تو کچھ نہ کر سکے بغیظ و غضب سے پاگل ہو کر آپس میں شور مچانے لگے کہ بس اگر کچھ کرنا ہے تو اس کا یہی کہ اس بے باک شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔ اور اس طرح اپنے معبودوں کی حمایت کرو!

جب کہ وہ یہ تدبیریں کر رہے تھے، تو ہم بھی اپنی تدبیروں سے غافل نہ

تھے۔ ہم نے اپنی قدرت کا اعجاز دکھلایا۔ اور کہا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ اور ابراہیم کے لئے سلامتی۔

انسانوں نے ہمارے داعی الی الحق کو نقصان پہونچانا چاہا تھا، پر ہم نے ان کو ناکام وخاسر کیا!!

بظاہر تو یہ ایک "قصہ" ہے، اور بدقسمتی سے اب تک اسی حیثیت سے اس پر نظر ڈالی گئی ہے۔ مگر غور کیجئے تو قرآن کریم نے اپنے انداز خاص میں ایک دفتر معارف کھول دیا ہے۔ جس کے ایک ایک لفظ کے اندر صدہا رموز اخلاق و سیاست اور حقائق و نوامیس اصلاح و دعوت پوشیدہ ہیں۔ مہلت ملے تو اس واقعہ کے ایک ایک ٹکڑے پر ایک ایک مقالہ مستقل طور پر لکھنا چاہیئے۔ سردست صرف چند مناسب وقت اشارات آپ کے سامنے ہیں۔

فکر و تدبر سے کام لیجئے تو اس واقعہ سے چند خاص نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) جس ملک میں ظلم عام ہو گیا ہو، خدا اور بندوں کے حقوق سرکشی تعدی و تطاول ہو رہے ہوں۔ شرک جیسے ظلم عظیم کے ارتکاب میں باک نہ ہو، اللہ کو چھوڑ کر دوسری طاقتوں اور انسانی قوتوں کے آگے لوگ سربسجود ہوں۔ وہاں ہر اس شخص کا، جس میں ایک ذرہ بھی ایمان و اسلام ہو۔ یہ ایک مقدس فرض ہے کہ مظالم و مفاسد کے استیصال کے لئے آمادہ ہو جائے اور بغیر کسی مداہنت و نفاق کے، کامل آزادی اور نڈر اور بے باک لب و لہجے میں خدا کے بندوں کو خدا کی جانب بُلائے۔ اسلام کی علانیہ دعوت کرے اور کفر و ضلالت کے مٹانے میں ذرا بھی تامل نہ ہو۔

(۲) خدا کو استبداد پسند نہیں۔ جو لوگ ارباب اقتدار ہوں۔ دولت و حکومت رکھتے ہوں۔ انسانوں پر ان کا تصرف ہو۔ دنیا کی ہر ایک چیز پر انکیں فرمانروائی کی طاقت دی گئی ہو۔ پھر اتنی سب نعمتیں ملتے پر بھی خدا کو بھول جائیں

مستبد بن بیٹھیں۔ قانون الٰہی کو توڑنے لگیں۔ نظام اسلام کی توہین کریں۔ استبداد میں اتنا غلو رکھتے ہوں کہ انسان ہو کر خدا بن بیٹھیں۔ اور اپنے آئین استبداد کے خلاف کسی کی کچھ بھی سماعت نہ کرتے ہوں۔ تو ایسی قوم کو اُس کی غلط کاریوں سے علانیہ آگاہ کر دینا چاہیئے۔ علم حق و معروف لے کر مفاسد و منکرات کے خلاف آمادۂ جہاد ہونا چاہیئے۔ اور نہایت آزادی و استقلال کے ساتھ اس طرح اس خطرناک و سنگلاخ وادی میں قدم رکھنا چاہیئے کہ یہ طلسم فریب ٹوٹ جائے۔ اور دنیا میں پھر خدا کی بادشاہی قائم ہو جائے۔

(۳) مسلم کی حدیث مشہور ہے:۔ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، و ذالک اضعف الایمان۔

اس حدیث کو تم نے بارہا سنا ہوگا۔ مگر کبھی اس کی تعلیم کے اصول و حقیقت پر نظر نہ ڈالی ہوگی۔ حضرت ابراہیم کے اسوۂ حسنہ سے اس کے سمجھنے میں مدد لو۔ یہ حدیث بتلاتی ہے کہ قانونِ الٰہی کے منشا اور احکام کے خلاف جہاں کوئی ایک برائی بھی نظر آئے۔ معاً ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے زور بازو سے اس کے مٹانے کی کوشش کرے۔ یہ خصوصیت حقیقی ایمان داروں کی ہوگی۔ لیکن جس میں اتنی قوت نہ ہو۔ وہ زبان سے بُرا کہے اور برائی کے خلاف بہ آواز بلند احتجاج (پروٹسٹ) کرتا رہے۔ اس مذاق کے لوگ ایک طرح ناقص الایمان سمجھے جائیں گے۔ جس سے یہ بھی نہ ہو سکے۔ وہ کم از کم اپنے دل ہی میں اس آگ کو سلگاتا رہے۔ یہ ایمان کا بالکل ہی آخری اور بہت ہی ضعیف و کمزور درجہ ہے۔ لیکن جو طبیعتیں اتنا احساس بھی نہ رکھتی ہوں اُن میں فرائض کی خواہ مخواہ کتنی ہی پابندی موجود ہو، مگر یقین کر لینا چاہیئے کہ ایمان سے اُن کو مطلق سروکار نہیں۔

مگر یاد رہے کہ ازالۂ منکرات و مفاسد کے لئے دل میں کڑھنے اور زبان سے

نالۂ و فریاد کرنے کی صورتیں اُسی وقت تک کے لئے ہیں۔ جب تک کہ ان سے کشود کار ممکن ہو۔ جہاں یہ باتیں بے سود ہوں۔ وہاں ایمان کا صرف ایک ہی مظہر ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو استعمال طاقت کے قابل بنائیں۔ اور پھر اُس طاقت سے منکرات اور مفاسد و مظالم کو مٹائیں۔

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین علھدتم من المشرکین

وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ، وبشر الذین کفروا بعذاب الیم لا یستاذنک الذین یومنون باللہ والیوم الاخر ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم واللہ علیم بالمتقین انما یستاذنک الذین لا یومنون باللہ والیوم الاخر وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون (۹-۴)

جن مشرکین کے ساتھ تم نے عہد کر رکھا تھا، اب اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اُنھیں صاف جواب ہے۔ اگر اب بھی تم پھرے رہے تو جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔ اور کافروں کو عذاب دردناک کی بشارت سُنا دو۔ جو لوگ خدا کا اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنی جان و مال سے شریک جہاد نہ ہوں۔ تم سے خواہانِ اجازت تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کا اور روزِ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور اُن کے دل میں شک پڑے ہیں۔ پس وہ اپنے شک کی حالت میں حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں؟

حضرت ابراہیم کے واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ ایسی حالت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ دنیا میں اُس وقت وہی ایک مسلمان تھے۔ مگر نہ یہ تنہائی اُنھیں دعوت الی الحق سے مانع ہو سکی اور نہ اُنھوں نے ردِّ مظالم اور تغیرِ منکر کے لیے صرف وظیفۂ قلب و زبان تک

ہی کفایت کی۔ بلکہ جب یہ کوشش سودمند ہوتے نہ دیکھی تو دست دبازو سے بھی طاقت آزمائی کے لئے آمادہ ہو بیٹھے۔ پس ایمانداروں کو ضرور ہے کہ اس کی پیروی کریں۔

(۴) دعوت الی الحق کی ابتدا اپنے گھر سے چاہیئے۔ یہی صورت حضرت ابراہیم نے اختیار کی، اور اسی کی تعلیم اظہار دعوت کا حکم دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی کہ وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریب ترین اعزہ کو ڈراؤ) ان مبادی میں کامیابی ہو یا ناکامی، تاہم تجربہ واختیار اور بصیرت کو اس سے مدد ملے گی۔ اور پھر دعوتِ عام کے لئے اسکیم مرتب کرنے میں صرف دماغ کی قوت متخیلہ ہی پر زور دینا نہ پڑے گا۔ بلکہ تجربہ وعمل کے نتائج سامنے ہوں گے۔

(۵) دعوت الی الحق کو مداہنت، پاس مراتب، لحاظ عظمت سے کچھ سروکار نہیں۔ کسی بزرگ کی بزرگی یا کسی عزیز کی محبت کا اس پر کوئی اثر نہ پڑنا چاہیئے۔ اولاد پر والدین سے زیادہ کس کے احسانات ہوں گے؟ لیکن دیکھتے نہیں کہ حضرت ابراہیم کو جو کچھ کہنا تھا۔ سب پہلے اپنے باپ ہی سے کہا۔ اور جو کچھ کرنا تھا، اس کے سرانجام دینے میں باپ کے حقوق ابوت ذرا بھی مانع نہ ہو سکے۔

(۶) احیاء صداقت اور اقامتِ حق اور عدل کے لئے مخفی تدابیر بھی کرنی پڑتی تھیں۔ پوشیدہ طور پر کید و تدبیر سے بھی کام لینے کی حاجت پڑتی ہے۔ اور اس مدعا کے لئے یہ تمام باتیں جائز و درست بلکہ ضروری ولازم العمل ہیں۔ حضرت ابراہیم نے بت خانے میں کیا کیا تھا؟

(۷) کفر و شرک واستعباد نے دلوں میں خواہ کیسی ہی تاریکی پھیلادی ہو، انسان اپنی انسانیت سے کتنا ہی گزر گیا ہو۔ امتیاز حق وباطل کی طاقتیں مردہ ہی کیوں نہ ہو جائیں، تاہم حقیقت ایک ایسی چیز ہے کہ اخلاص کے ساتھ موثر انداز میں جب اس کو پیش کیا جائے گا۔ تو سخت سے سخت منکروں کے سر بھی اس کے آگے جھک

جائیں گے۔ مستبدین کے غرور وجبروت سے مرعوب ہو کر دعوۃ الی الحق کی تحریک رد کی نہیں جاتی۔ اور اگر رکنی بھی ہے تو اس طرح کہ :-

رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

(۸) دعوت الی الحق کے لئے شجاعت قلب درکار ہے، جرأت لسان کی حاجت ہے زور آور دست و باز و کی ضرورت ہے کہ خواہ کچھ ہی پیش آئے اور خواہ کیسی ہی زحمتیں سنگِ راہ ہوں۔ مگر اپنے مشن کو سنبھالے رہے۔ کام کئے جائے اور کبھی مرعوب نہ ہو۔

(۹) بڑے کام کے لئے بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ صرف دفع وقت سے دفع استبداد ممکن نہیں۔ اس قربان گاہ پر سب سے پہلے اپنی جان کی بھینٹ چڑھانے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہیئے۔ اس راہ میں سنگلاخ منزلیں طے کرنی پڑیں گی۔ مشکل سے مشکل امتحان دینے ہوں گے۔ شدائد و نوازل سے ظرف مقابل ہونا پڑے گا۔ اور ہر قدم پر اس دستور العمل کی پابندی کرنی پڑے گی کہ

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اول منزل ست

حضرت ابراہیم نے کیسی خطرناک جرأت کی تھی ؟

(۱۰) حق وصداقت کی مقاومت ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ دستِ ستم اس میں خلل ڈال سکتا ہے۔ ضرر پہونچا سکتا ہے۔ پر اس کو فنا نہیں کر سکتا۔ عزم و ثبات سے تمام بندشیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ مخالفین ذلیل ہوتے ہیں۔ استبداد سے نجات ملتی ہے، اور انجام کار برکت حاصل ہوتی ہے کہ والعاقبۃ للمتقین !

دعوت الی الحق کی یہ نتیجہ خیز اسکیم خود حضرت الٰہی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ اب صرف اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ نئی اسکیم بنانے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ شب و

روز نئی اسکیموں کا خواب دیکھتے ہیں۔ اُن کو یہ پیام پہونچا دو، یہ پاک موضوع اس سے زیادہ تشریح کا طالب تھا۔ مگر افسوس ؎

کہ بادۂ حوصلہ سوز است و جلعہ مستند

اُسوۂ نُوحؑ

ہشدار کہ سیلابِ فنا در پیش است

ہاں سنو مغرور بہ حلمِ خدا، قدرت کی آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی ہیں۔ جور و ستم، تشدد و تباہ کاری، استبداد و مردم آزادی، ان سب پر خدا کی نظر ہے۔ جس طرح مسجدیں گرائی جاتی ہیں۔ خانقاہیں بند کرائی جاتی ہیں، کمزور جماعتیں ستائی جاتی ہیں۔ خدا ان تمام باتوں کو دیکھتا ہے۔ سنتا ہے اور خاموش رہتا ہے کہ لعلہم یرشدون (شاید یہ خود ہی راہِ راست پر آجائیں)، زبردست ہستیوں کو جب اس پر بھی تنبہ نہیں ہوتا۔ زبردست آزاری میں مطلق کمی نہیں آتی۔ طغیان و سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو انّ بطش ربک لشدید (پروردگارِ عالم کی گرفت بڑی سخت ہے) کی وعید ہیجان میں آتی ہے" دیر گیرد سخت گیرد مرد را" کا طوفان جوش کھاتا ہے اور تر و خشک سب کو بہالے جاتا ہے۔

اس ذیل میں سب سے پہلا طوفان وہ تھا جس نے عصرِ حجری و عصرِ نباتی کے بعد عصرِ حیوانی کے آغاز عہد میں تقریباً تمام دنیا کی حالت بدل دی تھی۔ علمی زبان میں اس طوفان کو "طوفانِ عام جیولوجی" کہتے ہیں۔ سطحِ زمین کی غلظت نے اندر کی مشتعل حرارت کے تمام منافذ و مخارج بند کر رکھے تھے۔ بخارات کا التہاب بڑھتا رہا اور زمین کی ابتدائی حالت آتش افشانی کی گنجائش بھی نکال نہ سکی۔ استبداد کی تنگ گیریاں بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکیں۔ سمندر کے وسط میں دفعتاً پہاڑیوں کا سلسلہ کھل گیا ملتہب مادے جوش و خروش سے پھوٹ بہے۔ ہولناک سیلاب نے تمام کرۂ زمین کو چھالیا۔ اور تقریباً جتنی جاندار ہستیاں تھیں۔ سب کو بہالے گیا۔ یہ طوفان جس کی عمومیت ناقابلِ انکار ہے۔ موجودہ نسلِ انسانی سے قبل کا ہے۔ اس کے

بعد جتنے طوفان آئے۔ وہ خاص خاص ممالک و مقامات تک محدود تھے۔

نوعِ انسانی کی تکوین کے بعد جو طوفان آئے ہیں ان میں سے سب سے بڑا اور سب سے پہلا طوفان غالباً ہندوستان کا تھا۔ جس کی نسبت "وشنو" نے اپنے ایک معتقد پوجاری کو اطلاع دی تھی کہ "سات دن میں ایک طوفان آئے گا۔ جو ان تمام مخلوقات کو کہ میری توہین کرتے ہیں ہلاک کر ڈالے گا۔ تم ایک کشتی میں سات رشیوں اور اپنی عورتوں کے ساتھ بیٹھ جانا۔ اور ہر طرح کے حیوانات کو بھی بٹھالینا"۔ اساطیرِ ہند (آرین میتھولوجی) کے مطابق یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ وشنو نے خاتمۂ طوفان کے بعد شیطان کو قتل کر ڈالا۔ وید مقدس کے جتنے نسخے تھے سب چھپا ڈالے، اور اپنے مخلص پوجاری کو الٰہیات کی تعلیم دے کر ساتویں 'منو' کا خطاب عنایت کیا۔

دوسرا ہولناک طوفان جس کے واقعات قدیم کلدانی روایتوں میں ملتے ہیں۔ بابل میں آیا تھا۔ یہ واقعہ بادشاہ "ذی زوتروس" کے عہد کا ہے جس کو "خرونس" دیوتا (زحل) نے اس کی اطلاع دی تھی۔ اور خواب میں کہدیا تھا کہ انسان کے فتنہ و فساد نے مجھے غضبناک کر رکھا ہے۔ میں ان کو تعزیر دوں گا۔ اور سب کو طوفان سے ہلاک کر ڈالوں گا۔ تم اور تمہارے خاندان والے البتہ بچ رہیں گے۔ مبدء و منتہا و اوساطِ اشیاء کے متعلق جو تحریریں ہیں ان سب کو لے کر "سیبارس" (مدینۃ الشمس) میں دفن کر دو۔ اور ایک کشتی بناؤ جو طول میں پانچ استاد اور عرض میں دو استاد کی ہو (ایک استاد ایک سو چھبیس فٹ کے برابر تھا) اہل و عیال کو لے کر کشتی میں سوار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو پانی کے سپرد کر دو۔ ذی زوتروس نے امتثالِ امر میں بڑی سرگرمی دکھائی طوفان کم ہوا تو کشتی سے ایک دو چڑے (گنجشک) اڑا دیئے۔ خشکی کا نام و نشان نہ تھا۔ پہلی مرتبہ چڑا واپس آیا۔ دوسری مرتبہ کی آمد میں پنجوں میں کیچڑ بھری تھی اور چونچ میں کوئی سبز گھانس تھی۔ معلوم ہوا کہ خشکی نمودار ہو چلی ہے۔ تیسری مرتبہ گیا تو پھر واپس نہ

آیا۔ خشکی کا اب ٹھیک اندازہ ہوگیا تھا۔ کشتی آگے بڑھائی گئی۔ سامنے ایک پہاڑ نظر آیا۔ وہیں ٹھہر گئی۔ اہلِ کشتی اُتر پڑے، دیوتاؤں کے آگے سر کے بل گر پڑے۔ قربان گاہ بنائی۔ بھینٹ چڑھائی۔ مدینۃ الشمس سے دفینہ نکالا۔ بابل کو پھر آباد کیا۔ اور بستیاں بسائیں۔

علمائے طبیعت و آثار کی رائے میں تورات کے واقعۂ طوفان نوح کی تفصیل اسی روایت سے ماخوذ ہے۔

تیسرا واقعہ "طوفان ہیرا بولیس" کا ہے۔ جس کی تشریح "لوسیانوس" نے کی ہے۔ واقعات سب ملتے جلتے ہیں۔ حسب معمول اس طوفان کی نسبت بھی یہی ادعا ہے کہ صرف "دیکالیون" اور اس کے گھر والے بچ رہے تھے۔ اور ساری آبادی غرق ہوگئی تھی۔ دیکالیون کی کشتی "ہیرا بولیس" کو پہنچ کر ٹھہری تھی۔ وہیں اس نے ایک ہیکل بنایا۔ جس کو پسینہ آتا تھا۔ اس پر وحی اُترتی تھی۔ اور وہ آدمیوں کی طرح باتیں کرتا تھا۔

چوتھا طوفان جزیرۂ ساموتراس کا تھا۔ جس سے مورخ ڈیوڈورس کی رائے میں بحیرۂ مرمر (مارمورا) نکلا۔

پانچویں غرقابی قدیم یونان کے علاقہ "بولیسی" کے طوفان سے ہوئی جو بادشاہ (اوجیج) کے عہد میں حضرت مسیح سے نوسو برس بیشتر بحیرۂ "کوپالیس" میں سیلاب آنے سے آیا تھا۔ "آگسٹنیس" نے جو مندر "بلیبون" کا بڑا پوجاری تھا۔ اس کے جزئیات پر نہایت شرح و بسط سے گفتگو کی ہے۔ اور "وینس" (زہرہ) دیوتا کے دفعتہً رنگ و صورت و حجم و رفتار بدل جانے کا اسے نتیجہ ٹھہرایا ہے۔ ادبیات مشرقی میں یونان کی غرقابی یہیں سے نکلی ہے۔

چھٹا طوفان بادشاہ "دیکالیون" فرماں روائے تھسلی کے عہد میں میلاد مسیح سے ایک ہزار چھ سو برس قبل آیا تھا۔ اور تھسلی کو بہالے گیا تھا۔ ہیرودوٹس کی روایت ہے کہ تھسلی ایک بڑا دریا تھا۔ سمندر کے دیوتا "نبتون" نے اُس کا

پانی بہا دیا۔ اور ملک میں طوفان آگیا۔

ان واقعات پر خرافات کا اثر تو ضرور غالب ہے۔ مگر اصلیت سے خالی نہیں۔ علم الطبیعۃ کے مشہور ترین فرانسیسی مؤلف (موسیو ڈوبلے) نے تاریخ الانسان الطبیعی (ص ۲۴-۲۸، ۳۵-۴۲) میں ان پر نہایت حکیمانہ نظر سے ریویو کیا ہے۔

ساتواں طوفان حضرت نوح کے عہد میں آیا تھا۔ یہ حادثہ میلاد مسیح سے تین ہزار ۳۳۰۸ برس قبل کا ہے۔ اور اس وقت پانچ ہزار دو سو ۵۱ برس ہو چکے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کی پوری تشریح کی ہے۔ سورۂ ہود میں ہے۔

ولقد ارسلنا نوحا الی قومه انی لکم نذیر مبین ان لا تعبدوا الا الله انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم، فقال الملأ الذین کفروا من قومه ما نراك الا بشرا مثلنا وما نراك اتبعك الا الذین هم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کاذبین، قال یا قوم ارءیتم ان کنت علی بینة من ربی واتانی رحمة من عنده فعمیت علیکم، انلزمکموها وانتم لها کارهون ویا قوم لا اسئلکم علیه

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس یہ پیغام لیکر بھیجا کہ لوگو! میں تم کو صاف صاف خطرہ سے آگاہ کئے دیتا ہوں کہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کیا کرو۔ مجھ کو تمہاری نسبت ایک روز دردناک عذاب کا خوف ہے" سرداران قوم کفار نے اس پیغام کو سن کر کہا کہ "ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ہی جیسے بشر تم بھی ہو۔ بظاہر ہم میں جو ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں انھوں نے تمہاری پیروی بھی کی ہے۔ اپنی نسبت تم لوگوں میں ہم کو تو کوئی برتری بھی نظر نہیں آتی بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں"

نوح نے جواب دیا کہ "تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ میں اگر اپنے پروردگار کے کھلے رستے پر ہوں۔ اُس نے مجھ کو اپنے جناب سے نعمت و رحمت بھی عطا کی ہے۔ تم کو وہ رستہ دکھائی بھی نہیں دیتا، تو اس حالت میں کہ تم اُس کو

مالا ان اجری الا علی الله
وما انا بطارد الذین امنوا
انهم ملاقوا ربهم ولکنی
ارٰىکم قوما تجهلون ویا
قوم من ینصرنی من الله
ان طردتهم افلا تذکرون
ولا اقول لکم عندی خزائن
الله ولا اعلم الغیب ولا
اقول انی ملک ولا اقول
للذین تزدری اعینکم لن
یؤتیهم الله خیرا الله
اعلم بما فی انفسهم انی
اذا لمن الظالمین قالوا
یا نوح قد جادلتنا فاکثرت
جدالنا فاتنا بما تعدنا ان
کنت من الصادقین قال
انما یاتیکم به الله ان شاء
وما انتم بمعجزین ولا ینفعکم
نصحی ان اردت ان انصح لکم
ان کان الله یرید ان یغویکم
هو ربکم والیه ترجعون ام
یقولون افتراه قل ان افتریته
فعلی اجرامی وانا بریء مما
تجرمون۔

مکروہ جانتے ہو کیا ہم اُس پر تمہیں مجبور کر رہے ہیں؟ لوگو! میں ان کو اگر نکال بھی دوں تو خدا کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا؟ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ (۱) میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (۲) نہ میں غیب جانتا ہوں (۳) نہ اپنے آپ کو فرشتہ کہتا ہوں (۴) اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں اُن کی نسبت یہ بھی نہیں جانتا کہ خدا ان پر فضل ہی نہیں کرے گا۔ ان کے دل کی بات تو خدا ہی جانتا ہے۔ میں ایسا کہوں تو ایک ظالم میں بھی ہوں گا۔" کفار نے کہا: "نوح! تم ہم سے بہت جھگڑ چکے۔ سچے ہو تو جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لاؤ۔" نوح نے جواب دیا کہ خدا کو منظور ہو گا تو وہی عذاب بھی تم پر نازل کریگا۔ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے۔ خدا ہی کو اگر تمہیں گمراہ کرنا منظور ہے تو میں کتنی ہی نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت تمہارے کام نہ آئیگی وہی تمہارا پروردگار ہے۔ اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں بنا رکھی ہیں؟ تم کہہ دو کہ میں نے اگر یہ باتیں بنائی ہیں تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور تم جو گناہ کرتے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

واوحی الی نوح انہ لن یؤمن من قومك الا من قد امن فلا تبتئس بما کانوا یفعلون، و اصنع الفلك باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون،

نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُن کے علاوہ اب ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا۔ یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں تم اس کا کچھ غم نہ کرو۔ تم ایک کشتی ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق بناؤ۔ اور ان ظالموں کے متعلق مخاطب نہ کرو۔ یہ ضرور غرق ہوں گے۔

ویصنع الفلك، وکلما مر علیه ملاء من قومه سخروا منه قال ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون، فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ویحل علیه عذاب مقیم

نوح کشتی بنانے لگے۔ قوم کے وجیہہ اور رودار لوگوں کا جب اُن پر گزر ہوتا تو وہ اُن سے تمسخر کرتے، نوح جواب دیتے کہ تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جیسے آج تم ہم پر ہنس رہے ہو۔ اسی طرح کل کو ہم بھی تم پر ہنسیں گے۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ رسوائی بخش عذاب کس پر آتا ہے۔ اور دوامی تکلیف کس کی راہ میں حائل ہوتی ہے؟

حتی اذا جاء امرنا وفار التنور، قلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین و اھلك الا من سبق علیه القول ومن امن وما امن معه الا قلیل،

یہ کیفیت اسی طرح رہی۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور نے جوش کھایا تو ہم نے نوح کو کہا کہ ان سب کو کشتی میں بٹھالو۔ ہر جوڑے کے دو دو جفت کو اپنے گھر والوں کو۔ اُن کے علاوہ جن کی نسبت پہلے قول ہو چکا ہے۔ اور اُن کو جو ایمان لا چکے ہیں" اور اُن کے ساتھ تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے تھے۔

وقال ارکبوا فیھا بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا، ان ربی لغفور رحیم

نوح نے ان سب سے کہا" آؤ کشتی میں بیٹھ جاؤ، بسم اللہ مجریھا و مرساھا۔ حقیقت میں میرا پروردگار غفور الرحیم ہے"

وھی تجری بھم فی موج کالجبال و نادیٰ نوح ن ابنہ وکان فی معزل یا بنی ارکب معنا ولا تکن مع الکافرین، قال ساٰوی الی جبل یعصمنی من الماء قال لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم، وحال بینھما الموج فکان من المغرقین،

کشتی ان سب کو پہاڑ جیسی موجوں میں لئے چلی جا رہی تھی۔ اس حالت میں نوح نے اپنے بیٹے کو، جو الگ تھا، پکارا کہ "بیٹا! آ، ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ کافروں کے ساتھ نہ رہو۔" اس نے کہا: "میں ابھی کسی پہاڑ کے سہارے جا لگتا ہوں۔ وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔" نوح نے کہا: "آج کے دن خدا کے غضب سے کوئی بچانے والا نہیں، بچے تو وہی بچے جس پر خدا رحم کرے۔" اسی حالت میں باپ بیٹے کے مابین ایک موج حائل ہو گئی۔ ڈوبنے والوں کے ساتھ نوح کا بیٹا بھی ڈبو دیا گیا۔

وقیل یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظالمین۔

کام تمام ہو چکا تو حکم دیا گیا کہ "اے زمین اپنا پانی جذب کر لے۔ اور اے آسمان تھم جا۔" پانی اتر گیا۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری۔ اور کہہ دیا گیا کہ "ظالموں کی جماعت دور ہو۔"

ونادیٰ نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین قال یا نوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم، انی اعظک ان تکون من الجاھلین، قال رب انی اعوذ بک ان اسئلک ما لیس

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا۔ اور عرض کیا "اے میرے پروردگار، میرا بیٹا بھی میرے ہی گھر والوں میں ہے۔ تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔" جواب ملا کہ "اے نوح وہ تمہارے گھر والوں میں شامل نہیں، وہ بدکار ہے، جو بات نہ جانتے ہو ہم سے اس کی درخواست نہ کرو۔ ہم تمہیں سمجھائے دیتے ہیں کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کرو۔" نوح نے عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار! میں

لی بہ علم، والا تغفر لی و ترحمنی اکن من الخاسرین قیل یا نوح اھبط بسلام منا و برکات علیک وعلی امم ممن معک، وامم سنمتعھم ثم یمسھم منا عذاب الیم (۱۱-۱۹-۴۸)

ایسی جرأت سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو تجھ سے اُس کی درخواست کروں میری گستاخی اگر تو نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ یہ سب کچھ جب ہو چکا تو حکم دیا گیا کہ اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ کشتی پر سے نیچے اُترو۔ یہ برکتیں تمہارے اور ان اقوام کے شامل حال رہیں گی۔ جو تمہارے ساتھ ہیں۔ بعد کی قومیں بھی ہم سے نفع اُٹھائیں گی۔ لیکن آخر کار ہماری جانب سے اُن کو دردناک عذاب پہونچے گا۔"

یہ واقعات کسی قدر اضافہ و اختصار کے ساتھ تورات میں بھی مذکور ہیں۔ تورات نے ان میں کچھ باتیں بڑھا دیں۔ کچھ حذف کر دیں۔ کچھ خبط کر ڈالیں۔ مثلاً:-

(۱) تورات کا بیان ہے کہ طوفان عام تھا۔ روئے زمین کے جتنے براعظم اور جزیرے تھے۔ سب غرق ہو گئے تھے۔ پانی زمین پر بے انتہا چڑھ گیا۔ تمام اونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے ہیں۔ سب چھپ گئے۔ سارے جاندار جو زمین پر چلتے تھے۔ پرند، چرند، جنگلی جانور اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے۔ اور جتنے انسان تھے۔ سب مر گئے۔ ہر ایک متنفس مخلوق جو خشکی پر تھی۔ مر گئی۔ روئے زمین کے تمام موجودات جن میں جان تھی۔ سب کے سب مٹ گئے۔ انسان سے لے کر حیوان تک۔ کیڑے مکوڑوں اور آسمانی پرندوں تک سب مٹ گئے۔ فقط نوح اور جو اُس کے ساتھ کشتی کے اندر تھے بچ رہے (تکوین ۷-۱۹-۲۳)

یہ عمومیت عقل کے بھی خلاف تھی۔ تاریخ بھی خاص اس واقعہ کی تعمیم میں اس امر کی مؤید نہ تھی۔ علم الآثار بھی تکذیب کر رہا تھا۔ طبقات الارض کی شہادت بھی اس کے حق میں نہ تھی۔ اور یہ بات تو کسی طرح قیاس میں آ سکتی ہی نہ تھی کہ صرف ایک

گنہگار قوم کو سزا دینے کے لئے خدا نے سارے جہان کو جس میں بہت سی بے گناہ جماعتیں بھی رہی ہوں گی، بہت سے بے قصور اشخاص بھی ہوں گے، بہت سی ناکردہ گناہ آبادیاں بھی ہوں گی، غرق کر ڈالے۔ اور روئے زمین پر کسی شخص کو زندہ ہی نہ چھوڑا ہے

یہ ایرادیں آج اس زمانے میں وارد کی جا رہی ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اُس عہد میں جبکہ طوفان نوح کی عمومیت سے کسی کو انکار نہ تھا صاف لفظوں میں، اعلان کر دیا کہ الذین ظلموا انھم مغرقون (جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہی غرق کئے جائیں گے) قوم نوح اس ظلم و ستم کی خوگر تھی۔ وہی غرق ہوئی۔ اُنھیں بستیوں میں طوفان آیا۔ اور سیلاب فنا اُنھیں ظالموں کو بہا لے گیا۔

(۲) فرزند نوح کے تذکرے سے جو کافروں کا شریک حال تھا۔ اور طوفان میں ڈوب کر مر گیا۔ تورات خاموش تھی۔ قرآن نے یہ فروگذاشت ظاہر کر دی۔ اور دکھا دیا کہ مؤلفین تورات کی جمع و تالیف کس پایہ کی ہے۔

(۳) واقعۂ طوفان کے بعد حضرت نوح کی توجہ کاردبار زراعت کی جانب مصروف ہوئی۔ انگور کا ایک باغ لگایا۔ شراب نکالی اور پی کر مست ہو گئے۔ گھر میں پہونچے تو نشہ کا عالم تھا، کپڑے اُتار دیئے اور سو رہے۔ حام نے اُن کو برہنہ دیکھ کر اپنے بھائیوں کو خبر دی۔ سام و یافث گئے۔ اور برہنگی چھپا دی۔ بیدار ہونے پر جب حضرت نوح کو واقعہ معلوم ہوا تو کنعان کو بددعا دی تورات نے اس بددعا کے الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں کہ کنعان ملعون ہو، وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ خداوند سام کا خدا مبارک کنعان اُس کا غلام ہوگا۔ خدا یافث کو پھیلائے، وہ سام کے ڈیروں میں رہے اور کنعان اس کا غلام ہوئے (تکوین ۹۔ ۲۵۔ ۲۷) حام حضرت نوح کا بیٹا تھا (تکوین ۶۔ ۱۰ و ۱۸ و ۱۰۔ ۱) اور کنعان حام کا لڑکا تھا۔ (تکوین ۱۰۔ ۶۔ ۹۔ ۲۲) گستاخی کنعان

سے نہیں بلکہ اس کے باپ حام سے سرزد ہوئی تھی۔ (تکوین ۹۔ ۲۲ و ۲۵) لیکن تورات صاف کہہ رہی ہے کہ حضرت نوح اس سے ذرا بھی نہ بولے، نہ ناراض ہوئے۔ اظہار جلال ہوا بھی تو کنعان پر جو بالکل بے قصور تھا۔ اور جسے اس واقعہ سے براہ راست کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ قرآن نے اس کہانی کا تذکرہ تک نہ کیا۔ اور خاموشی کی زبان میں بتادیا کہ سرے سے یہ مذکور ہی غلط ہے۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بہ علما۔

قرآن موعظت و عبرت ہے۔ اخلاق و آداب ہے، بشیر ترقی و نذیر تنزل ہے لیکن تاریخ و تمثیل نہیں ہے۔ بایں ہمہ جو غلط واقعے مشہور ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی تصحیح کردیا کرتا ہے۔ حضرت نوح کا واقعہ بیان کرکے وہ بڑے دعوے سے اعلان کررہا ہے۔

تلك من انباء الغيب نوحيها اليك، ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا فاصبر، ان العاقبة للمتقين (۱۱ - ۱۴)

یہ غیب کی چند خبریں ہیں، ہم ان کو بطریق وحی تم کو سناتے ہیں۔ اس سے پیشتر تم اور تمہاری قوم کسی کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ اب صبر و ثبات کو شیوہ بناؤ۔ جو لوگ متقی ہیں انھیں کا انجام بخیر ہے۔

طوفان کیونکر آیا؟ مفسرین کی غالب اور عام رائے یہ ہے کہ کھانا پکانے کا ایک تنور تھا۔ اسی سے طوفان کا چشمہ پھوٹا۔ لیکن اس خیال میں کوئی انداز مجاز یا تمثیل مضمر تھی جو نہیں سمجھی گئی۔

تورات کا بیان ہے کہ "جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اسی روز بحر محیط کے تمام سوتے پھوٹ نکلے، آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس شبانہ روز تک زمین پر مینہ کی جھڑی لگی رہی" (تکوین ۷ - ۱۱)

قرآن کریم نے بھی اسی حقیقت کی تائید کی ہے۔ سورۂ قمر میں ہے۔

ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر وفجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علی امر قد قدر (۵۴۔ ۱۱ و ۱۲)

ہم نے موسلا دھار مینہ سے آسمان کے دروازے کھول دیئے، زمین کے سوتے جاری کر دیئے۔ آخر جو اندازہ مقرر ہوا تھا۔ اسی کے مطابق آسمان کے پانی مل گئے۔

بے شبہ فار التنور (تنور جوش میں آیا) کے الفاظ بھی قرآن کریم میں موجود ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ قدیم محاورۂ عرب میں "تنور" روئے زمین" کو کہتے تھے۔ حدیث میں ہے۔

عن ابن عباس انه قال فی قوله "وفار التنور" قال التنور وجه الارض قال قیل له اذا رایت الماء علی وجه الارض فارکب انت ومن معك قال والعرب تسمی وجه الارض تنور الارض [1]

"تنور نے جوش کھایا" کی تفسیر میں عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ تنور کے معنی روئے زمین کے ہیں یعنی حضرت نوح کو حکم ہوا کہ جب دیکھو کہ روئے زمین پر پانی چڑھ گیا تو اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اہل عرب نے روئے زمین کا نام "تنور زمین" (زمین رکھ چھوڑا ہے۔

---

[1] رواه ابوجعفر قال حدثنی یعقوب بن ابراهیم قال حدثنا هشیم قال اخبرنا العوام بن حوشب عن الضحاك عن ابن عباس انه قال الخ، و بطریق اخر عن المثنی قال ثنا عمرو بن عون قال اخبرنا هشیم عن العوام عن الضحاك بنحوه. وبروایة اخری عن ابی کریب وابی السائب قالا ثنا ابن ادریس قال اخبرنا الشیبانی عن عکرمة فی قوله وفار التنور قال وجه الارض، وبروایة اخری قال حدثنا زکریا بن یحیی بن ابی زائدة و سفیان بن وکیع قالا ثنا ابن ادریس عن الشیبانی عن

تورات کے موجودہ تراجم نے کشتی نوح کا مستقر کوہ اراراط کو قرار دیا ہے۔ (تکوین ۸ - ۴) لیکن علامہ یاقوت حموی نے اصل زبان سے تورات کا جو لفظی ترجمہ پیش کیا ہے۔ اس میں بجائے اراراط "جودی" مذکور ہے لے۔ (معجم البلدان طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۱۶۳) یہ پہاڑی (جودی) موصل کے علاقہ میں دریائے دجلہ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اور یہی وہ علاقہ ہے جس کے مضافات میں قوم نوح آباد تھی۔ اصل میں "جودی" ایک گاؤں کا نام تھا (معجم البلدان۔ جلد ۳۔ صفحہ ۵۱) اور پہاڑی کا وہ سلسلہ جو اس گاؤں سے متصل تھا کوہ جودی کے نام سے مشہور تھا۔ اُسی نواح میں "قردا" "بازبدا" کی مشہور آبادیاں بھی تھیں۔ وہاں یہ پہاڑی انھیں بستیوں کے نام سے موسوم تھی۔ ابوحنیفہ دینوری نے اسی مناسبت سے کشتی نوح کا مستقر جبل قردا بازبدا کو ٹھہرایا ہے (اخبار الطوال صفحہ ۳) اور ابن قتیبہ نے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔ (معارف صفحہ ۸) مشہور مسیحی مؤرخ گریگوری ابوالفرج ملطی نے ان سب کی تطبیق کر دی ہے کہ جبل قردا اور کوہ جودی دونوں ایک ہی ہیں (مختصر الدول صفحہ ۲) کوہ اراراط کا وسیع سلسلہ جابجا مختلف ناموں سے مشہور تھا۔ تورات کے موجودہ ترجمہ میں صرف پہاڑ کا اصلی نام بتا دینا کافی سمجھا گیا۔ لیکن قرآن نے اُس پہاڑی جودی کی جگہ بھی بتا دی جہاں کشتی ٹھہری تھی۔

عكرمة و فار التنور فال وجه الارض۔

لے سریانی و کلدانی زبان میں توراۃ کے جو نسخے ہیں اُن میں بھی سفینۂ نوح کا مستقر کوہ جودی مذکور ہے۔ دائرۃ المعارف العربیہ کے مسیحی مؤلفین لکھتے ہیں کہ روایات اب تک اسی قول کی تائید میں ہیں۔ کہ اس حادثہ کا مرکز یہی پہاڑی (جودی) تھی، ابروسس جو اسکندر اعظم کا معاصر تھا۔ اُس کی بھی یہی رائے ہے کہ وہ جودی کی چوٹی پر کشتی کے آثار بھی اُس کو ملے تھے (دائرۃ المعارف۔ حرف جیم)

واقعہ نوح کی ذیل میں تعلیم الٰہی کے خاص خاص پہلو یہ ہیں۔

(۱) مادہ کی گوناگوں صورتگری جب کسی قوم کو خدا سے بالکل ہی نافل بنا دے۔ قانون الٰہی کی حدود ٹوٹنے لگیں، طغیان و سرکشی عام ہو جائے۔ علم کی فراوانی حجاب اکبر کا کام دینے لگے، تمدن ضلالت کی جانب راہنمائی کرتا ہو۔ خدائے واحد کی پرستش سے اتنا بھی سروکار نہ ہو کہ اس کی پرستش گاہوں کا ادب کیا جائے تو ان حالتوں میں دعوت الحق فرض ہے۔ اس فرض کے ادا کرنے میں خواہ کیسی ہی بندشیں عائد ہوں۔ زبان تقریر کو روکنے کے لئے جرمانہ سازشوں کے نام سے قانون بنائے جائیں۔ لسان تحریر کو بند رکھنے کی غرض سے تعزیری ایکٹ پاس ہو، باایں ہمہ ان بندشوں سے جو نتائج پیش آنے والے ہوں اُن کے اظہار سے خاموش نہ رہنا چاہیئے۔ اور علانیہ کہدینا چاہیئے کہ اس گمراہی کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

(۲) دعوۃ الی الحق کے لئے جو لوگ کمربستہ ہوں گے۔ انھیں اس فرض کے ادا کرنے میں اپنی شاندار امتیازی حیثیت قائم کرنے کی فکر نہ ہونی چاہیئے کہ ارباب اقتدار کی نظروں میں درخور حاصل کر کے پہلے اپنی ممتاز پوزیشن قائم کرلیں۔ پھر کام شروع کریں۔ یہ بے راہ روی کا طریقہ ہے۔ اور ایسی خصوصیت کی تمنا خام خیالی ہے۔ داعی الی الحق کو بظاہر اُس کی کمزور پوزیشن پر طعنے دیئے جائیں گے۔ تعریض ہوگی۔ بے وقعتی کی جائے گی۔ اُن کو جھوٹا کہا جائے گا۔ ہنسی اڑائی جائے گی۔ وہ ان سب کو انگیز کرلیں گے، اور اپنے فرض کو پورا کرکے رہیں گے۔

(۳) داعی الی الحق کی جماعت کچھ ایسی وسیع نہ ہوگی۔ معمولی افراد اُس کے شریک عمل ہوں گے۔ جو عام نظروں میں ذلیل و رذیل دکھلائی دیں گے اُن میں یہ بھی خصوصیت نہ ہوگی کہ جن متمدن جباروں کی دعوت کرنی ہو اُن پر کچھ احسان کئے ہوں یا اُنھیں منت پذیر بنانے کے لئے چندے دیئے ہوں۔ رزولیوشن پاس کرائے ہوں، وہ

اس طلسم فریب سے اپنے کام کو تقویت نہ دیں گے، بلکہ نہایت صفائی اور سادگی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور جو کرنا ہوگا کر گزریں گے۔

(۴) دعوت الی الحق کے لئے صاف بیانی، تلخ گوئی، اور درشت گفتاری ناگزیر ہے۔ البتہ صداقت کو تسلیم کرانے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) دعوت الی الحق حصول جاہ و کسب مناصب کا ذریعہ نہیں ہے کہ اُس کے نام سے اچھے اچھے عہدے حاصل کئے جائیں۔ پبلک اسمبلیوں میں نمایاں جگہیں ملیں۔ مال و دولت بڑھے۔ اس مقدس فرض کا معاوضہ دینے والا صرف خدا ہے اجر یا اجرت جو پیش نظر ہو اُسی سے طلب کرنی چاہیئے۔

(۶) جو لوگ داعی الی الحق کے شریک عمل ہوں اُن سے بے تعلقی وعلیحدگی کے لئے خواہ کیسا ہی دباؤ ڈالا جائے۔ مگر سختی سے انکار کر دینا چاہیئے۔

(۷) داعی الی الحق کے پاس نہ خدائی کے خزانے ہوں گے۔ نہ اُس میں فرشتوں کی صفت ہوگی۔ نہ غیب داں ہوگا۔ انسان کی معمولی حیثیت رکھتا ہوگا اور اسی حالت میں بڑے بڑے جباروں کی حیثیت بگاڑ دینے کا الٹی میٹم دے گا۔

(۸) دعوۃ الی الحق کے لئے موقعہ و محل کی تلاش بے سود ہے کہ مستبدین کی طبیعت جب حاضر دیکھ لیں، اُس وقت تبلیغ کا کام شروع ...... کریں۔ یہ موقع شناسی ضروری نہیں۔ ہر حالت میں کام کرتے رہنا چاہیئے۔ اور اس شدت سے کرنا چاہیئے کہ دیکھنے والے گھبرا اُٹھیں سننے والے تنگ آ جائیں۔ اور برملا کہنے لگیں کہ مقابلے کے لئے ہم تیار ہیں۔ جو کچھ کرنا ہو تم بھی کر دیکھو۔

(۹) نتیجہ ناکامیاب ہی کیوں نہ رہے۔ استبداد میں خواہ کچھ بھی فرق نہ آئے۔ مگر دعوت الی الحق کی سرگرمی میں فرق نہ آنا چاہیئے۔ جو لوگ دھمکی دے رہے ہوں کہ ہم نے تلوار سے فتوحات حاصل کئے ہیں۔ تلوار ہی سے

زور سے اس کو قائم بھی رکھیں گے۔ اُن کو جواب دے دینا چاہیئے کہ خدا کو اختیار ہے، چاہے تم کو تباہ کر ڈالے یا زندہ رہنے دے۔ دعوۃ الی الحق کو ان امور سے تعلق نہیں ہے۔

(۱۰) دعوۃ الی الحق مشکوک و مشتبہ نظروں سے دیکھی جائے گی۔ اُس کے داعیوں کو سخن ساز و مفتری کہا جائے گا۔ لیکن سلسلہ سعی و تدبیر میں ان باتوں میں سستی نہ آنی چاہیئے۔ البتہ اپنی پوزیشن کو واضح کر دینا چاہیئے۔

(۱۱) طغیان و جبروت کا انہماک دلوں اور دماغوں میں قبول حق کی صلاحیت باقی ہی نہیں رہنے دیتا۔ ایسی طبیعتیں کبھی راہ راست پر نہیں آسکتیں۔ اُن سے کنارہ کش ہو جانا چاہیئے۔ قطع نظر کر لینی چاہیئے۔ اور اُنھیں بالکل ہی بائیکاٹ کر دینا چاہیئے۔ وہ ظالم ہیں۔ ستم پیشہ ہیں، سیلاب فنا میں غرق ہو جائیں گے۔ اُن کے متعلق کسی قسم کی گفتگو نہ کرو۔ اپنے بچاؤ کی آپ تدبیر نکالو۔ طوفان حوادث سے محفوظ رہنے کے لئے سفینۂ نجات بناؤ۔ اُس کے بنانے میں سرگرمی کے ساتھ لگے رہو۔ اور خدا نے جو تعلیم دی ہے اُسی کے مطابق کام کرو۔

(۱۲) اس کام میں انہماک و سرگرمی کو دیکھ کر لوگ ہنسیں گے۔ ہنسنے دو۔ تمہیں اپنے کام سے کام ہے۔

(۱۳) حفاظت کا جو ذریعہ اختیار کیا جائے۔ وہ صرف اپنے لئے مخصوص نہ ہونا چاہیئے۔ بقدر گنجائش ارباب استبداد کے علاوہ جو عذاب الٰہی کے مستحق ہیں ایک حد تک دوسرے بندگان خدا کے لئے بھی سامان حفاظت بہم پہونچانا چاہیئے۔ مگر اس کی نوعیتیں مختلف نہ ہوں۔ اور جامعۂ وحدت میں خلل نہ پڑے۔

(۱۴) جباروں سے بے تعلقی و بائیکاٹ میں قرابت و رشتہ داری کا پاس و لحاظ ممنوع ہے۔ کوئی خاص عزیز ہی کیوں نہ ہو، نہایت اہم خصوصیت کیوں نہ ہو۔ مگر دائرۂ حق و صدق سے جہاں باہر قدم نکالے کہ تباہی آئی ایسے

لوگ وہی ہیں جو عملِ صالح اور حقیقی کیریکٹر سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ کفار کی طرح اُن کا بھی بائیکاٹ کر دینا چاہیئے۔ اُن پر رحم کرنا یا اُن کے حق میں سفارش کرنی جرم ہے۔ اور سخت جرم ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔

(۱۵) ظالموں اور جباروں کو ہدایت نہیں ہوا کرتی۔ ذرھم فی طغیانھم یعمھون، اُن کی سرکشانہ ضلالت کچھ زمانے تک قائم رہے۔ کچھ مدت تک بندوں پر خدائی کرتے رہیں گے۔ آخر خدا کی حجت پوری ہوگی۔ اپنی روش تبدیل کرنے کے لئے انھیں متعدد موقعے دیئے جائیں گے۔ مگر اُن کے استبداد میں کیوں فرق آنے لگا۔ انجام کار سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ حکومت جاتی رہے گی۔ سطوت و عزت فنا ہو جائے گی۔ نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ دنیا میں خدا کی بادشاہی قائم ہوگی۔ اور پھر انھیں مظلوموں کو برکات الٰہی نصیب ہوں گے۔ جن کی آزار رسانی میں ایک دنیا کو مزہ آرہا ہے

(۱۶) فنائے استبداد کے بعد مسلمان کامیاب ہوں گے۔ اُن پر خدا کی رحمت نازل ہوگی۔ زمانہ بھر کی نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔ لیکن بعد کی نسلیں جب خدا کو بھول جائیں گی۔ جب اضطہاد و استعباد رنگ لائے گا۔ جب پھر عزم و ثبات و استقلال میں ضعف آنے لگے گا۔ تو اُن پر بھی تباہی آئے گی۔ کامیابی کے لئے صبر و ثبات و تقویٰ ایک لازمی چیز ہے۔ جو قوم اس کی خوگر نہ ہوگی جس نے قدرت کو اپنے استقلال و اتقا (اعلیٰ کیرکٹر) کا ثبوت نہ دیا ہوگا۔ اسے کامیابی کی توقع ہی نہ رکھنی چاہیئے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین (۳۔ ع ۱۴)	کیا تم اس خیال میں ہو کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ تو ان لوگوں کو جانچا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں۔

اور نہ اُن کا امتحان کیا۔ جو ثابت قدم رہتے ہیں؟

یہ واقعات پیش آنے والے ہیں، اور ضرور پیش آنے والے ہیں۔

فارتقب حتی یاتی اللہ بامرہ

اس میں کامیابی مطلوب ہو تو سلسلۂ عمل کی توسیع، صبر و ثبات کا انضمام اور تقویٰ و طہارتِ نفس کا تعود پیدا کرو۔

لیستخلفنکم فی الارض کما استخلف الذین من قبلکم ولیبدلنکم من بعد خوفکم امناً۔

وقت است کہ وقت بر سر آید

کشف ساق سے قرآن کا مدعا کیا ہے؟

جس وقت کا کھٹکا تھا وہ وقت آگیا آخر، قدرت کاملہ نے اسلام پر کفر کے غالب ہونے کے جو علامات بتلائے تھے۔ ایک ایک کر کے سب پورے ہو رہے ہیں ارباب اقتدار ہم سے مداہنت کے خواہش مند ہیں، اور ہم اُن کی غرض پوری کرتے ہیں۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اٹھاتے ہیں۔ قانون بناتے ہیں۔ مذہبی احترام کا پیغام سناتے ہیں کہ عبادت گاہیں قائم رہیں گی۔ عبادتیں قائم رہیں گی۔ شعائر اللہ قائم رہیں گے۔ مگر کوئی ایک چیز بھی قائم نہیں رہنے پاتی۔ قول و قرار کرتے ہیں۔ ہر بار اُس کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور ہر موقع پر اُس کی یاد دلاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ وعدے وفا ہونے والے نہیں، یہ عہد توڑنے کے لئے باندھے گئے ہیں۔ یہ قانون فسخ و ترمیم کے لئے بنا ہے۔ یہ اعلان اخفائے حقیقت کے لئے ہُوا ہے اس اقرار سے ضرورت کے وقت انکار کی ادائیں بھی نکل سکتی ہیں۔ سب کچھ ہے۔ مگر اس پر بھی ہم اُن پر اعتماد کرتے ہیں۔ اُن کی بات مانتے ہیں، اُن کا حکم مانتے ہیں ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اُن کی خاطر سے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ واقعات و حوادث کی جو لوگ صریح تکذیب کرتے ہوں۔ منع خیر پہ آمادہ ہوں، تعدی و تطاول میں حد سے بڑھ گئے ہوں، احکام اسلام کو پرانے ڈھکوسلے سمجھ رہے ہوں۔ چاہتے ہوں کہ تمام دنیا پر انھیں کا تسلط بیٹھ جائے۔ سارا زمانہ انھیں کا حلقہ بگوش رہے، اور تسلط و اقتدار

کے دائرے سے کوئی غریب مسکین آبادی بھی مستثنیٰ نہ رہنے پائے، ایسے لوگوں کی اطاعت ممنوع ہے۔ اور اگر ہم خود اس حکم کی اطاعت کریں گے، تو ہمارا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو ان سرکشوں کا ہوگا

خطرات فراہم ہو رہے ہیں۔ دل بندھ رہا ہے۔ گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ مطلع مکدر ہے۔ کڑک اور کوندے کی پیشین گوئی سننے والے کان بہرے ہو گئے ہیں طوفان احساس کو روکنے کے لئے آگ اور تلوار سے بند باندھے جا رہے ہیں۔ جذبات کا اظہار معصیت ہے، جرم ہے، گناہ ہے، اکبر الکبائر ہے، وہ پاک ہستیاں محل نقد میں کیوں کر آسکتی ہیں۔ جن کے رنگ و روغن خون میں نہا نہا کے نکھرے ہیں۔ وہ جو کہیں حق ہے، جو کریں عدل ہے، من حیث خرجت فول وجهك شطر ۔۔۔ ولا تكن اول كافر بهم۔

آنے والی خطرناک گھڑی کی ساعتیں کھل چکی ہیں۔ بصارتیں جھک گئی ہیں۔ اب چہروں پر ذلت کا چھا رہنا باقی ہے "سن لیجیے کہ وہ بھی مساوات ہو گئی" یہ کوئی فرض وحدس یا ظن وتخمین کی باتیں نہیں ہیں۔ ان کی پیش خبری خود کلام الٰہی میں موجود ہے۔ سورۂ قلم میں ہے۔

فستبصر ویبصرون، بایکم المفتون؛ ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين

عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ کفار بھی دیکھ لیں گے کہ تم دونوں فریقوں میں کونسا فریق جنون طاری ہے، بے شک تمہارا پروردگار ہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور وہی ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ جو راہ راست پر ہیں۔

فلا تطع المكذبين، ودوا لو تدهن فيدهنون، ولا تطع

تم جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا۔ ان کے کہے میں آجانا۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم مداہنت کرو

كل حلاف مهين، هماز مشاء بنميم، مناع للخير معتد اثيم عتل بعد ذلك زنيم ان كان ذا مال وبنين اذا تتلى عليه اياتنا قال اساطير الاولين سنسمه على الخرطوم.

اور ڈھیل دو تو وہ بھی ملائم پڑ جائیں۔ خبردار! تم کسی ایسے کی اطاعت نہ کرنا، اور نہ اُس کی بات ماننا، جو بہت ساری قسمیں کھاتا ہے، آبرو باختہ ہے، لوگوں پر آوازے کسا کرتا ہے، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، اچھے کاموں سے لوگوں کو روکتا ہے۔ حد سے بڑھ گیا ہے۔ بدکار ہے۔ اکھڑ ہے۔ اور ان عیوب کے علاوہ بداصل بھی ہے، اس بنا پر کہ وہ مال و اولاد والا ہے، جب ہماری آیتیں اُس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ "یہ تو اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں" اچھا دیکھیو تو! ہم عنقریب اُس کے ناک پر داغ لگائیں گے۔

انا بلوناهم كما بلونا اصحاب الجنة اذ اقسموا ليصرمنها مصبحين، ولا يستثنون فطاف عليها طائف من ربك وهم نائمون، فاصبحت كالصريم،

جس طرح ہم نے ایک باغ والوں کو آزمایا تھا، اُسی طرح ہم نے ان کافروں کی بھی آزمائش کی ہے۔ اُن باغ والوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ "صبح ہوتے ہی ہم اُس کے میوے ضرور توڑ لیں گے، اور اس میں کوئی استثنا بھی نہ ہونے پائے گا" وہ سونے کے سوتے ہی رہے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے باغ پر ایک ایسی بلا چھا گئی کہ صبح ہوتے ہوتے وہ بالکل ہی خالی رہ گیا۔ جیسے کوئی سارے میوے توڑ لے گیا ہو۔

فتنادوا مصبحين ان اغدوا على حرثكم ان كنتم صارمين فانطلقوا وهم يتخافتون ان لا يدخلنها اليوم عليكم مسكين،

سویرے جب وہ لوگ اٹھے تو ایک دوسرے کو آواز دی کہ "تم کو میوے توڑنے ہیں تو اٹھو تڑکے سے باغ میں جا پہنچو" لوگ اٹھے اور چل کھڑے ہوئے آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ "دیکھنا! آج کوئی غریب آدمی باغ کے اندر تمہارے پاس نہ آنے پائے"

وغدوا علیٰ حرد قادرین
فلما راوھا، قالوا: انا
لضالون، بل نحن محرومون'
قال اوسطھم، الم اقل
لکم لولا تسبحون؛ قالوا
سبحان ربنا انا کنا ظالمین

غرض یہ سمجھ کر کہ بس اب جاتے ہی سارے میوے توڑ لیں گے، ساز و سامان سے چلے اور سویرے پہنچ گئے۔ باغ کو جب دیکھا کہ اجڑا پڑا ہے تو کہنے لگے کہ "معلوم ہوتا ہے ہم راستہ بھول گئے، نہیں راستہ تو یہی ہے ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی" آخر اُن میں جو شخص سب سے اچھا تھا اُس نے کہا کہ "میں تم سے کہتا نہ تھا کہ خدا کی تسبیح و تقدیس کیوں نہیں کرتے؟" ناچار سب کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا۔ کہ "ہمارا پروردگار پاک ہے۔ ہمیں ظالم تھے۔"

فاقبل بعضھم علیٰ بعض
یتلاومون، قالوا یاویلنا
انا کنا طاغین، عسیٰ ربنا
ان یبدلنا خیرا منھا،
انا الیٰ ربنا راغبون۔
کذلک العذاب، ولعذاب
الاٰخرۃ اکبر، لو کانوا یعلمون

یہ سب ہو چکا تو اُن میں ہر ایک شخص دوسرے کے منہ پر ملامت کرنے لگا کہ "افسوس! ہمیں حد سے بڑھ گئے تھے، شاید ہمارا پروردگار اس کے بدلے کوئی اس سے اچھا باغ ہم کو عنایت کرے۔ اب ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔" ظالموں پر ایسا ہی عذاب آیا کرتا ہے۔ اور انجام کار جو عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اگر اُس کی حقیقت جان لیں تو معلوم ہو گا کہ وہ اس سے بھی بڑا اور بہت بڑا عذاب ہے۔

ان للمتقین عند ربھم
جنات النعیم۔
افنجعل المسلمین
کالمجرمین؛ ما لکم
کیف تحکمون؟ ام لکم
کتاب فیہ تدرسون

جن لوگوں میں تقویٰ (اسلامی کیرکٹر) ہے اُن لوگوں کے لیے بیشک انکے پروردگار کے پاس نعمت اور برکت والے باغ ہیں۔ کیا ہم مسلمانوں کو گناہگاروں کے برابر کر دیں گے؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیسے حکم لگایا کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھتے

ان لكم فيه لما تخيرون ؟
ام لكم ايمان علينا بالغة
الى يوم القيامة ان لكم لما
تحكمون ؟ سلهم ايهم
بذلك زعيم ؟ ام لهم
شركاء ؟ فليأتوا بشركائهم
ان كانوا صادقين ؟
يوم يكشف عن ساق و
يدعون الى السجود فلا
يستطيعون ، خاشعة
ابصارهم ترهقهم ذلة
وقد كانوا يدعون الى
السجود وهم سالمون ،
فذرني ومن يكذب بهذا
الحديث ، سنستدرجهم
من حيث لا يعلمون ، و
املي لهم ان كيدي متين
ام تسألهم اجراً فهم من
مغرم مثقلون ؟ ام
عندهم الغيب فهم
يكتبون ؟
فاصبر لحكم ربك ولا
تكن كصاحب الحوت

ہو کہ جو تم پسند کرو گے وہی تمہیں ملیگا؟ یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو روزِ قیامت تک چلی جائیں گی کہ تم جس چیز کی فرمائش کرو گے وہی تمہارے لئے موجود کر دی جائے گی؟ ان لوگوں سے پوچھو کہ ان میں کون اس کا ذمہ دار ہے؟ کیا ان لوگوں کے اور بھی شرکائے خدا ہیں؟ اگر ہیں اور یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو لائیں، حاضر کریں؟ -

وہ دن آنے والا ہے جبکہ ساق کھلے گی - اور ان لوگوں کو سرفگندگی کی دعوت دی جائے گی - مگر اس وقت ان میں اتنی قدرت و استطاعت کہاں؟ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، صورتوں پر ذلت چھا رہی ہوگی یہ وہی لوگ ہیں کہ پہلے جب انھیں سر جھکانے کو کہا جاتا تھا تو اس وقت یہ اچھے خاصے صحیح و سالم تھے - ہم کو اور ان لوگوں کو جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں اپنے اپنے حال پر رہنے دو، ہم اس طرح پر کہ انھیں خبر بھی نہ ہو - آہستہ آہستہ ان کو گھسیٹتے اور ڈھیل دیتے چلے جا رہے ہیں - بیشک ہماری تدبیر نہایت پختہ و محکم ہے -

یہ بات کیا ہے؟ یہ اس قدر سرگراں کیوں ہیں؟ کیا تم ان سے کسی بات کی اجرت مانگتے ہو کہ اسکے تاوان سے یہ دبے جا رہے ہیں؟ یا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں - اور یہ ان کو لکھ لیا کرتے ہیں؟ بہرحال تم

اذ نادیٰ وھو مکظوم۔ لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم، فاجتباہ ربہ فجعلہ من الصالحین

(۶۸ - ۲ - ۲۷)

اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ثابت قدم بنے بیٹھے رہو اور اُس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ، جس نے مغموم ہو کر خدا کو آواز دی تھی، پروردگار عالم کا فضل و کرم اگر اس کی دستگیری نہ کئے ہوتا تو بڑے برے حالوں میں فضائے زمین پر پھینکا ہوا پڑا رہتا۔ لیکن پروردگار کو بندہ نوازی منظور تھی اُس نے نوازش کی اور پھر اپنے صالح بندوں میں (جو نیک وبہتر زندگی بسر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں) اُس کو شامل کر لیا۔

(۱)

کشف ساق (پنڈلی کھولنے) کی تشریحی کیفیت کیا ہے؟ روایت میں ہے۔

(۱) قیامت کے دن مخلوقات کے روبرو خدا ممثل ہو گا، مسلمان سامنے سے گزریں گے۔ سوال ہو گا۔ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ کہیں گے خدا کی، خطاب ہو گا۔ تم خدا کو پہچانتے ہو؟ کہیں گے، "پہچنوائے گا تو کیوں نہ پہچانیں گے،" یہ سُن کر خدا اپنی ساق کھول دے گا۔ جتنے مسلمان ہوں گے دیکھتے ہی سجدے میں سر جھکا دیں گے۔ منافقین کا گروہ سر جھکانا چاہے گا تو پیٹھ سخت ہو جائے گی۔ یہ فرق امتیازی مسلمانوں کو منافقوں سے متمائز کر دے گا۔[1]

(۲) قیامت کے دن کفار و مشرکین کے روبرو اُن کے بُت لائے جائیں گے کہ دیکھو تم انھیں کو پوجتے تھے، اب انھیں کے ساتھ جاؤ دوزخ میں چلو۔ پھر مسلمانوں کی

---

[1] محمد بن بشار قال ثنا سفیان عن سلمۃ بن کھیل قال ثنا ابو الزعراء عن عبد اللہ قال یتمثل اللہ للخلق یوم القیامۃ۔ الخ

نوبت آئے گی۔ خدا اپنی ساق اُن کے لئے کھول دے گا۔ سب کے سر جھک جائیں گے منافقین سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس لئے جہنم میں گھر جائیں گے[۱]

(۳) اہلِ قیامت خدا کے روبرو چالیس برس تک ٹکٹکی باندھے کھڑے رہیں گے۔ برہنہ سر، برہنہ پا، برہنہ جسم، عرق عرق، چالیس برس تک اسی عالم میں رہیں گے۔ مگر کوئی بات تک نہ کرے گا۔ آخر میں خدا کی ساق کھل جائے گی۔ اور پشیانیاں دفعتاً سجود ہو جائیں گی[۲]

(۴) قیامت میں منادی ہو گی کہ ہر گروہ اپنے اپنے سرگروہ کے ساتھ ہو لے بت پرست بتوں کے ساتھ، باطل پرست اپنے اپنے حقیقت پیشواؤں اور دیوتاؤں کے ساتھ ہولیں گے۔ اور سب آگ میں جھونکے جائیں گے۔ خاصانِ بارگاہ جب باقی رہیں گے تو خدا اپنی صورت بدل دے گا۔ ساق کھل جائے گی۔ اور منافقین کے علاوہ تمام اہلِ اسلام سربسجود ہو جائیں گے[۳]

---

[۱] یحیی عن طلحۃ الیربوعی قال ثنا شریک عن الاعمش عن المنہال بن عمرو عن عبد اللہ بن مسعود قال الخ۔

[۲] ابو کریب قال ثنا الاعمش عن المنہال بن قیس بن سکن قال حدثنی عبد اللہ وھو عند عمر یوم یقوم الناس لرب العالمین قال الخ

[۳] موسی بن عبد الرحمٰن المسروقی قال ثنا جعفر بن عون قال ثنا ھشام بن سعد قال ثنا زید بن اسلم عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ الخ

وھذہ الروایات بعضھا واھیۃ وبعضھا من ضعاف الاخبار، لا یثبت منھا حقیقۃ ولا یسمن ولا یغنی من جوع وقد اکتفینا علی سرد مصادر طرقھا خوفا للفضول واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

انھیں روایتوں میں اس عجیب و غریب پل (صراط) کا تذکرہ بھی ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ پتلا ہوگا۔ جہنم کے زبانے شرر افشاں ہی کررہے ہوں گے۔ آگ کا دریا لہریں مار رہا ہوگا۔ یہ پل اسی کے وسط میں ہوگا۔ جس کو عبور کرنے پر باغ بہشت کی فضا ملے گی۔ تاریکی قیامت کی محیط ہوگی۔ اس عالم میں پل پر سے گزرنا پڑے گا۔ جو ایماندار ہوں گے وہ تو انوار الٰہیہ کی روشنی میں اس مسافت کو طے کریں گے۔ مگر اہلِ کفر کے لئے روشنی کہاں؟ من لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور، بے چارے پل پر سے کٹ کٹ کے گریں گے۔ اور دوزخ میں پڑیں گے۔

اسلام کے علمی زمانے میں ان روایتوں کے اخذ ورد میں کافی بحث ہوچکی ہے۔ لیکن جب روایتیں ہی سرے سے مقطوع الاسانید ہوں، متہم الوضع ہوں۔ بدیہی البطلان ہوں۔ صدوق و ثقہ رواۃ نہ رکھتی ہوں، تو ان کو روایت سمجھنا اور ان سے استدلال کرنا ہی غلط ہے۔ خوش فہموں کو اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے اگر انھیں روایتوں کا سہارا ہے تو اہلِ نظر کو جواب دینا کیا ضرور ہے۔

گو تو خوش باش کہ ما گوش بہ احمق نہ کنیم

(۲)

کشف ساق کے الفاظ ادبیات عرب میں کس معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں؟ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے پہلے دو خاص مقدمے ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

(۱) ہر زمانے، ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان کے خاص خاص محاورے ہوتے ہیں۔ روحانیت کے ساتھ کمال اتصال کو تورات کے محاورے میں خدا سے لڑنے اور کشتی کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن ترحم و اشفاق کو آسمان کا رونا

کہتا ہے۔ اُردو میں انکار کے لئے کانوں پر ہاتھ رکھنا مستعمل ہے۔ حریفوں کو پامال کرنے کے لئے ایران کے قدیم محاورے میں "دشمن گزائی" کا استعمال تھا۔ اختلاط و اقدام کے لئے "باز و بر افراختن" کہتے تھے، ونحو ذالک، ان سب میں محاورے کے اطلاق کو دیکھتے تھے، الفاظ کے اصلی معنیٰ سے بحث نہ تھی۔

(۲) اسلوب تعبیر کی دو حیثیتیں ہیں (الف) حقیقت (ب) مجاز۔ محل حقیقت و مجاز میں مختلف مناسبتیں ہوا کرتی ہیں۔ جن سے ایک ہی لفظ جو پہلے کسی اور معنی کے لئے مستعمل تھا۔ اب ایک جداگانہ معنی میں استعمال ہو سکتا ہے قرآن کریم ایک خاص مقام پر کہہ رہا ہے۔

مایکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم، ولا ادنی من ذالک ولا اکثر الا ھو معھم. (۵۸ - ع - ۲)	جہاں کہیں تین شخص گرم راز و نیاز ہوں وہاں اُن کا چوتھا خدا ہے۔ پانچ ہوں تو اُن کا چھٹا شریک خدا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ جس تعداد میں بھی ہوں، خدا اُن کے ساتھ ہے۔

یہ حقیقت اس مجاز سے وابستہ تھی کہ تین ہم صحبتوں کا چوتھا شریک اور پانچ شرکائے مجلس کا چھٹا جلیس اُن کے مکالمہ سے آگاہ ہوتا ہے۔ اُن کی رازداریاں اس پر منکشف ہو سکتی ہیں۔ اور وہ اُن کے خفایائے امور کو سن اور سمجھ سکتا ہے۔ آیت کا بھی یہی مدعا تھا۔ اور اس کے لئے اس سے بہتر اسلوب ممکن نہ تھا۔

ایک دوسری آیت یاں ہے۔

واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ (۹ - ع - ۳)	خوب جان رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے مابین خدا حائل ہو جایا کرتا ہے۔

دل اور جسم کے مابین حائل ہونے والے سے بڑھ کر اور کون ہے جسے مخفی نیتوں کا حال معلوم ہو سکے ؟ یہاں بھی جناب الٰہی کی یہی غرض تھی۔ لہٰذا حقیقت اس مجاز

کے لباس میں نمودار ہوئی۔

ایک اور موقعہ پر ہے۔

واللہ لایستحیی من الحق (۳۳-۵۳) خدا کو اظہار حق میں کوئی شرم نہیں۔

شرم (حیا) کی حقیقت یہ ہے کہ طبیعت میں ایک ایسا انکسار و انفعال پیدا ہو کہ ارتکاب قبائح سے نفس کو روک دے۔ ظاہر ہے کہ شانِ الوہیت اس حقیقت سے نہایت ارفع ہے۔ لیکن تجوز کے لئے یہاں ایک مجازی مناسبت موجود تھی۔ یعنی شرمیلی طبیعتیں جس چیز سے حیا کرتی ہیں اُس کو ترک کر دیا کرتی ہیں۔ اس طریق تعبیر کو برتے کر قرآن نے بتایا کہ شرم کرنے والے تو شرم کی بات کو ترک کر دیتے ہیں۔ مگر خدا کی بارگاہ اس سے بہت پرے ہے۔ وہاں حقیقت حیا کی سمائی نہیں۔ کہ حیا کرنے والوں کی طرح وہ بھی اظہارِ حق کو چھوڑ بیٹھے۔

ایک مشہور آیت ہے۔

الرحمٰن علی العرش استویٰ (۲۰-۴) خدا تخت پر کھڑا ہوا

کھڑے ہونے (استواء) کی حقیقت میں استیلاء کا مجاز مضمر تھا۔ اب بھی محاورے میں کہتے ہیں۔ بلغاریا کا تخت متزلزل ہو گیا۔ یعنی اس کے استیلاء میں ضعف آ گیا۔ پہلی صدی کا ایک عرب شاعر کہتا ہے

قد استوی بشر علی العراق   من غیر سیف ودم مھراق

عہد اموی کا رکن سلطنت (امیر بشر) بغیر اس کے کہ تلوار چلائے یا خون بہائے عراق کے تخت پر کھڑا ہو گیا

قرآن کو بھی یہ حقیقت اسی مجاز کے اسلوب میں نمایاں کرنی تھی۔

سورۂ رحمان کی ہیبت ناک وعید ہے:۔

سنفرغ لکم ایھا الثقلان   اے دونوں جماعتو ہم عنقریب تمہارے لئے خالی

ہو کر فراغت کیا چاہتے ہیں۔

فارغ ہونے اور خالی ہو بیٹھنے کی حقیقت اس مجاز نے منقح کر دی کہ جن لوگوں کے مشاغل کثیر ہوتے ہیں۔ وہ کوئی خاص مہتمم بالشان کام کرنا چاہیں تو اس مشغولیت کے عالم میں خاطر خواہ نہ کر سکیں گے، اس کے لئے انھیں ایک مخصوص وقت نکالنا ہو گا۔ مفہوم کو دل نشیں بنانے کے لئے قرآن کریم نے بھی اس تجوز کو لے لیا۔ کہ لوگو! خبردار رہو، تمہارا حساب کرنے کے لئے ہم عنقریب ایک خالی وقت نکالنے کو ہیں۔ کہ اچھی طرح محاسبہ ہو اور کافی امتحان و اختبار ہو جائے۔

(۳۷)

کشف ساق سے مراد کیا ہے؟ علامہ ابن جریر اس کا جواب دیتے ہیں۔

قال جماعۃ من الصحابۃ و التابعین من اھل التاویل یبدو من امر شدید... وکان ابن عباس یقول کان اھل الجاھلیۃ یقولون کشفت الحرب عن ساق لہ ... وعن عکرمۃ فی قولہ یکشف عن ساق، قال ھو یوم کرب، وذکر عن ابن عباس انہ کان یقرأ ذلک یوم تکشف عن ساق، بمعنی یوم تکشف القیامۃ عن شدۃ شدیدۃ،

مفسرین صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت "وہ دن جب ساق کھلے گی" کے معنی یہ ہیں کہ امر شدید ظاہر ہو گا .... عبد اللہ بن عباس اس کی مثال میں کہا کرتے تھے۔ عہد جاہلیت کا محاورہ تھا کہ جنگ نے اپنی ساق سے ازار کو اٹھا لیا۔ یعنی پوری طرح لڑائی چھڑ گئی......... عکرمہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی روایت ہے، کہ وہ دن کرب و سختی کا دن ہو گا۔ ابن عباس، اس آیت کو یوں بھی پڑھتے تھے کہ "وہ دن جب ہم ساق کھول دیں گے۔"

لہ تفسیر ابن جریر۔ ج ۲۹۔ ص ۲۱

والعرب تقول کشفت ھذا الامر عن ساق اذا صار الی شدۃ[1]

یعنی بڑی سختی برپا کریں گے۔ جب کوئی بات نہایت سخت ہو جاتی ہے تو اہل عرب کہتے ہیں: اس بات کی ساق کھل گئی۔

عز بن عبدالسلام لکھتے ہیں۔

ھو مجاز عن مبالغتہ فی حساب اعداء اللہ واھانتھم وخزیھم وعقوبتھم، فان العرب یقولون لکل من جد فی امر وبالغ فیہ کشف عن ساقہ، واصلہ ان من جد فی عمل من الاعمال، حرب او غیرھا، فانہ یشمر الذیل عن ساقہ کیلا یعوقہ عن جدہ وسرعۃ حرکتہ فیما جد فیہ[2]

آیت کے معنی مجازی ہیں، مراد یہ ہے کہ دشمنانِ خدا کے محاسبہ و تذلیل و رسوائی و تعذیب میں مبالغہ ہوگا۔ جب کوئی شخص کسی کام میں نہایت مبالغے کے ساتھ کوشش کرتا ہے۔ تو اہلِ عرب کہتے ہیں: اس نے اپنی ساق کھول دی۔ اس کی اصلیت یوں ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی بڑے کام میں سرگرم ہوتا ہے۔ خواہ جنگ ہو یا کوئی اور کام ہو، تو ازار کو اوپر چڑھا لیتا ہے کہ تیزی و سرگرمی کے ساتھ جو کام کرنا چاہتا ہے اس میں حرج واقع نہ ہو۔

اس تشریح نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ حدیث میں دامن جھاڑتے ہوئے چلنے کی نسبت جو وعید وارد ہے کہ :- من جر ازارہ بالخیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ (جو شخص غرور و تکبر سے تہبند کے دامن جھاڑتے ہوئے چلے گا۔ قیامت میں خدا اس کی جانب ملتفت نہ ہوگا) کا مفہوم اس

---

[1] ابن جریر ص ۲۴

[2] الاشارۃ الی الایجاز فی بعض انواع المجاز طبع قسطنطنیہ سنہ ۱۳-۱۳، ص ۱۱۔

ممانعت ہی پر حاوی نہیں ہے کہ تہہ بند یا عبائیں یا پاجامے اس قدر نیچے نہ پہنے جائیں کہ موریاں قدم کو چھپا لیں، اور زمین پر لوٹتی چلیں۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ مدعا بھی مضمر ہے کہ مسلمان کو مخمور نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ فرطِ غرور سے اُس کے لئے غافل رہنا زیبا ہے، خدا کتنی ہی دولت دے، کیسی ہی ثروت ملے۔ کتنی کچھ منزلت بلند ہو۔ مگر اُس کو ہر حال میں ہوشیار رہنا لازم ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں مشکلیں پیش آنے والی ہوں وہ اُن کے حل کرنے کے لئے پہلے سے آمادہ و مستعد رہے۔ عہدِ جاہلیت کے مشہور سخن سنج (درید بن الصمہ) کے کلام میں یہی مفہوم مخفی ہے۔

کمیش الازار خارج نصف ساقہ

ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اہل عرب جن کو ارتداد گوارا تھا، ترکِ ملک و مال گوارا تھا، درۂ عمریہ کا مقابلہ گوارا تھا۔ مگر تہ بند کا ٹخنے کے اوپر رکھنا گوارا نہ تھا۔ وہ نصف ساق کے تہ بند پہنتے رہے ہوں گے؟

(۴)

مزید تشریح کے لئے مسئلہ کو یوں سمجھنا چاہیئے۔

(الف) بے شبہ خدا کے ساق نہیں ہے۔ لیکن جنگ کے بھی تو ساق نہیں ہے۔ بایں ہمہ اہلِ عرب کہتے ہیں۔

کشفت لھم عن ساقھا وبدا من الشر الصراح

(جنگ نے اُن لوگوں کے روبرو اپنی ساق کھول دی۔ اور صاف اصریح خطرہ نمایاں ہوگیا)

(ب) خطرے کے دانت بھی نہیں ہوتے، مگر ادبیاتِ عرب کا مشہور و معروف شعر ہے۔

قوم اذا الشر ابدیٰ ناجذیہ لھم طاروا الیہ زرافات ووحدانا

(یہ وہ لوگ ہیں کہ جہاں خطرے نے انھیں اپنے دانت دکھائے کہ اُس کی جانب دو دو ایک ایک کرکے اُڑ چلے)

(ج)، موت کے ناخن بھی تو نہیں ہوتے، مگر ابو ذویب ہذلی کہتا ہے:-

و اذا المنیۃ انشبت اظفارھا الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

(موت نے جہاں اپنے ناخن مارے کہ پھر تم کسی ٹونے ٹوٹکے کو سود مند نہ پاؤ گے)

(د)، نرمی و نرم دلی (ذلت)، کے بھی تو پر نہیں ہوتے جیسے نیچے لاسکیں یا اوپر اُٹھا سکیں۔ مگر اس آیت میں ہے:-

واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ (۱۷-۲۴) باپ ماں کے لئے مہربانی کے ساتھ نرمی و ملائمت کے پر نیچے کرو یعنی بچھا دو۔

(لا) قرآن کے ہاتھ بھی تو نہیں ہیں۔ مگر قرآن خود کہہ رہا ہے:-

مصدقا لما بین یدیہ قرآن کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں جو چیز ہے۔ یعنی تورات و انجیل جو اس کے روبرو ہے، وہ اُس کی تصدیق کر رہا ہے۔

(و) کفر بھی تو ہاتھ نہیں رکھتا، مگر اُن کے تذکرے میں ہے:-

ذلک بما قدمت یداک یہ کیفیت تیرے دونوں ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔

(ز) عذاب بھی تو کوئی مجسم ہیکل نہیں ہے کہ اُس کے ہاتھ پاؤں ہوں۔ مگر قرآن کا بیان ہے:-

انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید سخت عذاب کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں پڑنے سے میں تم کو ڈراتا ہوں۔

(ح) ملکیت رکھنے والوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ جن کے داہنے ہاتھ کٹے ہوں یا سرے سے بنے ہی نہ ہوں۔ خدا یہ سب کچھ جانتا ہے اور پھر بھی کہتا ہے۔

او ما ملکت ایمانکم   یا وہ جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہوئے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ اُردو زبان کے ایک شاعر کے لئے جب یہ
ادبی معذرت قابل پذیرائی ہے کہ :۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو   بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام   چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

تو اہل نظر کی اس تحقیق پر کیوں نہ لحاظ کیا جائے کہ :۔

الغرض من ھذا انہ قد یعبر بالجوارح عن معان لا یصح ان یکون خارجتے [۱]   غرض یہ ہے کہ تعبیر کلام میں اعضائے جوارح کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اُس سے وہ معانی مراد لیتے ہیں۔ جن کا اصل مفہوم سے الگ ہونا درست نہیں۔

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ سورۂ نون والقلم کی مشہور آیت یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون (وہ دن آنے والا ہے جبکہ ساق کھلے گی اور لوگوں کو سرافگندگی کی دعوت دی جائے گی۔ مگر اُس وقت ان میں اتنی قدرت و استطاعت کہاں ؟) کی تفسیر میں راویان اخبار و آثار نے کیا کچھ اختلافات کئے ہیں ــــ

چار مختلف فصول میں ان مباحث کا استقصا ہو چکا ہے کہ :ــ
(۱) کشف ساق کے یہ معنی کہ قیامت میں فی الواقع خدا کی ساقیں کھل جائیں گی صحیح نہیں، جن روایتوں سے اس مفہوم کو تقویت دیجاتی ہے علم اصول ان کو

---

[۱] کتاب الاشارہ ص ۱۲۲۔

خود قابل استناد نہیں سمجھتا۔

(۲) ادبیات عرب میں عام قاعدہ ہے کہ الفاظ کچھ اور ہوتے ہیں مگر محاورے میں اُن کے کچھ اور ہی معنی لئے جاتے ہیں۔ طریق تعبیر کی بیشتر حقیقیتیں مجاز سے وابستہ ہیں جن کو لفظوں کے ساتھ کچھ ایسا زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔

(۳) ادبیات عرب میں کشف ساق کے معنی نہایت سخت خطرہ (امر شدید) نمودار ہونے کے ہیں۔

(۴) کشف ساق سے اگر خدا ہی کی ساق کا نمودار ہونا مراد ہو جب بھی اس کے معنی تجسم نہ ہوں گے۔ کیوں کہ قرآن کریم، نیز کلام جاہلیت جس میں قرآن اُترا ہے۔ اور جو اُس کے انداز بیان کی نظیر ہے، اس مدعا کی تائید سے خاموش ہیں۔ یا یوں کہیے کہ اسلوب عربیت اس قسم کے الفاظ کو اپنے اصلی معانی پر محمول نہیں کرتا۔ یہ چاروں موضوع استیعاب ذکر د استیفائے نظر کی حدیں آچکے ہیں لیکن مسئلے کی اہمیت کا ہنوز یہی اقتضا ہے کہ "کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے۔" تکمیل بیان کے لئے بقیہ مباحث قابل لحاظ ہیں

(۵)

قرآن کریم میں لفظ ساق تین مقام پر وارد ہے:۔

(الف) سورۂ نون: القلم میں جس پر بحث ہو چکی اور ہنوز ہو گی۔

وجوہ یومئذ ناضرۃ، الی ربھا ناظرۃ، ووجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ، کلا اذا بلغت التراقی، وقیل من راق وظن انہ الفراق، والتفت الساق

اُس دن بہتوں کے منھ تر و تازہ ہونگے جو اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اور بہتیرے منھ اُس روز بُرے بن رہے ہونگے۔ اُن کو گمان ہوگا کہ ایسی سختی اُن کے ساتھ ہونے والی ہے کہ اُن کی کمر توڑ دے گی۔ خوب سمجھ لو یہ جب

بالساق الی ربک یومئذ المساق (۷۵-۱۱ و ۱۲) — ہنسلی تک جان آپہنچے گی۔ اور لوگ چلا اٹھیں گے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے؟ ...... یقین ہو جائے گا کہ یہ مفارقت کا وقت ہے اُس وقت پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ تو یاد رکھ کہ اُسی دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا۔

اس آیت میں التفت الساق بالساق (پنڈلی سے پنڈلی مل جائے گی) کی تفسیر کئی طریقوں پر کی گئی ہے، بعض حدیثیں اس مفہوم کی مروی ہیں کہ التفاف ساق سے شدت امر مراد ہے۔ ان میں دو خاص حدیثیں یہ ہیں:-

قولہ:- والتفت الساق بالساق یقول:- آخر یوم من الدنیا و اول یوم من الاخرۃ، فتلتقی الشدۃ بالشدۃ الا من رحم اللہ[۱] — آیت کے یہ الفاظ کہ "پنڈلی سے پنڈلی مل جائے گی۔" اس میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ دن دنیا کا سب سے پچھلا اور آخرت کا پہلا روز ہوگا۔ اس روز سختی سے سختی بھڑ جائے گی۔ ہاں جس پر خدا رحم کرے وہ البتہ اس سے محفوظ ہوگا۔

یقول التفت الدنیا بالاخرۃ و ذلک الساق عند الموت الم تسمع انہ یقول:- الی ربک یومئذ المساق[۲] — اُس دنیا و آخرت میں تصادم ہوگا۔ اور دنیا و آخرت کا یہی حال بھی ہے۔ اس مطلب کی تائید کیا تم نے آیت کا یہ جزو نہیں سنا کہ "وہی روز ہوگا کہ تمہیں اپنے پروردگار کے حضور میں چلنا ہوگا؟"

التفاف ساق کی دوسری تاویلیں بھی کی گئی ہیں۔ مگر ابن جریر کی نقادانہ نظر میں یہ سب مجروح ہیں، لکھتے ہیں:-

---

[۱] علی قال ثنا ابو صالح قال ثنی معاویہ عن علی عن ابن عباس قولہ الخ۔
[۲] محمد بن سعد قال ثنی ابی عن ابیہ عن ابن عباس الخ۔

اولی الاقوال فی ذلک بالصحة عندی قول من قال: معنی ذلک والتفت ساق الدنیا بساق الآخرة وذلک شدة کرب الموت بشدة هول المطلع، والذی یدل علی ان ذلک تاویله، قوله: الی ربک یومئذ المساق، والعرب تقول لکل امر اشتد: قد شمر عن ساقه وکشف عن ساقه ...... عنی بقوله التفت الساق بالساق: التصقت احدی الشدتین بالاخری کما یقال للمرأة اذا التصقت احدی فخذیها بالاخری لفاء[1]

میرے نزدیک اس باب میں بہتر و صحیح قول اُن مفسرین کا ہے۔ جو آیت کے معنی یہ بتلاتے ہیں کہ دنیا کی ساق آخرت کی ساق سے مل جائے گی مطلب یہ ہے کہ موت کی شدت و کرب ہول مطلع کی شدت سے دوچار اس مفہوم کی دلیل خود اسی آیت کا پچھلا جزو ہے کہ اُس دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا" خطرہ جب بڑھ جاتا ہے۔ اور بات سخت ہو جاتی ہے تو اہل عرب کہتے ہیں "فلاں امر کی ساق سے دامن اٹھ گیا" یا اُس کی ساق کھل گئی" .... آیت میں ایک ساق کے دوسری ساق سے مل جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک سختی دوسری طرح کی شدت سے پیوست ہو گئی۔

جس طرح کسی عورت کی ایک ران دوسری ران سے پیوستہ ہو گئی ہو تو اُسے لفاء (باہم پیوستہ ہو جانے والی) کہتے ہیں۔

(ج) سورہ نمل میں جہاں ملکہ سبا کو خطاب کیا گیا ہے۔

قیل لها ادخلی الصرح فلما رأته حسبته لجة وکشفت عن ساقیها قال انه صرح ممرد من قواریر

ملکہ سبا سے کہا گیا کہ محل کے اندر آؤ۔ اُس نے محل کو دیکھا تو پانی سمجھی اس خیال سے اپنی دونوں پنڈلیاں اُس نے کھول دیں، سلیمان

---

[1] ابن جریر۔ ج ۲۹ ص ۱۰۷۔

(۲۷-۳۶-۲۷) نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو شیش محل ہے۔

اس آیت میں کشف ساق کے معنی عام مفسرین نے پنڈلی کھولنے کے لیئے ہیں۔ مگر امام رازی نے طبعاً دو تین باتیں اور بھی بیان کی ہیں فرماتے ہیں:-

(۱) انما فعل ذٰلک لیزیدھا استعظاما لامرہ	(۱) حضرت سلیمان نے شیش محل اسلیئے بنوایا تھا کہ ملکہ سبا کی نظر میں اُن کی عظمت بڑھ جائے
(۲) کان المقصود من الصرح تھویل المجلس و تعظیمہ	(۲) تعمیر محل سے مجلس کو خوفناک و با عظمت دکھانا مقصود تھا۔
(۳) حسبت ان سلیمان علیہ السلام یغرقھا فی اللجۃ ۱؎	(۳) ملکہ سبا سمجھی کہ حضرت سلیمان اُس کو پانی میں غرق کیا چاہتے ہیں۔

یہ تاویلیں اگر صحیح ہیں تو ان کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ملکہ سبا کو مرعوب کرنے اور اُس کے دل پر اپنی ہیبت و عظمت کا سکہ بٹھانے کے لیے شیش محل تعمیر کرایا ہوگا ملکہ سبا اُسے دیکھ کر پانی سمجھی اور خیال کیا کہ سلیمان نے بد عہدی کی۔ یہاں بلا کر تو مجھے غرق کیا چاہتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی ساق کھول دی۔ یعنی غیض میں آگئی۔ گھبرا اٹھی، ناراضی و ناخوشی بڑھ گئی۔ سخت ہوگئی۔ خطرہ پیدا ہوگیا۔ حضرت سلیمان نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا:-

یہ پانی کا تموج نہیں ہے شیش محل کا سراب ہے۔ ملکہ یہ سن کر پچھتائی، اپنی بدگمانی سے پشیمان ہوئی اور کہا۔

رب انی ظلمت نفسی و اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین	میرے پروردگار! میں نے (یہ بدگمانی کرکے) اپنی جان پر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ

۱؎ تفسیر کبیر۔ ج ۵۔ ص ۸۹۔

(۲۷-۴۴) ہو کر رب العالمین کے لئے مسلمان ہوتی ہوں۔

یہ مطلب اگر صحیح ہے تو حضرت سلیمان پر یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے کیوں ایسی ترکیب کی کہ ایک پرائی عورت اپنی پنڈلیاں کھول دے اور وہ اُسے دیکھیں؟

جب ایراد ہی رفع ہو گیا تو جواب دینے کے لئے کسی تاویل کی کیا حاجت؟

(۶)

گذشتہ مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

(الف) قرآن کریم نے پنڈلی کے معنی میں ساق کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں کیا ہے۔

(ب) قرآن کریم میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے قطعی ثبوت مل سکے کہ یوم یکشف عن ساق (وہ دن جب ساق کھلے گی) سے خدا کی ساق کا کھلنا مراد ہے۔

رہی بخاری کی مشہور حدیث:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:۔ یکشف ربنا عن ساقہ فیسجد لہ کل مومن ومومنۃ، ویبقی من کان یسجد فی الدنیا ریاء وسمعۃ فیذھب لیسجد فیعود ظھرہ طبقا واحدا۔[1]

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا پروردگار اپنی ساق کھول دے گا جتنے مسلمان مرد عورتیں ہوں گی سب کی سب سجدے میں گر پڑیں گی صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھانے اور سنانے کے لئے سجدے کیا کرتے تھے وہ اس وقت سجدہ کرنے

[1] اخرجہ البخاری عن ابی سعید قال سمعت الخ وھذا الحدیث عندھم من

چلیں گے تو اُن کی پیٹھ ایک تختہ ہو جائے گی۔

تو قطع نظر دیگر مباحث کے جو توجیہ تفسیر قرآن کریم کی آیات کی کی جاتی ہے ضرور ہے کہ وہی اس حدیث کی بھی کی جائے۔ نظام نیشاپوری کی اس لطیف توجیہ کو بھی پیشِ نظر رکھئے جس میں وہ لکھتے ہیں :-

معناہ یوم یشتد الامر فیہا ولا کشف ثمہ ولا ساق، کما تقول للاقطع الشحیح :- یدہ مغلولۃ ولا ید ثمہ ولا غل وانما ھو مثل فی البخل ...... وقال ابو سعید الضریر :- ساق الشئی اصلہ الذی بہ قوامہ، کساق الشجر وساق الانسان فمعنی الایۃ یوم تظہر حقائق الاشیاءٔ واصولھا [1]

آیت کے معنی یہ ہیں کہ اُس دن صورت معاملہ نہایت سخت وشدید و دشوار ہو جائے گی ورنہ اصل میں نہ تو وہاں ساق کھلنے کا شائبہ ہے اور نہ ساق ہی ہے کہ کھلی یا ڈھکی رکھی جائے۔

مثلاً ایک بخیل کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں تم اُسے کہو گے کہ " اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔" حال آنکہ نہ وہاں ہاتھ ہیں اور نہ بندش ہے بلکہ دراصل یہ ایک مثل ہے جس سے اظہار بخل منظور ہوتا ہے۔...... ابو سعید ضریر کہتے ہیں :- ساق شئے وہ ہے جس سے کسی چیز کا قوام وابستہ ہو، جیسے ساق درخت، ساق انسان اسی بنا پر آیۃ کے معنی یہ ہوں گے کہ اُس دن اشیاء کی حقیقتیں اور اصلیتیں ظاہر ہوں گی۔

---

۲۴ طرق فی الصحیحین ولہ الفاظ فی بعضہا طول، وھو حدیث مشہور ومعروف، وعلی کل ذلک فھو لا یجوز تجسیم ذاتہ تعالی شانہ عما یقولون، وللہ فی خلقہ شئون، واللہ یعلم وانتم لا تعلمون

[1] نیشاپوری۔ ج ۲۹۔ ص ۲۳۔

(٧)

یہ جو کچھ پیش آتا ہے دنیا ہی میں پیش آئے گا۔ قیامت سے ان واقعات کو تعلق نہیں ہے قیامت تو وہ دن ہے کہ کسی کو کسی بات کی تکلیف نہ دیجائے گی

نہ رکوع ہے، نہ سجود ہے، نہ قعود ہے، نہ قیام ہے

لیکن یہاں ارشاد ہوتا ہے :-

یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون۔

وہ دن جب خطرہ بڑھ جائے گا۔ لوگ سجدہ و اطاعت و سرافگندگی کے لئے بلائے جائیں گے، مگر نہ کر سکیں گے۔

پھر کیوں کر ممکن ہے کہ قیامت کے دن، جو احتساب اعمال کا روز ہے عبادت کا حکم دیا جائے۔ ابو مسلم اصبہانی لکھتے ہیں۔

لاریب ان یوم القیامۃ لیس فیہ تعبد ولا تکلیف فہو زمان العجز او آخر ایام الدنیا فانہ فی وقت النزع تری الناس یدعون الی الصلاۃ بالجماعۃ وعلی وھؤلاء لا یستطیعون الصلاۃ لانہ الوقت الذی لا ینفع نفسا ایمانہا۔

بے شبہ قیامت کا دن عبادت کرنے کا دن نہ ہوگا، اُس دن کسی بات کے ماننے یا کسی کام کے کرنے پر کوئی تکلیف نہ ہوگا۔ وہ عاجزی وضعف کا وقت یا دنیا کا سب سے پچھلا اور پچھلا حصہ ایام ہوگا۔ دیکھو نزع روح کے وقت بھی نمازیوں کو نماز کے لئے پکارتے ہیں جماعت کے لئے اذان دیتے ہیں حی علی الصلوٰۃ کی منادی سے اُن کو مسجد میں بلاتے ہیں مگر وہ نماز نہیں ادا کر سکتے وہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں کسی شخص کے لئے خدا پر ایمان لانا بھی نفع نہیں دے سکتا۔

(٨)

بہ پایاں آمد این دفتر حکایت ہمچناں باقی۔ کہنا یہ تھا کہ کشف ساق کے ذیل میں

قرآن کریم نے کن امور کی تعلیم دی ہے؟ اور اُن کے خاص خاص نتائج کیا ہیں؟ اصل میں تو یہ "سودا" خواجہ شیراز کے مخاطب کے اُس "خط سبز" سے بھی زیادہ طراوت افزائے نگاہ ہے۔ جس کی نسبت نقطۂ نظر نے "پائے ازیں دائرہ بیروں نہ نہد تا باشد" کا فتوے دیا تھا۔ تاہم سلسلۂ حقائق و رازہی ہی۔ اس حلقہ کی کڑیاں کیونکر ڈھیلی ہو سکتی ہیں کہ تقییدات الٰہیہ کی بندش میں ڈھیل دی جا سکے، حقیقت کو "نقد وجدت مجال القول ذا سعۃ" کا جب خود اعتراف ہے تو "فان وجدت لسانا قائلاً فقل" کی معذرت کوش تعلیق کے کیا معنی؟ زبان گویا کا کام شرح صدر سے لے سکتے ہیں۔

الہامی تعلیمات کے بعض بعض خصائص ہی کے تذکرے سے رفع ذکر ممکن ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

کشف ساق کے مافوق و مابعد آیتوں میں جن مہمات امور کی تعلیم دی گئی ہے اُن کے خاص خاص پہلو یہ ہیں:۔

(۱) مسلمانوں کے مذہبی جوش کو کفار کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتے، وہ اُن کو خبطی کہیں گے، مفتوں کہیں گے، گمراہ کہیں گے، شوریدہ سر کہیں گے۔ مگر کہنے دو۔ اس پاک ترین جذبۂ غیرت سے ہٹنا نہ چاہیئے، اس حالت پر قائم رہنا چاہیئے۔ تم بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ خبط کس کو ہے؟ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے جبکہ اپنے خبط و شوریدگی کا انھیں خود اعتراف کرنا پڑے گا مسلمان اُن کے الزامات کے خوف سے مرعوب کیوں ہوں؟ اس کا علم تو خدا ہی کو ہے کہ راہ راست پر کون ہے اور گمراہی نے کسے گھیر رکھا ہے؟

(۲) کفار جو واقعات کو جھٹلاتے ہیں۔ حقیقت حال کو جھٹلانے ہیں اصلیت کو چھپاتے ہیں۔ ماجرائے وقوع کو غلط بناتے ہیں۔ نقض امن کرتے ہیں اور پھر اُس کو حفظ امن کا لباس پہناتے ہیں۔ قتل کرتے ہیں اور اسے جان بخشی دکھاتے ہیں۔ بات کچھ ہوتی ہے۔ مگر اپنی بات کی پنچ میں

جمہور (پبلک) کو کچھ اور جتاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی اطاعت منع ہے۔ اُن کی فرماں برداری جُرم ہے گناہ ہے، موجب عذاب ہے، اس قلادے کو توڑ دینا چاہیے۔ اس اطاعت سے تبری فرض ہے۔ اس فرماں برداری پر نافرمانی کو ترجیح ہے۔ اُن کی تو خواہش ہے کہ مسلمان مداہنت کریں۔ خوشامد کریں۔ ریاکاری کریں۔ منافقت کریں تو انھیں بھی اظہار نفاق کا موقع ملے۔ مگر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ صورت کس قدر خطرناک ہے؟

(۳) کفار کے عہد و پیمان کا نہیں بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ وہ آبرو باختہ ہیں۔ عزت نفس و شرف ذات کا انھیں لحاظ تک نہیں۔ قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اُٹھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے، اس میں دوام و استمرار ہے یہ محکم ہے۔ یہ قول و قرار قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ زبان سے سب کچھ کہتے ہیں۔ اور ہاتھ سے کام لینے کے وقت کچھ بھی یاد نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کے مطیع رہنا ذلت کی بات ہے۔

اسلام اپنے فرزندوں کو ان کی اطاعت سے باز رہنے کی ہدایت کر رہا ہے۔ روکتا ہے۔ منع کرتا ہے کہ خبردار! یہ قسمیں کھانے والے ذلیل النفس ہیں، ان کے حلف پر نہ جانا، یہ ادھر کی بات اُدھر لگاتے ہیں۔ قوم میں تفرقے پیدا کرتے ہیں۔ منع خیر کے لئے نہایت مبالغے کے ساتھ آمادہ رہتے ہیں۔ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ تعدی ان کا شیوہ ہے، تطاول ان کی عادت ہے، سرکشی ان کی خو ہے۔ پاس عزت نہ رکھنے، ناموس کی نگہداشت ضروری نہ سمجھنے اور خاص خاص حالتوں میں رضامندی کے ساتھ حرام کاری تک کو قانوناً جائز قرار دینے کی وجہ سے ان کی تو اصل تک محفوظ نہیں، یہ تو صریح بد اصل ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کی اطاعت کیونکر پسندیدہ ہو سکتی ہے؟ اُن کو تو اپنے مال و اولاد کی فراوانی و کثرت یعنی فرط دولت و تکثیر آبادی کی وجہ سے اتنا گھمنڈ

ہوگیا ہے کہ آیات قرآنی کو پرانے ڈھکوسلے کہنے لگے ہیں۔

مصر کی ایک برگشتہ خرد و برافروختہ مزاج مسلمان لیڈی (پرنسس صالحہ) یورپ میں جاکر ایک روسی افسر سے شادی کرلیتی ہے۔ اور اُسے مختار عام قرار دے کر اپنی جائداد کے لئے دعویٰ دائر کرانی ہے۔ مصر کی شرعی عدالت پچھلے مہینے میں اس دعویٰ کو خارج کردیتی ہے کہ مسلمان عورت نے احکام اسلام کی قید سے آزاد ہو کر جب ایک نامسلمان سے شادی کرلی تو پھر مسلمان کہاں رہی۔ اور اب اُس کو جائداد کے مطالبہ کا کیا حق رہ گیا ہے؟ صحافت فرنگ اس فیصلے پر سختی سے نکتہ چینی کرتی ہے اور عام جرائد و مجلات یورپ کی گزشتہ اشاعتوں میں فریاد ہوتی ہے کہ "اس آئین و اصول کے عہد میں اسلام کے احکام پر کیوں عمل ہوتا ہے؟ یہ احکام تو صریحاً پرانے ڈھکوسلے (اساطیر الاولین) ہیں۔" جب اس بیباک جماعت کو جناب الٰہی میں بھی گستاخی سے باک نہیں، تو عبث ہے کہ بندگان الٰہی ایسے سرکشوں کے مطیع رہیں، ان کی اطاعت سے فوراً کنارہ کش ہو جانا چاہیئے۔ یہ خوف بالکل بے محل ہے کہ مبادا نافرمانی کی صورت میں کیسی پڑے؟ کیوں کہ خدا ان سرکشوں کو عنقریب عذاب کرنے والا ہے، سنسمہ علی الخرطوم کی وعید آچکی ہے۔ اور اب اس کے پورے ہونے میں بہت کم دیر رہ گئی ہے۔ یہ

(۴) ارادہ تو کفار کا یہی ہے کہ باغ عالم (ممالک روئے زمین) انھیں کے لئے مخصوص ہوجائے اور اس کے ثمرات سے اُن کے علاوہ کوئی دوسری غریب قوم مستفید نہ ہونے پائے۔ مگر ہنوز وہ خواب غفلت ہی میں رہیں گے کہ ذرائع نشان و شوکت میں تباہی آجائے گی، عظمت و رفعت کا سارا ساز و سامان خاک میں مل جائے گا۔ چلے تو ہیں کہ دنیا کو فتح کریں اور اقوام دنیا کو غلام بنالیں۔ مگر بجز محرومی قسمت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس وقت تو خدا کو بھولے ہوئے ہیں لیکن انجام کار جب تباہی نازل ہوگی تو وہی خدا یاد آئے گا جس کی اور جس کے گھر کی تذلیل و تخریب میں وہ اس وقت سرگرم ہیں وہ ایسا نازک وقت ہوگا

کہ ان ظالموں کو بھی اپنے جور وستم کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ اپنی سرکشی پر پچھتائیں گے ایک دوسرے کو الزام دیں گے کہ ظلم نہ کئے ہوتے تو ملک و دولت سے کیوں محروم ہوتے، اس محرومی کے عالم میں یہ امید ڈھارس بندھائے گی۔ کہ ایک ملک گیا تو گیا، شاید اس سے بہتر کوئی دوسرا ملک قبضے میں آجائے لیکن یہ وہ عذاب نہیں کہ اس سے نجات ممکن ہو، اور کچھ اسی پر موقوف نہیں، اس کے بعد جو آخری عذاب آئے گا وہ اس سے بھی خوفناک آئے گا۔

(۵) مسلمان کفار کے مقابلے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ مگر کامیابی کے لئے شرط یہ ہے کہ تقوے (شریفانہ کیرکٹر) سے موصوف ہوں۔ چاہنے کو تو کفار اب بھی چاہتے ہیں کہ مسلمان بجرم ثابت ہوں اور اُن کے ساتھ مجرمانہ برتاؤ کیا جائے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے انتہائی کوشش کریں گے اور سب کچھ کر دیکھیں گے۔ مگر خدا ایسی ناپاک ونجس تدبیروں کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔

(۶) خطرہ ہر سمت سے بڑھ چلا ہے اور اب اس کے منتہائے اشتداد کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔ ظالموں کو اسلام کے روبرو اظہار تذلل و اطاعت کی دعوت دی جائے گی۔ مگر وہ کچھ ایسے بدحواس ہوں گے کہ یہ بھی نہ کر سکیں گے۔ جی بھر کے آج اسلام کی توہین کر لیں مگر کل ہی سے ان کا تدریجی زوال اس طرح شروع ہوگا کہ بالفعل تو اُن کو ڈھیل دی جارہی ہے۔ لیکن آخر انھیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور ان کی ہستی فنا ہو جائے گی۔ خدا کی تدبیر بڑی پختہ ومحکم ہے۔ وہ یہ داؤ کھیل کے رہے گا۔

(۷) کفار سے مسلمانوں کو کسی انعام کا طلبگار نہ ہونا چاہیئے۔ کسی احسان کا آرزومند نہ رہنا چاہیئے۔ مسلمانوں کی کوئی چیز اُن کے قبضہ میں جاتی رہے تو اس کا معاوضہ ملنے کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ جہاں کوئی اُمید نہیں توقع نہیں، مطالبہ نہیں۔ وہاں تو کفار سرگرداں ہی رہتے ہیں، جہاں ان چیزوں کا قدم آئے گا وہاں کیا ہوتا ہے۔

مسلمان اگر کامیابی کے آرزومند ہیں تو حصول کامیابی کے وقت تک نہایت مستقل مزاج و ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ حضرت یونس پیغمبر تھے، بااین ہمہ استقلال میں کچھ فرق آنا تھا کہ مصیبت میں پھنس گئے۔ خدا کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو نجات کبھی ممکن نہ تھی، اسی طرح مسلمان اگر مستقل مزاج نہ رہے تو ابتلا سے مفر نہیں، اور اگر صبر و ثبات و استقلال پر متمسک رہے تو یاد رکھو، ثابت قدم ہر ایک بلا سے محفوظ رہے گا اور انجام کار فاجتباہ فجعلہ من الصالحین کا وہی مصداق ٹھہرے گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

ورودِ مقدّس یوم الحج!

اَتٰی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ

سیریکم آیاتہٖ فتعرفونہا، وما ربّک بغافلٍ عمّا تعملون ؕ

گویند مگو سعدی چندیں سخن عشقش
می گویم و بعد از من گویند بدر ستا نہا!

میں نے بہت چاہا کہ اپنے زخموں کو چھپاؤں لیکن نہ چھپا سکا۔ ایک مدّت کے سکون اندمال کے بعد آج پھر ایک لحۂ اضطراب و کاوش میسّر آگیا ہے۔ میرے دل کی بے چینیوں نے مجھے بستر انتظار پر نہۂ و بالا کر دیا اور میرے زخمہائے کہنہ کے ٹانکے بے اختیار کھل گئے۔ اب ان کی خوننا بہ فشانی نہیں رک سکتی۔ بل نکتب والیراع یقطر دما، والقلب یکاد یتمزق اسی و اسفا، مما اصاب الاسلام والمسلمین، من الذل المھین، والعار المشین والازدراء الھائل، والاحتقار الفاضح والظغط الفظیع، والقتل المریع، فحاشا للمسلمین ان یکونوا من القوم الکافرین!

آمادہ گشتہ ام وگرامشب نظارہ را
پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

آج میں پھر اپنی وہی متاع کہنہ لے کر بازار مقصود میں نکلا ہوں جو ہمیشہ سے میرے کاروبار آہ و نالہ کا راس المال رہی ہے۔ اور جس کے سوا میرے جیب و آستین حسرت

میں اور کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس ایک زخمی دل کے چند ٹکڑے ہیں۔ جن سے خون تمنا کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں خریداروں کا متلاشی ہوں۔ کوئی ہے جو ان پارہ ہائے خونین کا طلبگار ہو؟

روئے بازار مراد مرد زعرفی با منست
دامن تر می فروشم دیدۂ تر می خرم

میں اپنے جیب زیاں کی یہ کل پونجی دے کر ایک سودا چکانا چاہتا ہوں مجھے چند آنکھیں چاہئیں جو ماتم یوسف میں یعقوب دار رونا جانتی ہوں۔ کیوں کہ سچے آنسوؤں سے بڑھ کر عالم انسانیت میں کوئی شے طاقتور نہیں ہے۔ دا اسفیٰ علیٰ یوسف!

خشک سالیست دریں عہد وفا را اے اشک
زاں دیار یکہ تو می آئی، باراں چوں ست؟

یہی قیمت زخم، یہی راس المال جراحت۔ یہی دست ماتم کار، یہی چشم خوں بار، اور یہی زبانِ فغاں سنج ہے، جسے اپنے ساتھ لے کر میں نے ہمیشہ خریداروں کو پکارا، اور یہی متاع دل اور جنس اشک وخوں فشانی ہے جس کو ہمیشہ میں نے ڈھونڈا۔ میں ہمیشہ روتا رہا اور میں نے لوگوں کو رلایا ہے میں ہمیشہ ماتم کرتا رہا اور ہزار ہا ہاتھوں نے میری سینہ کوبی میں شرکت کی ہے ــــ آج پھر اشک ریختاں کے لئے پیام درد لے کر اٹھا ہوں۔

پس ان سب پر سلام جن کی آنکھیں خوں بار، دل دونیم جگر سوختہ، اور زبانیں دعا سنج ہیں۔

کیوں کہ اشک افشانیوں کا آخری وقت اضطراب قلوب ارواح کی انتہائی فرصت، اور دعا ہائے اشک آلود فریاد ہائے مجروح ومضطر کی ہر طرف پکار ہے!

دمے زصدق بر آور کہ آرزو بخشاں
ہزار گنج اجابت بہ یک دعا بخشد

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض؟ الٰہ مع اللہ؟ قلیلا ماتذکرون (۲۷-۶۲)

اور خدا کے سوا کون ہے کہ ایک مضطر روح کی پکار کو سنے، اسکے دکھ کو دور کرے اور اپنے آگے جھکنے والوں کو اپنی خلافت بخشے؟ افسوس کہ بہت کم ہیں جو عبرت و بصیرت رکھتے ہیں!

وہ جو خشک سالی میں پانی کے لئے روئے، کیا اب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی چمک میں اُمید کے آخری آنسو نہ بہائیں گے؟ وہ جنھوں نے نااُمیدیوں میں اپنے مقصود کو پکارا، کیا اب اُمید و بیم کی آخری دیوار حائل تک پہنچ کر خاموش ہو جائیں گے؟ کیا موسم خزاں کے ماتم زدگانِ حسرت کے لئے یہ جائز ہے کہ بہار کی عین آمد پر اپنے دلولۂ جنوں کو خیر باد کہہ دیں؟

دہقان کا کام موسم کے ظہور کے بعد اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور منزل جس قدر نزدیک آتی جائے۔ رہروانِ مقصود کے آتش شوق کو اور زیادہ تیز ہو جانا چاہیئے۔ پہلے اگر حسرت و آرزو میں روئے ہو تو اب اُمید میں اور زیادہ چیخ چیخ کر روؤ!

بایں کہ کعبہ نمایاں شود ز پا منشیں

کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ ست

آسمان کے دروازے بند تھے اور تم ان کی طرف دیکھ دیکھ کر پکارتے تھے لیکن آج کھل گئے ہیں اور تمھاری دعاؤں کے انتظار میں ملائکہ مدبرہ اور ملکوت السماوات نے اپنے اجنحۂ نورانیہ کو کھول دیا ہے۔ جبکہ جواب نہیں ملتا تھا تو تم پکارتے تھے۔۔۔ آج خود دستِ اجابت آمادۂ استقبال ہے پھر زبان سائل کو کیا ہو گیا ہے کہ خاموش ہے؟

ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین!

بطاعت کوش گر عشق بلا انگیز می خواہی!
متاعے جمع کن، شاید کہ غارت گر شود پیدا

موسم بدل رہا ہے، اور اضطراب و شورش کی جن خونیں بدلیوں سے فضا چھپ گئی ہے۔ وہ بالکل ویسی ہی ہیں جیسے ہر عصر انقلاب ارضی و تجدد مواسم اقوام و ملل میں ظاہر ہوئی ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ ایام الالہیہ کا ایک یوم عظیم ختم ہوا اور دوسرے دن کا آفتاب طلوع ہو۔ یہ رات کی آخری گھڑیاں ہیں جو برق کی سی تیزی اور بادل کی سی ہیبت میں گذر جائیں گی۔ اور لہو اور دھوئیں کی بدلیوں کے اندر سے دنیا کی حیات جدیدہ کا ظہور ہوگا۔

پس صبح کی بخشش میں حصہ لینے والوں کو چاہیئے کہ اپنے دماغوں کا نہیں بلکہ آنکھوں کا احتساب کریں اور شیطان غفلت سے ہشیار ہو جائیں کیونکہ رات بھر جاگنا آسان ہے۔ مگر صبح صادق کی گھڑیوں میں اونگھنے سے بچنا مشکل ہے نہ ہو کہ رات بھر اختر شماری کرنے کے بعد عین صبح کے وقت جاؤ اور جس روشنی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کی کرنیں تمہارے خوابیدہ سروں پر ماتم کریں۔ سچ یہ ہے کہ نہ تم اٹھے۔ اور نہ تم نے بیداری کے لئے کوئی کروٹ لی۔ لیکن جبکہ دہقان آبپاشی سے غافل تھا تو آسمان نے خود ہی مینھ برسا دیا۔ اور جبکہ انسانی ہمتیں تھک گئی تھیں تو کار خانہ الٰہی خود ہی متحرک ہو گیا۔ پس وقت کو اس کا حق دینے میں تساہل نہ کرو، کیونکہ وہ صرف اٹھنے ہی کا طالب ہے۔ اور جس قدر بھی جلد ہو سکے اپنی اصلاح و درستگی کا سامان کر لو۔ افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور الرحیم؟

یوم الحج کا ورود مقدس

آج ذوالحجہ کی پہلی تاریخ ہے اور ایک ہفتہ کے بعد تاریخ عالم کا وہ عظیم الشان

روز طلوع ہونے والا ہے جس کے آفتاب کے نیچے کرۂ ارضی کے ہر گوشے کے لاکھوں انسان اپنے خداوند کو پکارنے کے لئے جمع ہوں گے۔ اور ریگستان عرب کی ایک بے رنگ و گیاہ وادی کے اندر خدا پرستی و عشق الٰہی کا سب سے بڑا گھرانا آباد ہوگا۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (۲۲-۵۶)

وہ لوگ کہ اگر اللہ انھیں زمین میں قائم کر دے تو ان کا کام صرف یہ ہوگا کہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں زکوٰۃ ادا کرائیں۔ نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔

یہ پہلا گھر تھا جو خدا کی پرستش کے لئے بنایا گیا۔ اور آج بھی دنیا کے تمام بحر و بر میں صرف وہی ایک مقدس گوشہ ہے جو اولیاء الشیطان و اصحاب النار کی لعنت سے پاک ہے اور صرف خدا کے دوستوں اور اس کی محبت میں دکھ اٹھانے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

سمندروں کو عبور کر کے، پہاڑوں کو طے کر کے، کئی کئی مہینوں کی مسافت چل کر، دنیا کی مختلف نسلوں، مختلف رنگتوں، مختلف بولیوں کے بولنے والے اور مختلف گوشوں کے باشندے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ سلافی یا ٹیوٹانیک نسل کی باہمی عداوتوں سے دنیا کے لئے لعنت بنیں۔ اس لئے نہیں کہ ایک انسانی نسل دوسری نسل کو بھیڑوں کی طرح پھاڑے اور اژدہوں کی طرح ڈسے، اس لئے نہیں کہ خدا کی زمین کو اپنی ابلیسی غرور اور شیطانی سیادت کی نمائش گاہ بنائیں اس لئے نہیں کہ تیس تیس من کے گولے پھینکیں اور سمندر کے اندر ایسے جہنمی آلات رکھیں جو منٹوں اور لمحوں میں ہزاروں انسانوں کو نابود کر دیں۔ بلکہ تمام انسانی غرضوں اور مادی خواہشوں سے خالی ہو کر اور ہر طرح کے

نفسانی دلولوں اور بہیمی شرارتوں کی زندگی سے ماوراء الوریٰ جا کر، صرف اُس خدائے قدوس کو پیار کرنے کے لئے اسی کی راہ میں دکھ اٹھانے اور مصیبت سہنے کے لئے، اور اس کی محبت وراثت کو پکارنے اور بلانے کے لئے جس نے اپنے ایک قدوس دوست کی دعاؤں کو سُنا اور قبول کیا۔ جبکہ نیکی کا گھرانا آباد کرنے کے لئے اور امن و سلامتی اور حق و عدالت کی بستی بسانے کے لئے اسنے اپنے خدا کو پکارا تھا۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (۱۴-۴۰)

اے پروردگار! جس نے تیرے محترم گھر کے پاس ایک ایسے بیابان میں جو بالکل بے برگ و گیاہ ہے اپنی نسل لاکر بسا لی ہے تاکہ یہ لوگ تیری عبادت کو قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ انسانوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے، اور ان کے رزق کا بہتر سامان کر دے!

آہ! ذرا تم ان کی ان عجیب و غریب حالتوں کا تصور کرو! یہ کون لوگ ہیں اور کس پاک بستی کے بسنے والے ہیں؟ کیا یہ اُسی زمین کے فرزند ہیں جو خون اور آگ کی لعنتوں سے بھر گئی اور صرف بربادیوں اور ہلاکتوں ہی کے لئے زندہ رہی؟ کیا یہ اسی آبادی سے نکل کے آئے ہیں جو سبعیت و خونخواری میں درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے غاروں سے بھی بدتر ہے، اور جہاں ایک انسان دوسرے انسان کو اس طرح چیرتا پھاڑتا ہے کہ آج تک نہ تو سانپوں نے کبھی اس طرح ڈسا اور نہ جنگلی سوروں نے کبھی اس طرح دانت مارے؟ کیا یہ اسی نسل اور گھرانے کے لوگ ہیں جس نے خدا کے رشتوں کو یکسر کاٹ ڈالا، اور اس طرح اس کی طرف سے منھ موڑ لیا کہ اس کی بستیوں اور آبادیوں میں خدا کے نام کے لئے ایک آواز اور ایک سانس بھی باقی نہ رہی؟

آہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ قدسیوں

کی سی معصومیت، فرشتوں کی سی نورانیت، اور سچے انسانوں کی سی محبت ان میں کہاں سے آگئی ہے؟ تمام دنیا نسلی تعصبات کے شعلوں میں جل رہی ہے مگر دیکھو یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں، اور سب ایک ہی حالت، ایک ہی وضع، ایک ہی لباس، ایک ہی قطع، ایک ہی مقصد اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں سب خدا کو پکار رہے ہیں، سب خدا ہی کے لئے حیران و سرگشتہ ہیں سب کی عاجزیاں اور درماندگیاں خدا ہی کے لئے اُبھر آئی ہیں، سب کے اندر ایک ہی لگن اور ایک ہی ولولہ ہے، سب کے سامنے محبتوں اور چاہتوں کے لئے اور پرستشوں اور بندگیوں کے لئے ایک ہی محبوب و مطلوب ہے۔ اور جبکہ تمام دنیا کا محورِ عمل نفس و ابلیس ہے تو یہ سب صرف خدا کے عشق و محبت میں خانہ ویراں ہو کر اور جنگلوں اور دریاؤں کو قطع کر کے دیوانوں اور بے خودوں کی طرح یہاں اکھٹے ہوئے ہیں!
انھوں نے نہ صرف دنیا کے مختلف گوشوں کو چھوڑا بلکہ دنیا کی خواہشوں اور ولولوں سے بھی کنارہ کش ہو گئے۔ اب یہ ایک بالکل نئی دنیا ہے جس میں صرف عشقِ الٰہی کے زخمیوں اور سوختہ دلوں کی بستی آباد ہوئی ہے۔ یہاں نہ نفس کا گزر ہے جو خود بینی کا مبدا ہے اور نہ انسانی شرارتوں کو بار مل سکتا ہے۔ جو خوں ریزی اور ظلم و سفاکی میں کرۂ ارضی کی سب سے بڑی درندگی ہے۔ یہاں صرف آنسو ہیں۔ جو عشق کے آنکھوں سے بہتے ہیں۔ صرف آہیں ہیں جو محبت کے شعلوں سے دھوئیں کی طرح اُٹھتی ہیں۔ صرف دل سے نکلی ہوئی صدائیں ہیں جو پاک دعاؤں اور مقدس نداؤں کی صورت میں زبانوں سے بلند ہو رہی ہیں اور ہزاروں سال پیشتر کے عہدِ الٰہی اور راز و نیازِ عبد و معبودی کو تازہ کر رہی ہیں۔
لبیک لبیک۔ اللھم لبیک۔ لا شریک لک لبیک!

سرِ روحانیاں داری دلے خود را... ندیدستی
بخواب خود درآ تا قبلۂ روحانیاں بینی

یہ وہ مجمع ہے جس کی بنیاد دعاؤں نے ڈالی۔ جس نے دعاؤں سے نشو ونما پائی جو صرف دعاؤں ہی کے لئے قائم کیا گیا۔ جس کی ترکیب بھی اول سے لے کر آخر تک دعاؤں ہی کے مناسک سے ہوئی اور جو دعاؤں ہی کی لازوال طاقت سے قائم ہے۔

سب سے پہلی دعا وہ تھی جو اس گھر کی بنیاد رکھتے ہوئے خدا کے دو قدوس دوستوں کی زبانوں پر جاری ہوئی۔

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لك وارنا مناسكنا وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم اٰیاتك ویعلمھم الكتاب والحكمۃ ویزكیھم انك انت العزیز الحكیم (۲-۱۵)

اے پروردگار ہمیں اپنا اطاعت شعار بنا اور ہماری نسل سے ایک امت پیدا کر جو تیری مومن و مسلم ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا دے اور ہماری توبہ قبول کر لے تو، تو بہت ہی بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے، اور پھر اے پروردگار! ہماری نسل میں ایک اپنا رسول مبعوث کر جو اس کے آگے تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کے اخلاق کا تزکیہ کر دے۔

سو بیابان حجاز کے قدوس لم یزل نے یہ دعا قبول کر لی اور اپنی اس "امت مسلمہ" کو پیدا کیا جو فی الحقیقت وجود ابراہیمی کے اندر پنہاں تھی

ان ابراھیم كان امۃ قانتاً (۱۶-ع ۱۶)

بے شک حضرت ابراہیم خلیل اپنے وجود واحد کے اندر ایک پوری قوم اور خدا پرست امت تھے!

یہ گھرانا درحقیقت دنیا کی امامت اور ارض الٰہی کی وراثت کے لئے آباد کیا گیا تھا اور اس کا عہد و میثاق روز اول ہی بندھ گیا تھا۔

پس اس مقدس دعا کی قبولیت نے "امت مسلمہ" کو بھی قائم کیا اور دنیا کے تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کے لئے سلسلۂ ابراہیمی کے آخری رسول کو بھی مبعوث کیا۔ نیز جو امامت و پیشوائی اور خلافت فی الارض حضرت ابراہیم خلیل (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو دی گئی تھی۔ اس کی وراثت ان کی ذریتہ (نسل) ٹھہرائی گئی البتہ جب اپنے عہد کے "ظالموں" کو اس سے محروم کر دیا گیا۔ اس نسل کے جو لوگ اپنے نفس و روح کے لئے ظالم ہوئے اور خدا کے مقدس نوشتوں کی اطاعت سے سرکشی کی۔ ان سے وہ امامت موعودہ بھی چھین لی گئی اور خلافت موہوبہ سے بھی محروم کر دیئے گئے کہ "لا ینال عہدی الظالمین"

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات (۱۹-ع ۴)

پھر ان کے بعد وہ لوگ ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے صلوٰۃ الٰہی کو ترک کر دیا۔ اور اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہو گئے۔

یہ دعاؤں کا وعدہ تھا جس کا ظہور ہماری اقبال و کامرانی کی تاریخ ہے۔ اور اسی طرح یہ دعاؤں ہی کی ایک وعید بھی تھی جسکی سزائیں اور محرومیاں ہماری برگشتگی اور درماندگی کا ماتم ہے! وہ ہم ہی تھے جو "انی جاعلک للناس اماما" کے وارث ٹھہرائے گئے تھے اور ہم بھی ہیں جو آج "لا ینال عہدی الظالمین" کی تصویر نامرادی ہیں!

ذلک بما قدمت ایدیھم وان اللہ لیس بظلام للعبید

یہ سب کچھ ان اعمال کا نتیجہ ہے جو خود انھوں نے اختیار کئے ورنہ خدائے کریم تو اپنے بندوں کے لئے کبھی بھی ظالم نہیں ہو سکتا۔

پس دعاؤں کا یہ اجتماع لاہوتی، امت مسلمہ کا یہ مجمع مبارک روحانیت مقدسہ ابراہیمیہ کا یہ مظہر عظیم و جلیل، قریب ہے کہ اسی بیابان حجاز میں ظہور

کرے جہاں خدائے ابراہیم و محمد (علیہما السلام) نے امامت و خلافت الہٰی کے لئے اولین دعا کو سُنا۔ اور پھر ہمیشہ دعاؤں کو سننے اور اپنی پکاروں اور نداؤں کے بلند ہونے کے لئے اُسے برگزیدہ کر دیا جس وقت یہ پرچہ تمہارے ہاتھوں تک پہنچے گا۔ اُس وقت ذوالحجہ کی تیسری تاریخ ہو گی۔ اور بادیہ نوردان عشق آباد حجاز کے قافلے کوچ کے لئے تیار رہوں گے۔ اس وقت کا تصور کرو کہ وہ کیسا وقت عظیم ہو گا۔ جبکہ لاکھوں انسانوں کے اندر سے اسوہ ابراہیمی کی روحانیت عظمیٰ اپنے خداوند کو بے قرارانہ پکارے گی اور اس کے مقدس عہد و میثاق کا رشتہ تازہ ہو گا؟ لاکھوں جسم ہوں گے جو بے قرارانہ خداوند کے حضور جھکائے جائیں گے۔ لاکھوں پیشانیاں ہوں گی جو اُس کی چوکھٹ پر گرائی جائیں گی۔ لاکھوں دل ہوں گے جو اس کی نظارۂ جمال کے عشق میں ڈوب جائیں گے۔ اور لاکھوں زبانیں ہوں گی جن سے اس کے حضور میں دعائیں نکلیں گی۔ پھر اُس وقت ایسا ہو گا کہ دریائے محبت الہٰی جوش میں آئے گا۔ ملائکہ مقربین اس کے خلوت وصال کو اسکے دوستوں کے لئے خالی کر دیں گے اور وہ اپنے جمال عالم آرا کے جلوے سے اُس تمام محشر عشق و طلب کو ڈھانپ لے گا!

سوچا ہیئے کہ اس وقت عظیم و جلیل اور ایام اللہیہ مخصوصہ کے حصول کو غنیمت سمجھو، اور تم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو، لیکن اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے کوشش کرو کہ تمہاری دعائیں بھی ان دعاؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اور تمہاری بے تابیاں اور بے قراریاں بھی ٹھیک اسی وقت خدا کے حضور رحمت طلب ہوں کہ یہ وقت پھر میسّر نہ آئے گا ––––

دنیا انقلاب و تجدد کے ایک مہیب عہد سے گذر رہی ہے اور نئے موسم کی علامتوں نے ہر طرف طوفان اور بجلیوں کی ایک قیامت کبریٰ بپا کر دی ہے۔ ممکن ہے کہ روز ہجر ختم ہونے والا اور عہد وصال کی

ایک نئی رات شروع ہونے والی ہو۔ پس ضرور ہے کہ دن بھر جن لوگوں نے غفلت کی ہے وہ اب عین شام کے وقت غفلت نہ کریں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شام آگئی ہے۔ اور چراغوں کا انتظام کرنا چاہیئے۔

ہاں، ہر مومن کو چاہیئے کہ وہ یکسر دعاؤں میں ڈوب جائے۔ اور ان مقدس ایام کے اندر صدق دل سے توبہ کرے اور اپنے خداوند سے اپنا معاملہ درست کرلے۔ یہ بڑا ہی سخت وقت ہے جس کی نوشتۂ الہی میں خبر دی گئی تھی وہ وقت موعودہ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آگیا ہے۔ اور زمین اپنے گناہوں کی پاداش میں اُلٹ دی گئی ہے۔ پس توبہ کرو اور اُس کے سامنے اپنی سرکشیوں کا سر مجرموں کی طرح ڈال دو، اور تڑپ تڑپ کے وہ سب کچھ مانگو جس کو تمہارا دل چاہتا ہے، مگر تمہارے اعمال اس کے سزاوار نہیں ہیں۔ تم اس کے حضور حج کے دن اور عید کی صبح کو جبکہ خلیل اللہ نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی تھی۔ مسکینوں اور لاچاروں کی طرح گر جاؤ، اپنی سرکشیوں اور نفس پرستیوں کے گوسالہ کو ذبح کردو۔ (انا قتلوا انفسکم باتخاذکم العجل) اور گڑگڑا کر دعا مانگو کہ خداوندا! زمین کی سب سے بڑی مصیبت، انسانی معصیت کے سب سے بڑے عذاب اور انقلاب اقوام زلل کے سب سے زیادہ مہیب موسم کے وقت ابراہیم واسماعیل کی ذریت کو نہ بھلائیو اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیجیو!

علی الخصوص عید کے دن جب اس کے حضور کھڑے ہو تو اپنے گناہوں کو یاد کرو۔ تم میں ایک روح بھی ایسی نہ ہو جو تڑپتی نہ ہو اور ایک آنکھ بھی ایسی نہ ہو جس سے آنسوؤں کے چشمے نہ بہہ رہے ہوں۔

یاد رکھو دل کی آہوں اور آنکھوں کے آنسوؤں سے بڑھ کر اس کی درگاہ میں کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح بھی ہو سکے، اپنے خداوند کو راضی کرو اور اسے منالو۔ کیونکہ تم نے اپنی بداعمالیوں سے اسے غصہ دلایا اور اس

کے پاک حکموں کی پروا نہ کی! اور تم یوں پکارو کہ اے ابراہیم اور اسماعیل کے خداوند اور اے رسول امی کے پروردگار! ہم نے تیرے عہد کی پروا نہ کی اور اپنی بداعمالیوں سے تیری مقدس زمین کو ملوث اور گھنونا کر دیا لیکن اب ہم اپنی سزاؤں کو پہنچ چکے اور ہم نے بڑا سے بڑا دکھ اٹھا لیا۔ ہم مثل یتیم لڑکوں کے ہو گئے ہیں جن کے والدین کو اُن سے جدا کر دیا گیا ہو کیونکہ ہمارا خدا ہم سے راضی نہ رہا اور ہم غمگینی اور رسوائی کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ برائے حی و قیوم! اب ہم پر رحم کر، ہمارے قصوروں کو معاف کر، اور ہم سے منہ نہ موڑ، گو ہماری خطائیں بے شمار ہیں لیکن ہم سب تیرے ہی نام سے کہلاتے ہیں اور تیری راہ میں دُکھ اٹھانے کے لئے تیار ہیں!

اگر نہ بہر من، از بہر خود عزیزم دار
کہ بندہ خوبی او خوبی خداوند ست

اے ستار و تواب، رحیم! کیا ہمارا غم دائمی ہے، کیا ہمارے خزاں کے لئے کبھی بہار نہیں، اور کیا ہمارے زخم کے لئے کوئی مرہم نہ ہوگا؟ اے نسل ابراہیمی کے اُمید گاہ! تو ہمیشہ کے لئے ہمیں نہ بھول اور ہمیں اپنی طرف لوٹا لے ہم تجھ سے ہمیشہ بھاگے ہیں مگر اب ہم تیری طرف لوٹ آئیں گے۔ کیوں کہ ہمیں کہیں پناہ نہ ملی۔

تو ہمیں نیکی اور صداقت کے لئے چن لے، اور اپنی ہدایت و عدالت کی تبلیغ کا بوجھ پھر ہماری گردنوں پر ڈال! دنیا آج انتہائی ترقی کے بعد بھی امن و عدالت کے لئے ویسی ہی تشنہ ہے، جیسی ظہور صداقت کبریٰ کے اولیں عہد جہالت میں تھی!

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا
لنکونن من الخاسرین! (۷ - ۳۹)

الطَّامَّۃُ الکُبریٰ

وَقَعَتِ الوَاقِعَۃُ لَیسَ لِوَقعَتِھَا کَاذِبَۃٌ

وَالنَّازِعَاتِ غَرقًا، وَالنَّاشِطَاتِ نَشطًا، وَالسَّابِحَاتِ سَبحًا، فَالسَّابِقَاتِ سَبقًا، فَالمُدَبِّرَاتِ اَمرًا۔ موت اور ہلاکت کے وہ آفات الیمہ جو خون کی رگوں اور گوشت کے ریشوں کے اندر سے انسان کی جانوں کو کھینچ لیتے ہیں۔ اور آبادیاں اجاڑ اور زندگیاں ہلاک ہو جاتی ہیں وہ دواح حروب و قتال جو زندگی کے لئے موت کا اور آبادی کے لئے ویرانی کا دروازہ ایسی عجلت اور ایسی آسانی سے کھول دیتی ہیں۔ گویا کسی لپیٹے ہوئے بند کو کھول دیا گیا وہ ہلاکت اور موت کی عظیم الشان ہستیاں جن پر انسان پاش توپیں لدی ہوئی اور آگ اور خون کے خونخوار درندے سوار ہیں۔ اور جو سمندروں میں تیرتی پھرتی ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتی ہیں۔ تا اپنے اپنے شئون و امور کی تدبیر کریں، ان سب کی چھائی ہوئی ہیبت اور پھیلی ہوئی وحشت کی قسم، اور ان سب کی پھیلائی ہوئی موت اور برسائی ہوئی ہلاکت کی گواہی، کہ ارض الٰہی کا امن ڈوب گیا، انسانیت کی بستی اجاڑ ہو گئی۔ نیکی کا گھر لوٹ لیا گیا۔ اور دنیا مثل اس بیوہ کے ہو گئی جس کا شوہر زبردستی قتل کر دیا گیا ہو اور اُسکے یتیم بچوں پر رحم نہ کیا گیا ہو۔ اب وہ اپنے لٹے ہوئے سنگھار پر ماتم کرے گی اور اپنی پھٹی ہوئی چادر کو سر سے اتار دے گی کیونکہ اُس کا حُسن زخمی ہو گیا کیونکہ اس کا شباب پامال کر دیا گیا لہٰذا اسلئے کہ

اس کے فرزندوں نے اس پر تلوار اٹھائی اور اس لئے کہ اُس کے دوستوں نے اسے
کچل دیا۔ پس زندگی کی جگہ موت، عیش وسلامتی کی جگہ اضطراب، نغمہ انشاط کی
جگہ شور ماتم، زمزمہ سنجی کی جگہ نوحہ خوانی، آب زندگی کی جگہ بحر خونیں، بستیوں
کی جگہ قبریں، اور زندگی کے کاروبار اور بازاروں کی چہل پہل کی جگہ موت کے
وہ جنگل جن میں لاشیں سڑیں گی اور ہولناک سمندروں کے وہ خونیں طوفان
جن میں انسان کی لاشیں مچھلیوں کی طرح اچھلیں گی۔ اور اے دنیا کے
بڑے بڑے مغرور شہروں کے بسنے والو! کل تک تمہاری ماؤں نے تمہیں جنا تھا۔
تا زندگی پر گھمنڈ اور طاقت پر مغرور رہو، پر آج تم موت کے کھلونے ہو جنہیں بگاڑ دیا جائے
گا اور ہلاکت کی مورتیں جنہیں مٹا دیا جائیگا۔ اور پھر اے وہ کہ تمدن کی بہشت، علم کے مرغزار اور عیش ونشاط زندگی کا
حیرت آباد اور اعجوبہ زار تھے! تم کل تک دوسروں کی موت و ہلاکت کی خبریں
سنتے تھے، پر آج تمہاری ہلاکت کی خبریں پڑھی جائیں گی۔ کل تک تمہارے
پاس کرۂ ارضی کی مصیبتوں کا قلم تھا۔ پر آج تمہاری مصیبتوں کی تاریخیں مدون
ہوں گی۔ تم کل تک دوسروں پر ظلم و قہر کرتے تھے، پر آج تم پر ظلم کیا
جائے گا۔ تم کل تک دوسروں کے لئے آگ سلگاتے تھے، پر آج تمہارے
لئے جہنم بھڑک رہی ہے۔ تم کل تک ضعیفوں اور ناتوانوں کے لئے درندے تھے
پر آج درندوں میں خود چل گئی اور بھیڑیوں نے آپس میں ایک دوسرے پر
پنجہ مارا۔ تم کل تک دنیا کے لئے موت کی بجلی اور ہلاکت کی بدلی تھے۔ پر آج
کوئی نہیں جو تمہیں ہلاکت کی بارش اور بربادی کے رعد و برق سے بچا
سکے۔ کل مشرق کی بربادیوں کا تم نے تماشہ دیکھا تھا۔ آج وہ تمہاری
ہلاکت کو دیکھ رہا ہے۔

فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون، علی الارائک ینظرون هل

پس آج کا دن وہ دن ہے کہ مسلمان ارباب کفر پر ہنستے ہیں اور امن و راحت سے بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ

توب الکفار ما کانوا یفعلون (۸۳-۳۶)

رہے ہیں۔ ہاں! اب وہ وقت آگیا کہ انھوں نے اپنے اعمال کا بدلہ پا یا۔

ماتمِ انسانیت

انسان کی سوئی ہوئی سبعیت و بہیمیت پھر جاگ اٹھی ہے۔ وہ اشرف المخلوقات کہ صورت سے آدمی مگر خواہشوں میں بھیڑیا، محل سراؤں میں متمدن انسان مگر میدانوں میں جنگلی درندہ، اور اپنے ہاتھ پاؤں سے اشرف المخلوقات، مگر اپنی روح بہیمی میں دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور ہے۔ اب اپنی خوں ریزی کی انتہائی شکل اور اپنی مردم خواری کے سب سے زیادہ بڑے وقت میں آگیا ہے۔ وہ کل تک اپنے کتابوں کے گھروں اور علم و تہذیب کے دارالعلوموں میں انسان تھا۔ پر آج چیتے کی کھال اس کے چہرے کی نرمی سے زیادہ حسین اور بھیڑیئے کے پنجے اس کے دندان تبسم سے زیادہ نیک ہیں۔ درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے جنگلوں میں امن و راحت ملے گی۔ مگر اب انسانوں کی بستیاں اور اولاد آدم کی آبادیاں راحت کی سانس اور امن کے تنفس سے خالی ہوگئی ہیں۔ کیونکہ وہ جو خدا کی زمین پر سب سے اچھا اور سب سے بڑھ کر تھا۔ اگر سب سے برا اور سب سے کمتر ہو جائے تو جس طرح اس سے زیادہ کوئی اور نیک نہ تھا، ویسا ہی اس سے بڑھ کر اور کوئی برا بھی نہیں ہو سکتا۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، ثم رددنٰہ اسفل سافلین، الا الذین امنوا وعملوا الصالحات فلہم

ہم نے انسان کو ایک طرف تو بہترین قوتوں کی ترکیب اور اعلیٰ ترین جذبات کی ساخت میں پیدا کیا لیکن پھر دوسری طرف بہیمی خواہشوں اور شریر قوتوں کے

اجر غیر ممنون (۹۵-۶) لحاظ سے نہایت ہی ادنے درجہ کی مخلوق تک بھی لوٹا لائے۔ ہاں وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ و عادلہ اختیار کئے سو ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔ کیوں کہ وہ ان متضاد قوتوں کی کش مکش سے بچ نکلیں گے۔

شیر خونخوار ہے، مگر غیروں کے لئے، سانپ زہریلا ہے، مگر دوسروں کے لئے۔ چیتا درندہ ہے، مگر اپنے سے کمتر جانوروں کے لئے۔ لیکن انسان، دنیا کا اعلیٰ ترین مخلوق، خود اپنے ہی ہم جنسوں کا خون بہاتا اور اپنے ہی ابنائے نوع کے لئے درندہ و خونخوار ہے! وعلیٰ ذالک قول بعض شعراء ھذا العصر

ولقد رایت الاسد احسن خلقۃ من جنس ھذا الظالم المتمادی
الناس تقتتل کل یوم بعضھا والاسد تقتل غیرھا اذ تعتدی

انسان ہی ہے جو فرشتوں سے بہتر ہے اگر اپنی قوتوں کو امن و سلامتی کا وسیلہ بنائے اور انسان ہی ہے جو سانپ کے زہر اور بھیڑیئے کے پنجے سے بھی زیادہ خونخوار ہے۔ اگر راہِ امن و سلامتی کو چھوڑ کر بہیمیت اور خونخواری پر اُتر آئے۔

انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً۔ (۷۶-۳) ہم نے انسان کو راہِ عمل و ترقی دکھلا دی ہے۔ پھر یا تو ہماری ہدایت پر عمل کرنے والے ہیں یا انکار کرنے والے۔

الم نجعل لہ عینین و لساناً و شفتین، و ھدینٰہ النجدین ؟ (۹۰-؟) پھر کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں اور زبان اور ہونٹ نہیں دیئے ؟ بے شک دیئے اور خیر و شر کی دونوں راہیں اسے دکھلا دیں۔

یہی انسانیت اعلیٰ اور ملکوتیت عظمیٰ ہے جسکی تقویم و تکمیل کے لئے دین الٰہی اور شریعت فطری کا ظہور ہوا۔ اور یہی پیغام امن رہنما ہے صلح و صلاح، اور وسیلہ،

نوزو فلاح ہے جس کا دوسرا نام "اسلام" ہے یعنی جنگ کی جگہ صلح، خون و ہلاکت کی جگہ عمران و حیات اور بربادی و خرابی کی جگہ سلامتی و امنیت ہے، وہ بتاتا ہے کہ اگر انسان اپنی قوت ملکوتی اور فطرت صالحہ سے کام نہ لے تو وہ بڑے ہی گھاٹے میں ہے:۔

والعصر، ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر (۱۰۳-۳)

زمانہ اور اس کے حوادث گواہی دیتے ہیں کہ انسان بڑے ہی گھاٹے ٹوٹے میں ہے۔ مگر وہ لوگ کہ اللہ پر ایمان لائے اعمال صالحہ اختیار کئے اور حق اور صبر کی باہمدگر وصیت کی!

پھر اس سے بڑھ کر خسران و نقصان کیا ہوگا جس میں آج دنیا مبتلا ہے؟ وہ دنیا جس نے قوتوں کی صیقل کی جس نے فطرت کے قوانین مستورہ کو بے نقاب کیا جس نے عقل و ادراک کے خزانے کھلوا دیئے جس نے ارتقائے فکر و علوئے نظر سے دنیا کو علم کا گھر اور دریافتوں اور تحقیقوں کی مملکت بنا دیا۔ جو علم و مدنیت کے انتہائے عروج سے متوالی ہوگئی۔ جو قوتوں کے حصول کے نشے سے بدمست ہوکر مغرورانہ جھومنے لگی۔ جس نے کہا کہ انسان کے سوا کچھ نہیں۔ اور جس نے اعلان کیا کہ مادہ کے اوپر کوئی نہیں۔ کیا آج اس کا یہ علم اعلیٰ۔ یہ مدنیت عظمیٰ، یہ ایجادوں کا ڈھیر، یہ مخترعات کا انبار، یہ بے شمار کتابوں کی جلدیں اور یہ لاتعدو لاتحصیٰ دماغوں کے افکار عالیہ و مدنیہ، ایک لمحہ، ایک دقیقہ کے لئے بھی اس ہولناک بربادی۔ اس خوفناک تصادم، اس وحشت انگیز خونخواری اس خون کا سمندر بہانے والی اور لاشوں کے جنگلوں کو بھر دینے والی جنگ کو روک سکتے ہیں اور نوع انسانی کو عالمگیر نقصان و ہلاکت سے بچا سکتے ہیں۔ کیا قانون کشش ثقل جس پر نئے علم کو ناز ہے۔ اس سے بچانے گا؟ کیا قوت برقی کا کشف اسے روک دے گا؟ کیا بھاپ اور اسٹیم کی ایجاد

کچھ سفارش کر سکے گی اور انسان کو غمگینی سے بچا لے گی ؟

آہ ! یہ ایجادات محیرہ، یہ مخترعات مدہشہ، یہ محدثات منورہ جس پر مدنیت کو ناز اور علم انسانی کو فخر ہے، امن و سلامتی کی جگہ خود ہی ہلاکت اور بربادی کا وسیلہ اور خون اور آگ کی افزائش و تضاعف کا ذریعہ ہیں اگر پہلے دنیا کے لئے صرف کمان کا تیر اور تلوار کی دھار تھی - تو آج تمدن کی بدولت ایک ایک سکینڈ میں کئی کئی مرتبہ چھوٹنے والے ہلاکت بار گولے اور لمحوں اور منٹوں کے اندر شہروں اور قلعوں کو مسمار کر دینے والے آہن پوش جہاز ہیں پھر اے علم و مدنیت کا شیطان کیا تو اسلئے آیا تھا کہ خدا کی آبادی کی ویرانی کو دوگنا اور اس کی ہلاکت کے آلات کو زیادہ مہلک اور لاعلاج بنا دے ؟ اور اے انسان کی غفلت اور اے اولاد آدم کی نادانی ! تو خدا سے کب تک لڑیگی اور کب تک اس کی زمین کے امن و راحت کو روکے گی ؟ حالانکہ تمدن اور علم تجھے قوی بنا سکتا ہے پر نیک نہیں بنا سکتا :-

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا، لاتنفذون الا بسلطن (۵۵-۲۷)	اے مجمع جن و انس ! اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ زمین و آسمان کے مدبرات و ملکوت کے اندر سے اپنی راہ پیدا کرکے آگے کو نکل جاؤ، تو ترقی کی اس انتہا کے لئے بھی کوشش کر دیکھو

مگر بغیر سلطان الہٰی کے کچھ نہ کر سکو گے اور یاد رکھو کہ قوت تمہارے بس میں نہیں ہے -

رستخیز تصادم

اور دیکھو یہ کیسی آگ ہے جو بھڑک اٹھی ہے اور کس طرح تمدن کی حسین و جمیل

آبادیاں آگ اور دھویں کی ہولناکی کے اندر ویران ہو رہی ہیں :-

یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس فلا تنتصران (۵۵-ع-۲)

تم پر آگ کا دھواں اور اس کی لپٹ چھا جائے گی اور تمہارے پاس کوئی انسانی قوت ایسی نہیں کہ اسکے ذریعہ اس ہلاکت کو دفع کر سکو۔

یہ دنیا کی مغرور و فتح مند طاقتوں کی ٹکر ہے۔ اور اتنی بڑی انسانی درندوں کی لڑائی جتنے بڑے خونخوار اسباع و بہائم آج تک کرۂ ارضی پر پیدا نہیں ہوئے دنیا نے ٹیٹس کے قصے سنے ہیں۔ جس نے یروشلم کو تباہ کر دیا۔ دنیا نے بخت نصر کو دیکھا ہے جو بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے بابل لے گیا — دنیا میں ایرانیوں کے قہر و استیلا کے افسانے سنے گئے ہیں، جنھوں نے بابل کو مسمار کر دیا تھا۔ اور رومیوں کے عہد تسلط و عروج کے ایسے بہت سے فاتح خوں ریزوں کی روایتیں محفوظ رکھی گئی ہیں جنھوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوقوں کو بہت ستایا اور اسکی زمین پر بہت فساد کیا :-

وکذلک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا لیمکروا فیھا (۶-ع-۱۴)

اور اسی طرح ہم نے ہر آبادی میں اس کے بڑے بڑے سرکش گنہ گار پیدا کئے تاکہ وہ فتنہ و فساد پھیلائیں۔

لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں، آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور موت و ہلاکت پھیلانے کی ایسی اشد شدید ابلیسیت تو کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بھٹ بنائے اور اژدہوں نے پھنکاریں ماریں۔ مگر نہ تو ایسی درندگی آج تک کسی میں اتنی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدہا پیدا ہوا جیسے کہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس ڈسنے نگلنے، اور چیرنے پھاڑنے کے لئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں۔ پھر اس اژدہے کو دیکھو جو جنوب سے

منھ کھولے بڑھ رہا ہے۔ اُس ہاتھی کو دیکھو جس کی مستک غرور طاقت سے جھوم رہی ہے ــــ

سنسمه علی الخرطوم۔ اور جس کے دانت ہلاکت کے دو نیزوں کی طرح نکلے ہوئے ہیں۔ اُس بھیڑیے کو دیکھو جو مشرقی یورپ کے بھٹ سے چیختا ہوا اٹھا ہے۔ اور اُس خوفناک چیتے کو دیکھو جو لامارک اور روسو کی سرزمین میں خون اور گوشت کے لئے پلا ہے۔ یہ کیسے مہیب ہیں؟ یہ کیسے خوفناک آلات سے مسلح ہیں؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیرنا پھاڑنا کرۂ ارضی کا کیسا ہولناک بھونچال ہوگا؟ ایسا بھونچال جو کبھی بھی نہیں اٹھا ایسی آتش فشانی جو کبھی بھی نہ ہوئی۔ اور خداوند کا ایسا غصہ جواب تک کبھی بھی زمین پر نہ ہوا:ــ

یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة قلوب یومئذ واجفة ابصارھا خاشعة یقولون ءانا لمردودون فی الحافرة ءاذا کنا عظاما نخرة؟
(۷۹ - ۱۰)

وہ ہولناک دن کہ جب زمین کانپ اُٹھے گی۔ جب ایک بھونچال کے بعد دوسرا بھونچال آئے گا۔ جب انسان کے دل دھڑک اُٹھیں گے۔ اور جب اٹھی ہوئی نظریں جھک جائیں گی۔ اور وہ کہیں گے کہ کیا ہم (دنیا میں اس قدر ترقی کرکے اور آگے بڑھ کے) پھر وحشت وخرابی کی طرف لوٹائے جائینگے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں جب گل سڑکر کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گی؟ (یقین کرو کہ ایسا ہی ہونے والا ہے)

الآیۃ الکبرٰی

اور دیکھو کہ قدرت الٰہی کی یہ کیسی ہولناک نشانی ہے جو ایام لاہیک کی گذشتہ

نشانیوں کو یاد دلاتی ہوئی غفلت کی دنیا اور غرورِ انسانی کی بستی پر بجلی کی طرح چمکی ہے۔ اور رب الافواج کہتا ہے کہ میں اپنے ہاتھ کے جلال صولت اور جبروت انتقام کو نمایاں کروں گا۔ یہ اُس کی آواز کی ایسی گرج اور اسکے دست جلال کا ایسا معذب وار ہے جو ہزاروں برسوں کے عصیان و تمرد کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس بجلی کے مانند جو سرسبز کھیتوں پر گرتی اور اس طوفان کی طرح جو یکایک زمین پر چڑھتا، اپنا کام پورا کر دیتا ہے یہ اُس کا قانون ہے جو ہمیشہ سے ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی قانون انتقام و تبدل نے آبادیاں بدلیں، بستیاں اُجاڑیں، عمارتیں منہدم کیں۔ قوموں کو ہلاک، مملکتوں کو ویران اور بسے بسائے شہروں کو نابود اور نئی آبادیوں سے اپنی زمین کو معمور کر دیا۔

وكأين من قرية عتت عن أمر ربها ورسله فحاسبناها حسابا شديدا وعذبناها عذابا نكرا (٦٥-١٠)

اور کتنی ہی آبادیاں تھیں جنھوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے رسولوں کی ہدایتوں سے سرتابی کی اور عصیان و طغیان پر اتر آئے۔ تب ہم نے بڑی ہی سختی کے ساتھ ان کے کاموں کا حساب لیا اور بڑے ہی سخت عذاب میں گرفتار کیا۔

اور وہی قانون ہے جس کے اندر سے خدا کا دست قہار پھر چمکا ہے اور وہ اپنی زمین کے موجودہ مالکوں سے ان کے کاموں کا حساب لینا چاہتا ہے جیسا کہ پچھلوں سے لیا گیا۔

ألم نهلك الأولين، ثم نتبعهم الآخرين، كذلك نفعل بالمجرمين، ويل يومئذ للمكذبين! (٧٧-٨)

کیا ہم نے طغیان و عصیان کی پاداش میں اگلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا؟ بس اسی طرح ہم پچھلی قوموں کو بھی ان کی مانند عذاب میں مبتلا کریں گے یہ ہمارا قانون ہے کہ اپنے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

پس اس دن اللہ کی سچائی کے جھٹلانے والوں پر افسوس!

متمدن قوموں کا غرور انتہائی حد تک پہنچ چکا ہے، طاقتوں اور عجیب عجیب ترقیوں نے انھیں متوالا کر دیا ہے۔ ان کو حسب سنن الٰہیہ زمین کی حفاظت کا منصب دیا گیا لیکن انھوں نے قوت پاکر جنگ و فساد کی راہ اختیار کی۔ اور طغیان و عصیان سے ارض الٰہی کو بھر دیا:۔ حتیٰ انت الارض من جور المظلمین و استغاثت السماء من طغیان الکافرین، وسمع رب العزۃ انین المظلومین و بکاء الباکین:۔ وا وحیٰ الیھم ربھم لنھلکن الظالمین۔

پس ضرور تھا کہ غرور و طغیان کے لئے کوئی حد ہوتی۔ عجب نہیں کہ مہلت ختم ہوگئی ہو اور کچھ اچنبھا نہیں اگر ارض الٰہی کے امن کے لئے، بندگان خدا کی راحت کے لئے اور کمزوروں کو سکھ کی نیند سلانے کے لئے اُن کا خون اُنہی کے ہاتھوں بہایا جائے۔ جنھوں نے دوسروں کا خون اپنے ہاتھوں بہایا، اور اس طرح عدالت الٰہی اُن قوتوں کا حساب لے جو صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رہے ہیں

نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین (۲۸-۲۶)	ہم نے ارادہ کیا کہ جو لوگ کمزور و ضعیف کئے گئے اُن پر احسان کریں انہی کو سرداری اور برتری بخشیں اور انہی ناتوانوں کو طاقتور انسانوں کا وارث بنائیں —

یہ دنیا کا غرور، طاقت بے جواب رنگ لایا ہے۔ یہ قوت اور سیادت ارضی کی وہ غذا ہے جو اس نے بڑی ہی حرص و طمع سے کھائی، پر ہضم نہ ہو سکی۔ اور اب اسی کا فساد اس کی تندرستی کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے:۔

فذاقت وبال امرھا وکان	بالآخر ان کے اعمال کا وبال ان کے آگے آیا

عاقبۃ امرہا خسرا (۶۵-۲۶)

اور وہ گو طاقت اور عظمت میں بہت بڑھ چکے تھے لیکن انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہوا

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

یورپ کا تمدن، اس کی طاقت، اُس کا جنگی اقتدار، اس کے عجیب عجیب اسلحہ اور برباد کن ہولناکیاں، اُس کے مہیب جہاز اور کئی کروڑ تک پہنچ جانے والی متحدہ فوج، ایسی قاہر وجابر تھی کہ اُن کی تنبیہہ کے لئے خود انہی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے اپنے سوا ہر قوت کو پامال کیا اور اپنے سوا اور کچھ رہنے نہ دیا۔ پس کون تھا جو ان کے مقابلے میں نکلتا اور دنیا میں کس کا ہاتھ اتنا قوی تھا جو ان کے آہنی پنجوں پر پڑتا؟ وہ کہ سب سے بڑے ہو گئے تھے، ان کے لئے وہ لوگ کیا کام دے سکتے تھے جو آج سب سے چھوٹے ہو گئے ہیں؟ ان کے جہازوں کے مقابلہ کے لئے ان کے جہازوں سے بڑھ کر جہاز چاہیئے تھے۔ مگر وہ کہاں بنتے؟ ان کی توپوں کے لئے ان کی توپوں سے زیادہ ہلاکت بار توپیں درکار تھیں۔ مگر وہ کہاں ڈھلتیں؟

پس جب زمین پر اُن سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا جس کے اندر سے خدا کا ہاتھ ظاہر ہوتا تو دیکھو کہ حکمت الٰہی نے کس طرح خود انہی کو اُن پر مسلط کر دیا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ باہمی جنگ وقتال میں مبتلا ہو گئے۔ اب ان کا ہولناک تمدن جس کو ایک ہزار سال کے اندر انھوں نے تیار کیا تھا۔ انہی کی تخریب میں کام آیا۔ اور ان کی ہر ترقی اور بڑائی خود انہی کے لئے وسیلۂ تخریب ہو گئی۔ اگر ان کی توپوں سے بڑھ کر دوسروں کے پاس توپیں نہ تھیں۔ تو انھیں کی توپوں کے گولے اُن کے

...لئے مقابلے کے لئے سمندر میں تیرنے لگے۔ ہر پتھر جو انھوں نے اُٹھایا خود اُنہی کے لئے اُڑا۔ اور ہر آلہ جو انھوں نے تیار نہیں کیا وہ انھیں کے لئے متحرک ہوا انھوں نے بڑا سامان کیا تھا۔ مگر خدا کا سامان سب سے بڑا ہے۔

انھم یکیدون کیدا و اکید کیدا، فمھل الکافرین امھلھم رویدا (۸۶ - ۱۲)

یہ لوگ اپنا داؤں کر رہے تھے اور ہم اپنا داؤ کھیل رہے ہیں پس منکروں کو مہلت لینے دو۔ زیادہ نہیں تھوڑی سی۔

یہ کون ہیں؟

یہ کون ہیں جو آپس میں خون اور ہلاکت کرنے کے لئے دوڑ رہے ہیں؟ یہ وہ ہیں جنھیں "امن کے شہزادہ" نے ان کے اولین ظہور کے وقت وعظ سنایا تھا۔ جبکہ وہ گلیل اور یہودیہ اور یردن پہاڑ کی بھیڑ کو دیکھ کر کوہ زیتون پر چڑھ گیا۔ اور اُس نے اپنے شاگردوں کے لئے تعلیم دی:۔

مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔ مبارک ہیں وہ جو دل کے حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کو ورثہ میں پائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" (متی ۵ - ۲۱)

پس یہ غریب ہیں، حلیم ہیں، رحمدل ہیں، زمین پر صلح اور امن کرانے کے لئے خداوند کے بیٹے ہیں کیونکہ انھیں کہا گیا تھا۔

تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ خون نہ کرنا۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا۔ وہ سزا کے لائق ہوگا (متی - ۲۱) تم سن چکے ہو کہ

اگلوں سے کہا گیا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا (۵: ۲۳) تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا کہ اپنے پڑوسی کو پیار کر اور اپنے دشمن سے عداوت رکھ، پر میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو۔ تاکہ تم اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ٹھہرو"

پس یہ ہے اس مقدس تعلیم کا آخری ظہور جو دنیا کے سامنے ہے، اور یہ ہے وہ پاک امانت جو شہزادۂ امن نے اپنی نسل کو دی، تاکہ وہ آسمانی باپ کے بیٹے کہلائیں، ان کو غربت کا، حلم کا، تحمل کا، صلح و امنیت کا پیغام دیا گیا تھا، اور کہا گیا تھا کہ یہودیوں کو خون کرنے سے روکا گیا مگر ایک مسیحی اپنے بھائی پر غصہ بھی نہیں کرے گا وہ شریر کے مقابلہ سے بچے گا اور دشمن تک کو پیار کرے گا۔ مگر آج "مسیح" دنیا میں نہیں ہے جو دیکھے کہ خداوند کے بیٹے کہلانے والے کس طرح خداوند کی زمین کی سب سے بڑی خوں ریزی کے لئے اٹھے ہیں۔ اور خون بہانے کے ایسے ایسے ہتھیار ان کے کاندھوں پر ہیں۔ جو زمین نے آج تک نہ دیکھے تھے۔

آہ، آج ان کا وہ حال ہو گیا ہے جس کی زبور میں خبر دی گئی۔ جس کے لئے یشعیاہ نبی نے نبوت کی جس پر یرمیاہ نبی نے نوحہ پڑھا جس پر حزقی ایل نے ماتم کیا۔ اور جس کے لئے ملاکی نبی نے آخری آنسو بہائے۔ یہ سب کچھ یہودیوں کے لئے اس سے زیادہ نہ تھا، جتنا آج خود ان کے لئے ہو سکتا ہے جو یہودیوں کو اس حالت سے چھوڑانے آئے تھے۔

"کوئی راستباز نہیں۔ ایک بھی نہیں۔ کوئی خدا کا طالب نہیں، ایک بھی نہیں سب گمراہ ہیں۔ سب بیکار ہو گئے۔ کوئی بھلائی کرنے والا نہیں۔ ایک بھی نہیں۔"

قتل نفس

حقوق و فرائض عباد میں سے سب سے اوّل و افضل فرض یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کی زندگی کی حرمت اور اس کی جان کی عزت کرے جب تک حرمت زندگی و عزت جان نہیں، اس وقت تک دنیا میں راحت و اطمینان بھی نہیں۔

قابیل و ہابیل :-

کتب الہٰیہ نے بتایا ہے کہ اس بدترین فعل شیطانی کا مبتدع اوّل وہ گنہگار انسان، (قابیل) تھا جس کے سوءِ نیت اور خباثت قلب کو دیکھکر خدا نے قربان گاہ میں اس کی قربانی قبول نہ کی، لیکن اس کے بھائی (ہابیل) کی قربانی قبول ہوئی کہ وہ نیت کا خالص اور دل کا نیک تھا۔ یہیں سے قربانی کی حقیقت بھی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ وہ جانور کی گردن سے خون گرانے کا نام نہیں، بلکہ نیکی اور پاکی کے چند قطرات خونیں سے عبارت ہے، جو خدا کے نام پر دل سے کہ منتقر خیالات ہے، ٹپکیں۔

لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم (۲۲-۳۰) خدا کو قربانی کا گوشت نہیں پہنچتا، بلکہ صرف تمہاری نیکی ہی خدا تک پہنچتی ہے۔

(قابیل) نے دیکھا کہ خدا نے اس کے بھائی (ہابیل) کی قربانی کو قبول کی عزت بخشی لیکن اس کی قربانی کو عزت نہ دی، وہ رنجیدہ ہوا، اور اپنے بھائی کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کیا۔ (توراۃ - پیدائش ۴-۴)

قرآن مجید نے اسی قصہ کو ان الفاظ میں دہرایا ہے :-

واتل علیہم نبأ ابنی آدم
بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من
احدہما ولم یتقبل من الآخر
قال لاقتلنک قال انما
یتقبل اللہ من المتقین، لئن
بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا
بباسط یدی الیک لاقتلک
انی اخاف اللہ رب العالمین
انی ارید ان تبوء باثمی واثمک
فتکون من اصحاب النار وذلک
جزاء الظالمین فطوعت لہ نفسہ
قتل اخیہ فقتلہ فاصبح من
الخاسرین (۵-۳۳)

اے پیغمبر! ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا سچا قصہ سنا دے۔ جب دونوں نے خدا کے حضور اپنی اپنی قربانیاں پیش کیں تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ جس کی قبول نہ ہوئی اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ بھائی نے کہا قربانی خدا نیکوں کی قبول کرتا ہے۔ اور تم اگر میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہو تو بڑھاؤ۔ لیکن میں تو نہیں بڑھاتا میں اپنے خدا سے ڈرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا، دونوں کا گناہ تم ہی اٹھاؤ اور دوزخ کے سزاوار بنو کہ ظالموں کی یہی جزا ہے۔ پہلا بھائی اپنے نفس کا مطیع بن کر اپنے بھائی کا قاتل ہوا۔ اور مبتلائے خسران!

یہ پہلی خونریزی تھی جو دنیا میں ہوئی اور خون بے گناہی کا پہلا قطرہ تھا جو زمین پر گرا۔ دنیا میں جب کبھی اس کی مثال ظاہر ہوگی، تو آدم کا قاتل فرزند ہی اس کا ذمہ دار ہوگا کہ اس شرارت کا تخم زمین میں سب سے پہلے اسی نے بویا۔

لا تقتل نفس الا کان لابن
آدم الاول کفل منہا (بخاری)

دنیا میں جب کوئی مظلوم قتل کیا جاتا ہے تو آدم کے فرزند اول کو بھی اس میں سے حصہ ملتا ہے۔

نیکی اور بدی کا بیج :-

اسی طرح ہر نیکی کا مبتدع اور فاعل اول، جب تک وہ نیکی دنیا میں باقی رہے اس کے ثواب عمل سے بہرہ ور ہوگا، کیونکہ سب سے پہلے اسی نے دنیا کو یہ نیکی سکھائی۔ یہی مطلب ہے اس مشہور حدیث کا۔

فمن سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها (ص ح)

جو کوئی نیک طریقہ جاری کریگا، اس کو بھی اس نیکی کرنے والے کیطرح ہمیشہ ثواب ملے گا۔

پس جو وجود دنیا میں کوئی بدی لایا، وہ تمام دنیا کا دشمن ہے کہ وہ بدی ہر ایک کے ساتھ ہو سکتی ہے اور جو دنیا کو کوئی نیکی سکھاتا ہے، وہ تمام دنیا کا محسن ہے، کیونکہ اس سے دنیا کی ہر زندگی متمتع ہو گی۔ اسی لئے خدائے پاک نے آدم کے ان دونوں بیٹوں کے قصے کے بعد فرمایا:-

من اجل ذالك كتبنا على بنى اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد فى الارض فكانما قتل الناس جميعا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعا

(۵-۳۵)

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو کہہ دیا کہ جو کسی کو بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں اس نے کوئی فتنہ برپا کیا ہو، قتل کرتا ہے وہ گویا تمام بنی نوع انسان کو قتل کرتا ہے۔ اور جو کسی کو اپنی مہربانی سے زندہ کرتا ہے وہ گویا تمام نوع انسان کو زندہ کرتا ہے۔

حفظ نفس:-

اس معجزانہ، پر اثر اور مخفی طرز ادا کے علاوہ خدا نے کئی بار اعلاناً خوں ریزی سے منع فرمایا۔ سورۂ انعام میں ہے:-

ولا تقتلوا النفس التى حرم الله الا بالحق، ذالكم وصاكم به لعلكم تعقلون

(۶-۱۵۸)

جان جس کا قتل خدا نے حرام کیا، حق کے سوا کسی اور سبب سے اس کو ہلاک نہ کرو، خدا تمہارے سمجھنے کے لئے تم کو یہ نصیحت کرتا ہے۔

اور پھر سورۂ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے:-

ولا تقتلوا النفس التى حرم الله الا بالحق، ومن

جان جس کا قتل خدا نے حرام کیا حق کے سوا کسی اور سبب سے اس کو ہلاک

قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً، فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔ (۱۷-۳۵)

نہ کرو، جو مظلوم ہوکر مارا جائے، اسکے وارث کو ہم نے قصاص اور بدلے کا اختیار دیا مگر وہ اس انتقام میں تعدی اور زیادتی کسی طرح نہ کرسکے اس طرح یقیناً وہ مظفر و منصور ہوگا۔

یہ حکم امن عالم اور حفظ انسانیت سے متعلق ہے۔ اسی لئے جب کبھی ورود عصر میں امن عالم کا محافظ ربانی اور حفظ انسانیت کا واعظ روحانی دنیا میں آیا، تو اسنے اس حکم کا اعادہ کیا۔

تم نے اس فرمان کو سنا ہے، جو امن عالم کے ایک "محافظ اکبر" نے مقدس جماعت انسانی کے "رو برو اور" بیت خلیل" کے سامنے دنیا کو سنایا تھا؟

الا ان دماءکم واموالکم محرمۃ علیکم کحرمۃ یومکم ھذا، فی بلدکم ھذا، فی شھرکم ھذا!

آگاہ ہو کہ تمہارا خون، تمہارا مال ایکدوسرے کے لئے محترم ہے، جس طرح روز حج اس شہر مکہ میں اس ماہ ذوالحجہ میں محترم ہے۔

اسی طرح وہ جو "کوہ طور" سے آیا اور اس نے بھی جو "کوہ زیتون" پر نمودار ہوا یہی کہا تھا کہ "تو خون مت کر۔"

حفظ نفس کے لئے قتل نفس:-

لیکن جس طرح قیام امن و احترام روح انسانیت کے لئے سفک دم و قتل نفس ممنوع ہے، اسی طرح کبھی کبھی انھیں عزیز ترین متاع عالم کی حفاظت و عزت کیلئے سفک دم و قتل نفس ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ ایک جماعت انسانی کا مجرم، ایک نفس زکیہ کا قاتل، ایک حکومت صالح کا باغی، اور ایک برہم زن امن عالم کا قتل، عین عدل و نفس انصاف ہے تاکہ دنیا کی صلاح و سلام واپس آئے، اور انسانیت و روح کی عزت و احترام باقی رہے۔

عفو و انتقام

اسلام سے پہلے دنیا نے صرف دو اصولوں پر کام کیا ہے، عفو اور انتقام، ہم نے موسیٰ کی شریعت میں "جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت" پڑھا ہے، لیکن یہ نہیں پڑھا ہے کہ "اے اسرائیل! برے بندوں کو معاف کر دے۔"

ہم نے مسیح کو سنا کہ اس نے (گلیل) کی سرزمین میں ایک پہاڑ کے نیچے کہا:-

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا، آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے، جو تیرا کرتا لے اس کو چوغہ بھی لینے دے۔ جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا[1]"

ہم نے یہ سنا لیکن یہ تو نہیں سنا کہ اس نے کہا ہو "شریروں اور بدکاروں کو ان کے اعمال کی سزا دو کہ آسمان کی بادشاہت کیطرح زمین کی بادشاہت میں بھی امن و سلامتی ہو۔"

لیکن ہم نے مسیح کے بعد (بطحا) کی سرزمین میں جبل حرا کے دامن میں ایک اور بولنے والے کا کلام سنا، جس نے گلیل کے منادی کی طرح پہلے کہا۔

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ (۲۳ - ۹۶)	برائی کا معاوضہ ہمیشہ نیکی سے دو۔
ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اولئک لھم عقبی الدار (۱۳ - ۲۲)	آنے والے گھر کا انجام ان کے لئے ہے جو برائی کو نیکی کے ذریعے سے دفع کرتے ہیں۔

لیکن ساتھ ہی اس نے سلطان عدل کے جلال، امنیت عالم کے احترام نظام مدنیت کے قوام، اور قانون و عدالت کی ہیبت کے ساتھ کہا، جیسا کہ موسیٰ نے بادل کی گرج، بجلی کی چمک، اور قرنا کی آواز میں سنا تھا۔

---

[1] تورات۔ سفر خروج۔ ۲۵-۲-اور متی ۵-۲۸- (متی)

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین (۲-۱۹۴)	جو تم پر تعدی کرے تم بھی اسی طرح اور اسی قدر اس پر تعدی کرو، خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ خدا اپنے سے ڈرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

پھر اُس نے موسیٰ کے قانون کا اعادہ کیا:-

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص (۵-۴۵)	ہم نے تورات میں لکھ دیا ہے کہ جان بدلے جان کے آنکھ بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم کے بدلے زخم ہے۔

وہ ادھوری باتوں کو جیسا کہ (مسیحؑ) نے کہا تھا، پورا کرنے کیلئے آیا تھا، وہ آیا اور اُن کو پورا کیا۔ اس نے کہا کہ "تم دشمنوں سے درگذر کرو اور برائی کو نیکی کے ذریعہ دور کرو" اس نے صرف یہی نہیں کہا کہ دشمنوں کے شدائد کے ساتھ تحمل کرو بلکہ یہ بھی کہا کہ احسان کرو، برائی کو انگیز کرو، اور اس کی جزا نیکی کے ساتھ دو کہ یہ حصول امن کا ذریعہ اور کسب صلح و سلام کی تدبیر ہے:-

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم وما یلقاھا الا الذین صبروا، وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم (۴۱-۳۴)	نیکی اور بدی برابر نہیں، نیکی سے بدی کو دور کرو کہ اس سلوک سے وہ جس کو تم سے عداوت ہے تمہارا دوست ہو جائے گا یہ وہ طریقۂ اخلاق ہے جس پر صرف صابر اور خوش قسمت انسان ہی عمل کرتے ہیں

قانون حفظ و قتل:-

لیکن یہ عفو و حلم، یہ صفح و درگذر، یہ تحمل و انگیز، کب تک؟ اس وقت تک جب تک کہ اس شر اور بدی کا اثر شخص واحد تک محدود اور صرف ایک ذات خاص ہی کے

منافع خصوصیہ میں محصور ہو کہ یہ جرم ایک شخص واحد اور ذات خاص کا ہے، جس کے معاملات و حوادث خصوصیہ کو ہیئت اجتماعیہ اور سوسائٹی سے تعلق نہیں۔

وہ پانی کا ایک بلبلہ ہے جو ایک ٹھوکر سے پیدا ہوا اور مٹ گیا۔ اس جرم معاف کرو کہ اشخاص کی ذاتی محبت و مودت اور شخصی لطف و رحم کو ترقی ہو، اور دنیا امن و صلح سے بھر جائے۔ یہی وہ موقع ہے جہاں (مسیح) کے حکم پر عمل کرنا عین اسلام کی تعلیم ہے۔

لیکن دنیا میں ایسی بھی بدیاں ہیں جو گو ایک شخص خاص کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں، لیکن وہ سمندر کی لہریں ہیں، جو ہوا کے جھونکوں سے پیدا ہوتی ہیں اور دور تک پانی کی سطح کو متزلزل کر دیتی ہیں۔ وہ گو ایک ذات واحد کا گناہ ہے۔ لیکن اپنی وسعت اثر و قوت نفوذ کے لحاظ سے تمام مجتمع انسانی کا گناہ ہے۔ پھر جب وہ تمام مجتمع انسانی کا گناہ ہے تو ایک شخص خاص کو کیا حق ہے کہ وہ اس گناہ کو معاف کرے، اور اگر کرتا ہے تو وہ خود تمام مجتمع انسانی کا گناہ کر رہا ہے۔

زید، خالد کے گھر میں سرقہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اب خالد کو کوئی حق نہیں کہ وہ زید کے گناہ کو معاف کرے، اور اگر کرتا ہے تو گویا اس کو اعادۂ جرائم و معاصی کی تعلیم دیتا ہے۔

عمر، بکر کے قتل کا مرتکب ہوتا ہے، بکر کا باپ اب حق نہیں رکھتا کہ اس کے اس جرم کو معاف کرے۔ اور اگر وہ معاف کرتا ہے تو اس کا عفو جرأت آموز جرائم قتل ہے اسلئے اب عمر، صرف بکر کے موالی و اعزہ ہی کا گنہگار نہیں۔ بلکہ خود مجتمع انسانی کا، امن و عدل عالم کا، اور حکومت کا گنہگار ہے۔ اسی نکتہ کی طرف کتاب حکیم نے منافع قصاص پر بحث کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے:۔

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔

جس نے کسی کو بغیر اس کے کہ وہ مرتکب قتل ہوا ہو یا اس نے زمین میں فساد برپا کیا ہو، قتل کر دیا تو اس نے گویا تمام دنیا کو قتل کر دیا، اور جس نے ایک کو

زندہ بچایا تو اس نے گویا تمام دنیا کو زندگی بخشی۔

یہ وہ موقع ہے جہاں اسلام نے موسیٰ کی اس شریعت کا حکم دیا ہے کہ "جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔"

قرآن مجید نے ان دونوں مواقع کی تفریق و تمیز سے تورات و انجیل کی شریعت عفو و انتقام کی جو ناقص تھی تکمیل کی، اور اس طرح وہ پورا ہوا جو مسیح نے کہا تھا کہ "میرے بعد آنے والا میری ادھوری باتوں کو پورا کردے گا۔"

اخلاق اور قانون

مسئلہ عفو و انتقام کی نسبت ایک اور نکتہ بھی قابل لحاظ ہے۔

دنیا میں دو چیزیں ہیں:- اخلاق اور قانون۔ اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے اور قانون کا تعلق حکومت اور مجتمع انسانی سے ہے۔ عفو و درگذر اور صفح و مغفرت ایک انسان کا بہترین وصف ہے، لیکن اگر اس سے تجاوز کرکے وہ حکومت اور جمعیت انسانی تک پہنچ گیا تو وہ قانون کی سرحد میں آگیا۔ جہاں مغفرت گناہ عظیم، اور صفح و عفو جریمہ کبیرہ ہے یہ جرأت آموز جرائم ہوتا ہے اور برھم زن امن انسانی۔

اسی لئے اس ارحم الراحمین نے فرمایا، جہاں اپنے معجزانہ انداز کلام میں فرمایا کہ

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب (۲-۱۷۹)

اے دانشمندو! نوع انسانی کی بقاو حفاظت قصاص اور بدلے ہی میں ہے۔

گذشتہ آیت کو پھر پڑھو:-

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا، ومن احیاھا فکانما احیا الناس

جس نے کسی کو بغیر اسکے کہ وہ مرتکب قتل ہوا ہو یا اس نے زمین میں فساد برپا کیا ہو قتل کردیا، تو اسنے گویا تمام دنیا کو قتل کیا اور جس نے ایک کو

جمیعا (۵-۳۳) زندہ بچایا اسنے گویا تمام دنیا کو زندگی بخشی!

اس موقعہ پر اگر قارئین کرام اس سلسلۂ مقالات پر بھی ایک نظر ڈال لیں جو الہلال جلدوں میں امر بالمعروف کے عنوان سے شائع ہوا ہے تو یہ مطالب زیادہ وضاحت کے ساتھ ذہن نشین ہوں۔

اسلام دونوں کا جامع ہے:۔

مسیحؑ کی تعلیم صرف اخلاق ہے اور موسیٰ کی شریعت صرف قانون، لیکن وہ جس نے کہا "میں خاتم نبوت کی آخری اینٹ ہوں۔"[1] وہ جس طرح معلم اخلاق تھا، اسی طرح ایک مقنن قانون بھی تھا۔ اس نے کہا کہ۔

والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون وجزاء سیئة سیئة مثلھا، فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظالمین ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئك ما علیھم من سبیل، انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق، اولئك لھم عذاب الیم، ولمن صبر وغفر ان ذلك لمن عزم الامور (۴۲-۴)

خدا کے پاس کی وہ اجرت جو سراسر خیر اور دائمی ہے، ان لوگوں کے لئے ہے جو اس سرکشی و بغاوت کا، جو ان کے ساتھ کی جائے، انتقام لیتے ہیں کہ بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے۔ البتہ جو معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر خدا پر ہے، وہ ظالموں کو پیار نہیں کرتا جو اپنی مظلومی کے بعد اپنے ظلم کا انتقام لے تو اس پر بھی کوئی الزام نہیں۔

الزام تو انہی پر ہے جو خود لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں — یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے

---

[1] آنحضرتؐ نے ایک تمثیل میں اپنے آپ کو، کہ تکمیل دین کیلئے تشریف لائے تھے، مکان کی آخری اینٹ سے تشبیہ دی ہے جس کے بعد مکان کی عمارت کامل ہو جاتی ہے۔

دردناک عذاب ہے مگر جو صبر کرے اور دوسروں کی خطائیں بخشدے تو یہ بڑی ہی عالی حوصلگی کے کام ہیں

اسلام اور شرائع سابقہ کا یہ فرق ایک نہایت اہم اور اصولی نکتۂ دقیق ہے اور افسوس کہ اس کی تشریح ضمناً ممکن نہیں، اور مصیبت یہ ہے کہ ایک موضوع پر لکھتے ہوئے کتنے ہی ضمنی مطالب کی طرف اشارہ کرنا پڑتا ہے۔

حاصل مبحث:۔

ان تمام آیات میں بار بار اعادہ ہوا ہے کہ شریعت حقہ الٰہیہ نے خون ریزی کو اکبر الجرائم اور قتل نفس کو معصیت کبریٰ قرار دیا ہے۔ تاہم بقائے حفظ اسلام عالم، وانسیت انسانی، و قیام عدل و نظام کیلئے دو وصف کے لوگوں کا خون بہانا صرف جائز بلکہ ضروری و الزام بھی بتلایا ہے۔

(۱) ایک وہ جس نے کسی مظلوم انسان کا ناحق خون کیا اس سے قصاص لیا جائے گا کہ اسکے عمل بد سے دنیا محفوظ رہے اور اس کا اقدام خونین متعدی نہ ہو۔

(۲) دوسرا وہ، جو زمین کے امن وسلامتی کو برباد، اور قوموں کے سکون و راحت کو غارت کرتا ہے جو انسانوں کے خون کی عزت نہیں کرتا، جس کا وجود دنیا کے لئے باعث مصائب و حوادث اور موجب برہمی صلح و سلام ہے، اور جو انسانوں کے فطری حقوق اور خدا کی بخشی ہوئی آزادی وخود مختاری کو غارت کرنا چاہتا ہو وہ بھی قتل کیا جائے۔ کہ فی الحقیقت اس کی موت دنیا کی زندگی ہے۔

ولکم فی القصاص حیوٰۃ یااولی الالباب — دانش مندو! قصاص یا انتقام کے خون ہی میں تمہاری زندگی کا سرچشمہ ہے

(۲ - ۱۲۹)

اور اسلام کا یہ قانون کس کو معلوم نہیں؟

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا (۴۲ - ۴) — اور بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے جیسی کہ کی گئی۔

یہی اصل الاصول دنیا کے مادی قوانین اور عدالت کو بھی قرار دینا پڑا ہے، اور سیاست اخلاق بھی اپنی تعلیم رحم و درگذر کو یہاں پہنچ کر یکسر پھیلا دیتی ہے، نہی عدالت جو خوں ریزی کو جرم بتلاتی ہے، جب خوں ریزی کی جائے تو اس کا انصاف خوں ریزی ہی سے کرتی ہے، اور جس نے تلوار سے خون بہایا ہے۔ اس کو عدالت کے جلاد کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے، یا سولی کے تختہ پر کھڑا کیا جاتا ہے۔

اخلاق سے بھی اگر فتویٰ طلب کیا جائے تو وہ عدالت کا ساتھ دے گا۔

کیوں کہ اس کے بارے میں اصل الاصول یہ ہے کہ "انسانی زندگی اور اس کے فطری حقوق کی حفاظت کی جائے، رحم بھی اسی لئے ہے تاکہ کسی پر سختی کر کے اس کے حیات و حقوق طبعیہ کو گزند نہ پہنچایا جائے، درگزر اور عفو بھی اسی لئے ہے تاکہ انسانی زندگی کا احترام اور انسانی حقوق حیات کا اعتراف کیا جائے لیکن اگر اس عفو و درگذر اس تعلیم حفظ نفس اور عدم قتل و خوں ریزی سے خود وہی اصل الاصول خطرے میں پڑ جائے، جس کی بنا پر یہ تمام اصول قائم کئے گئے تھے تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ جس طرح انسانی زندگی و حقوق کی حفاظت کے لئے منع قتل کی تعلیم دی جاتی تھی، ٹھیک ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی اور حقوق کی حفاظت ہی کے لئے بھی قتل و خونریزی کی بھی اجازت دی جائے۔

اخلاق کا واعظ کہتا ہے کہ "قتل مت کرو" اور عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ قاتل کو پھانسی پر چڑھاؤ" دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک ایک ہی درجے میں دونوں انسانی زندگی اور حقوق طبیعی کے محافظ ہیں۔ پہلا خون کے روکنے کے لئے ایسا کہتا ہے تو دوسرے کا بھی فیصلہ خون ہی کی حفاظت کے لئے ہے۔

البتہ اس عالم کی ہر راہ پل صراط ہے اور صراط مستقیم عدل و اعتدال کا نام ہے، پس اگر اخلاق کے واعظ نے تفریط کی، اور قانون و سیاست نے افراط تو دونوں کی تعلیم نظام امن و عدل کو درہم برہم کر دے گی۔

(کوہ سینا کے اعتکاف نشین نے مقدس تختیوں پہ جو کچھ لکھا، اور (گلیل)

کی گلیوں میں حسن اخلاق کی منادی کی گئی وہ دونوں نظام و قوام کے دو علیحدہ عنصر ضرور تھے پر الگ الگ دنیا کے لئے بیکار تھے۔ ایک یکسر قانون تھا، جو بقول یہودی النسل برناز (پولوس) کے "صرف سزا ہی دے سکتا تھا پر بچا نہیں سکتا تھا" (۱) دوسرا اخلاق محض تھا جو حسن و جمال میں تو دل فریب تھا، پر عملی نظام کے لئے بالکل بے کار تھا۔ یہ دونوں عنصر الگ الگ دنیا کے دکھ کے لئے نہ صرف بیکار ہی نہ تھے بلکہ اس کی بیماری کو اور زیادہ کرنے والے تھے۔

لیکن جب وہ دنیا سے گیا۔" جس کا جانا ہی بہتر تھا تاکہ آنے والے کو جلد بھیجنے کے لئے اپنے آسمانی باپ سے سفارش کرلے۔" (۲) اور خداوند نے (طور) اور زیتون کے پہاڑوں کی جگہ (فاران) کی چوٹیوں سے اپنی ندا بلند کی، تو وہ آگیا جو موسیٰ کے قانون اور مسیح کے وعظ کو پورا کرنے والا تھا۔" اس نے ناقص کو کامل اور ادھورے کو پورا کیا، اور ان دونوں عنصروں کو، جو الگ الگ تھے، تسویہ و اعتدال کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا کہ قانون کا عدل اور اخلاق کا رحم دونوں باہم مل گئے اور ابنیت و نظام انسانی کا ایک مرکب صحیح و صالح پیدا ہو گیا۔

اس مرکب میں "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اور ولمن صبر و غفر ان ذلک لمن عزم الامور" دونوں عنصر موجود ہیں:۔

یہی شریعت حقۃ الٰہیہ ہے یہی ناموس طبعی و سنۃ ربانی ہے، یہی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا، ہے اور اگر ایک لمحہ ایک دقیقہ کے لئے بھی اس کی حکومت دنیا سے اٹھ جائے اور صرف (توراۃ) کی شہادت یا صرف (انجیل) کی محبت دنیا پر مسلط ہو جائے تو دونوں حالتوں میں دنیا امن و مدنیت کی جگہ، قتل و خونریزی، نہب و سلب، وحشت و سبعیت اور جرائم و معاصی کا ایک شیطان کدہ بن جائے۔

آخری نتیجہ:-

آخری نتیجہ جو ان مواد و ترتیبات کے بعد سامنے آتا ہے، یہ ہے کہ شریعت آلہیہ نفس انسانی کی محافظ ہے اور اسی لئے وہ دو صورتوں میں (حسب تصریح بالا) قتل نفس کو فرض و الزام قرار دیتی ہے۔ ان صورتوں میں انسانوں کا قاتل مجرم و عاصی نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک نہایت مقدس فرض انسانیت و عدالت حقہ انجام دینے والا ہوتا ہے، وہ ویسا ہی محب انسانیت اور نوع خواہ و امن پرست ہے۔ جیسا کہ خود قانون اور عدالت کی قوت، اس کا اخلاقی عمل نہایت اقدس و محترم ہے، کیونکہ وہ اس قتل نفس کے ذریعے تمام جمعیت انسانی اور عدل و نظام امینت کی خدمت انجام دیتا ہے۔

دنیا کا قانون اور اخلاق، دونوں شریعت آلہیہ کے اس اصول و حکم کے قولاً و عملاً، دونوں طرح پیرو ہیں، گو بعض اوقات اپنے قول و عمل کو بھول جائیں۔

عود الی المقصود:-

پس اسی لئے تھا کہ حضرت (موسیٰ) علیہ السلام نے مصر کے بازار میں ایک قبطی پر ہاتھ اٹھایا، اور وہ مر گیا۔

اس کا قصہ "قصص بنی اسرائیل" کے سلسلے میں قرآن کریم نے بیان کیا ہے، اور یہ آج کی تمہید طویل اس لئے تھی تاکہ کل اس واقعہ پر ایک غائر نظر ڈال سکیں اور پہلے ایک اصول قانون و فیصلۂ اخلاق و شریعت ذہن نشین ہو جائے۔

اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ

لوگوں کے نتائج اعمال کا وقت قریب آلگا۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ

لیکن اس پر بھی وہ غفلت میں سرشار اور اللہ کی طرف سے منھ موڑے ہوئے ہیں!

استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مرد لہ من اللہ، ما لکم من ملجا یومئذ وما لکم من نکیر فان اعرضوا فما ارسلناک علیہم حفیظا، ان علیک الا البلاغ

(۴۲-۴۶)

اے غافل لوگو! اس فیصلہ کے دن کے آنے سے پہلے اپنے خدا کا کہا مان لو، جو اس کیطرف سے اعمال بد کے نتائج ہیں آنے والا ہے، اور اس کا ٹلنا ممکن نہیں، اس دن نہ تو تمہارے لئے کہیں پناہ ہوگی اور نہ تم اپنے اعمال بد سے انکار ہی کر سکو گے!

اگر اس طرح سمجھا دینے پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے پیغمبر) ہم نے تم کو ان پر داروغہ بنا کر تو بھیجا نہیں۔ تمہارے ذمہ تو بس حکم الٰہی کا پہنچا دینا ہی ہے۔ ماننا یا نہ ماننا سننے والوں کا کام ہے۔

ایڈریا نوپل جو خلفاء بلقان کی راہ کامیابی میں بظاہر آخر مانع کامیابی تھا بالآخر مسخر ہو گیا، نہ جامع سلیم کی مقدس محرابوں کے جنھوں نے دو صدیوں سے اپنے نیچے صرف سجدہ ہائے نیاز، اور زمزمہ ہائے توحید و تکبیر ہی کو دیکھا تھا اور مع ان بلند اور عظیم الہئیت مناروں کے، جن پر آج تک روزانہ اعلان و شہادت توحید کی ایک صدا بھی قضا... نہ ہوئی تھی۔ وہ فتح ہو گیا، حالانکہ ہمارے جوش و بیداری کا لشکر

عظیم ابتک غفلت و سرشاری کے قلعہ میں محصور ہے اور عبرت اور تنبیہ کے پیہم ہجوم اب تک اسے مسخر نہیں کر سکے! فیا حسرتا! ویا بلتا! ویا ندما!!

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب اسلام و ایمان

میں سفر میں تھا جب میں نے اول بار یہ خبر سنی۔ میں نے دیکھا کہ اس خبر کی تصدیق کے بعد بھی دنیا ویسی ہی تھی، جیسی اس سے پہلے، میں نے دیکھا کہ ہم اپنے کاروبار میں مصروف اور اپنی احتیاجات میں بدستور منہمک ہیں، وقت پر کھانا کھاتے ہیں اور وقت پر آرام و نیند کے انتظار میں بستروں کو تلاش کرتے ہیں، زندگی کی مصروفیتوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا، اور اپنے اندر بھی دیکھا تو حالت ویسی ہی پائی جیسی کہ کل تک تھی حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی اس خبر کے سننے کے لئے تیار نہ تھا۔

میں نے سوچا کہ کیا کسی دن اسی طرح قسطنطنیہ کے مسخر ہو جانے کی خبر آجائے گی؟ قسطنطنیہ کیا شے ہے؟ میں نے سوچا کہ ایک دن ہماری آخری متاع عزت یعنی بیت جلیل خلیل اللہ اور مسجد مطہرہ رسول اللہ پر بھی ملاعنہ صلیب کے حملہ آور ہو جانے کی خبر آجائے گی اور ہم اسی طرح اپنی رفتار بدہوشی میں آگے بڑھ جائیں گے؟ فماذا جریٰ علی المسلمین؟ ومن الذی دفع بھم من علیین الیٰ اسفل سافلین؟

ولقد اخذناھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرعون (۲۳-۷۶) اور ہم نے ان لوگوں کو عذاب میں گرفتار کر دیا پھر الگو کیا ہو گیا ہے کہ اب بھی اپنے خدا کے آگے نہیں جھکتے اور اپنی غفلت پر نہیں روتے؟

دنیا میں قوموں کیلئے بڑے بڑے کام ہیں۔ بہت سے ہیں جن کو اپنے عظیم الشان حکومت ایوان اور تخت جلال کی آرائش کرنی ہے بہت سے ہیں جن کو اپنے عظیم الشان متمدن شہروں اور اپنی عالمگیر تجارت کی حفاظت مقصود ہے بعض اپنی قومی دولت و ثروت کے بڑھانے کی فکر میں ہیں اور بعض خدا کی زمینوں پر قبضہ کرنیکے انتظام میں۔ لیکن غور کرو کہ اب ہمارے لئے دنیا میں کیا کام باقی رہ گیا ہے حکومتیں نہیں رہیں، کہ ان کے دبدبہ و سطوت کا نقارہ بجائیں دولت و ثروت کب کی جا چکی ہے اور جو رہ گئی ہے وہ بھی برق آتش زدہ ہے نئی

زمینوں پر قبضہ کرنے کی فکر کیا کریں کہ جو چند گوشے اپنے ایام ذلت و نکبت بسر کرنے کے باقی رہ گئے تھے، اُن کے لائق بھی نہ نکلے۔ تہذیب و تمدن کی جگہ وحشت و جہالت ہمارا مایۂ انسانیت سمجھا جاتا ہے اور دنیا کی قوموں کی فہرست میں ہمارے نام کے ساتھ "وحشی" اور "ناقابل حیات زندگی" کے القاب لکھے جاتے ہیں، کیونکہ اللہ کی زمین پر رہنے کے اب قابل نہیں رہے ہم سے زمینیں بھی چھین لینی چاہئیں اور جس قدر جلد ممکن ہو، ہمارے بار ذلت سے دنیا کو پاک کر دینا چاہیئے۔ ہماری تیرہ سو برس کی تاریخ کے بعد آج کل کی سرگزشت حیات صرف اتنی ہی باقی رہ گئی ہے۔

فیا للعار! و یا للاسف!! و الا الا لنشر الخ!!

گلگونۂ عارض ہے نہ ہے رنگ حنا تو
اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

ہماری تمام متاع اقبال لٹ چکی ہے، ایوان حکومت کھنڈر ہے ہیں اور تخت شاہی اُلٹ گئے ہیں۔ اب ہمارے پاس کچھ باقی رہ گیا ہے تو بس یہی چند مسجدوں کی محرابیں ہیں اور چند عبادتگاہوں کے صحن، اور یا پھر وہ گنبد سبز، جسکے نیچے دنیا کا سب سے بڑا انسان سو رہا ہے۔

لیکن آج ایڈریانوپل کی جامع سلیم کے صحن میں یلغاروں کے بوٹوں کے گرد اڑ رہی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ کل اور کیا کچھ نہ ہوگا؟

پھر اے زہ لوگو! کہ اپنے ایوان حکومت کی حفاظت نہ کر سکے، کیا آج خدا کی عبادتگاہوں کی محرابوں اور اس کی صدائے توحید بلند کرنیکے مناروں کی بھی حفاظت نہ کرسکوگے؟

غفلت سرشت انسان کا قاعدہ ہے کہ بہت سی مصیبتیں اس کے لئے اس قدر جگر دوز اور زہرہ گداز ہوتی ہیں کہ ان کا تصور بھی کرتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے لیکن پھر جب وقت آجاتا ہے، اور وہ مصیبت سر پر آکر کھڑی ہو جاتی ہے، تو کچھ دیر تک متحیر رہ کر کچھ دیر رو دھو کر، اور کچھ دیر ماتم و فغاں سینچی کر کے آگے بڑھ جاتا ہے اور جس وقت کے تصور سے لرز جاتا تھا اس کو اس طرح جھیل جاتا ہے، گویا کوئی واقعہ ہوا ہی نہ تھا۔

ایک مدت سے ہم عالم اسلامی کے آخری مصائب کے تصور سے کانپ رہے ہیں "آخری وقت" اور "فیصلہ کن وقت" ہماری زبانوں پر ہے۔ ہم اس وقت کا ذکر کرتے تھے، جب اعدائے اسلام ہمارے نیست کر دینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم اس مصیبت کبریٰ کے خیال سے لرز اُٹھتے تھے جب دشمن قسطنطنیہ کے دروازوں پر آ پہنچیں گے، ہم غافلوں کو ڈراتے تھے کہ ہوشیار ہوں، کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے، جب آخری فیصلہ کی گھڑی سر پر آ جائے گی۔ ہم سوتوں کو جگاتے تھے کہ اُٹھ کھڑے ہوں کیوں کہ وہ "فزع اکبر" اور "طامۃ الکبریٰ" کا وقت کبھی نہ کبھی آنے والا ہے، جبکہ فنا و بقا اور موت و حیات کا فیصلہ آخری ہو جائے گا۔

پھر اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو اس وقت موعودہ اور مصیبت منتظرہ کا دن تو آ گیا اور اگر اس کی آخری ساعات نہیں آئی ہیں تو اس کو بھی دور نہ سمجھو۔ لیکن کیا اپنی غفلت ہمیشگی کی عام عادت کی طرح اس بارے میں بھی ہمارا ویسا ہی حال ہوگا، جیسا کہ ہر آنے والی مصیبت کے آ جانے کے بعد ہوا کرتا ہے؟ کیا ہم اسے بھی جھیل جائیں گے؟ کیا چند آنسوؤں کی ریزش، اور چند آہوں کی گشتی سے زیادہ کچھ نہ ہوگا؟ اور کیا پانی سر سے گذر جائے گا اور ہمارے ہاتھوں کو حرکت نہ ہوگی؟

خاک بدہنم، تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لو کہ وہ سب کچھ ہو گیا، جس کے ہونے میں اب کچھ دیر نہیں ہے۔ جبتم تصور سے کام لو کہ جس آخری ساعت کے تصور سے ڈرتے تھے اور ڈراتے تھے۔ وہ مع اپنی آخری ہلاکتوں اور بربادیوں کے آ گئی،

انگلستان نے عرب و عراق اور حجاز و حرمین کی ریاست کی دیرینہ آرزو پوری کر لی شام پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ بقیہ ایشیا جرمنی کے زیر علم آ گیا۔ قسطنطنیہ اور دردانیال کا بھی وہ حشر ہو گیا، جو مسئلہ مشرقی کے انفصال کے وقت سب سے پہلے ہو کر رہے گا، اور اپنی موت کی آخری خبر بھی ہم نے موجودہ جنگ کی خبروں کی طرح

رپورٹر کی زبانی سن لی، تو پھر بتلاؤ کہ اس وقت اس کے سوا اور کیا ہوگا، جو کچھ کہ اس وقت ہو رہا ہے؟ کیا در و دیوار سے سر ٹکراؤ گے؟ کیا آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور صحراؤں میں چلے جاؤ گے؟ کیا گنگا اور جمنا کی سطح تم کو اپنی آغوش میں لے کر بچا لے گی؟ یا بحرِ عرب کی موجوں میں تمہیں پناہ مل جائے گی؟

اگر ایسا نہ ہوگا تو پھر کیا دنیا میں کوئی انقلاب عظیم ہو جائے گا؟ کیا آفتاب اپنے مرکزِ حرکت کو چھوڑ دے گا؟ کیا زمین حرکت سے معطل ہو جائیگی؟ کیا ستارے آپس میں ٹکرا جائیں گے؟

اگر یہ بھی نہ ہوگا تو کیا ہم رات کا سونا اور دن کا کاروبار چھوڑ دیں گے؟ کیا کھانا پینا بالکل بند کر دیں گے؟ اور کیا ہم کو زندگی کی احتیاج باقی نہیں رہے گی؟ حالانکہ ہم کو دنیا کے اندر تبدیلی پیدا ہونے کی خواہش کا کیا حق ہے، جب ہم خود اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے؟

دنیا اس طرح کبھی نہیں بدلی ہے، اور وہ ہماری امیدوں اور ولولوں کی تابع نہیں، ایران نے بابل کو مسمار کر دیا۔ مگر آفتاب اسی وقت طلوع ہوا جیسا کہ روز ہوتا تھا۔ سکندر نے ایران میں آگ لگا دی، مگر انسان نے اپنے گھروں کو اور صحرا کی چڑیوں نے اپنے آشیانوں کو نہیں چھوڑا، بابل و نینوا کے عظیم الشان تمدن برباد ہو گئے، مگر ان کی بربادی کے ماتم میں شاید کائنات کے ایک ذرے نے بھی زحمت نہ اٹھائی۔ یونان اور رومۃ الکبریٰ کے طلائی مندروں اور سنگی دارالعلوموں کی دیواریں سرنگوں تھیں، اور اسکندریہ کے بیت الحلم کا چراغ گل ہو گیا تھا، مگر عرب کے شتر سواروں نے کب اس کی پرواہ کی اور اس انقلاب عظیم نے کب کاروبارِ عالم کو معطل کیا؟

اس کائنات ارضی کی گھڑی اپنے کیل پرزوں پر چل رہی ہے اور وہ ان حوادث و تغیرات سے بند نہیں ہو سکتی، پس اس کی تبدیلی کی خواہش بے فائدہ ہے، اس میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہماری خاطر اب ہوگی، یہ کوئی

تعجب کی بات نہیں۔ البتہ ایک دنیا خود تمہارے اندر موجود ہے، سخت تعجب اور حیرت ہے اگر ان حوادث و انقلابات سے خود اس کے اندر کوئی تبدیلی نہ ہو! اور اگر اس وقت نہ ہوگی تو پھر اور کس وقت کا انتظار ہے؟

ہماری ساری بدبختی اس میں ہے کہ ہم اپنی فتح و شکست کو ایڈریانوپل کے سامنے ڈھونڈھتے ہیں، حالانکہ اس کا اصلی میدان تو ہمارے دل کے اندر ہے، وفی انفسکم افلا تبصرون؟ جب تک ہم خود اپنے اندر فتح یاب نہ ہوں گے اس وقت تک باہر بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

العجل العجل! الساعۃ الساعۃ!

ہاں ایک وقت آنے والا تھا اور وہ آگیا۔ ایک یوم الفصل تھا، جس کا آفتاب طلوع ہوگیا۔ پرانی پیشین گوئیوں میں کہا گیا کہ آفتاب مغرب سے نکلے گا، اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب مغرب سے نکل چکا ہے، اور توبہ کا دروازہ (کہ فقط مایہ امید داری بدبختاں عالم بود) روز بروز ہم پر بند ہو رہا ہے۔ پس وقت آگیا ہے کہ جس کو اٹھنا ہے اٹھے، جس کو چلنا ہے چلے، اور جس کو اپنے روٹھے ہوئے خدا سے صلح کر لینی ہے کر لے، کیونکہ ساعت آخری، نتائج سامنے، مہلت قلیل، اور فرصت مفقود ہے۔

فتنبھوا عباد اللہ! وقوموا ایھا المسلمون الغافلون! وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون۔

جستجوئے مقصود و توفیق الٰہی

موسم گزر رہا ہے، آسمان ہمیشہ مہربان نہیں ہوتا، اور وقت جا کر واپس نہیں آتا۔ آج آٹھ ماہ سے میں دیکھ رہا ہوں کہ عالم اسلامی میں جو ایک عام

حرکت بیداری پیدا ہوگئی اور موجودہ مصائب نے بالخصوص مسلمانانِ ہند کے دلوں پر جو اضطراب طاری کر دیا ہے وہ ایک اصلی اور حقیقی قوتِ کار، اور ایک آخری فرصتِ عمل ہے جس سے اگر کوئی صحیح اور موصل الی المقصود کام نہ لیا گیا، تو پھر ہمیشہ حسرت و ماتم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

روپیہ کا فراہم کرنا، جذبات و عواطفِ اسلامیہ کو حرکت میں لانا، مجالسِ تذکرۂ مصائب اور مجامعِ تحریک و تشویق اور اسی طرح کی تمام باتیں دراصل ضمنی اور بطور ذرائع و وسائل کے تھیں۔ پھر اگر ہماری تمام بیداری صرف آلات کی تیاری ہی میں صرف ہوگئی اور اصل عمل کی توفیق نہ ملی تو یہ ایک بہت بڑی بدبختی ہوگی۔

لوگوں کی نظر سطحی اور بالائی چیزوں پر تھی، مگر میں حقیقتِ حال کو سوچ رہا تھا لوگ متاسف تھے کہ محرابیں خوشنما نہیں، انھیں بدل ڈالئے مگر میں رو رہا تھا کہ بنیاد کھوکھلی ہوگئی ہے، اس کی درستگی کی کیا تدبیر ہو؟

اصلی چیز یہ تھی کہ یہ وقت کے مصائب دراصل ان دائمی اور مستمر اسباب کا نتیجہ تھے جو پچھلی دو صدیوں سے عالمِ اسلامی پر طاری ہیں اور جب تک اس سوراخ کو بند نہ کیا جائے جہاں سے سیلاب نکل کر بہتا ہے، اس وقت تک صرف پانی کے ڈول بھر بھر کر پھینکنا، یا در و دیوار کو مضبوط بنانے کے لئے مصالحہ جمع کرنا بالکل لاحاصل ہے۔

میں اپنے کاموں سے غافل نہ تھا (الہلال) میں جو کچھ لکھ رہا تھا، اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ہمتوں اور عزموں کا اصلی مصرف نہیں سمجھا، بلکہ ہمیشہ کسی اور مقصودِ حقیقی کی طرف جانے کے لئے ایک وسیلہ و ذریعہ یقین کیا، لیکن مشکل یہ تھی کہ طریقِ عمل کا فیصلہ آسان نہ تھا۔

اس عرصے میں کتنی اسکیمیں بنائیں، اور پھر ان کو چاک کیا، کتنی راہیں سامنے آئیں اور پھر ایک قدم اٹھا کر واپس آگیا۔ ہمارا مرض ایک ہی نہیں ہے اور ہمارا گھر ہر طرف سے اجڑا ہوا ہے، ضرورت ایک ایسے راہِ عمل کی تھی کہ ایک ہی راہ ہو کیونکہ ایک وقت میں انسان ایک ہی راہ پر چل سکتا ہے، لیکن ایسی ہو کہ پھر اس کے بعد کسی دوسری راہ کے تلاش کی ضرورت باقی نہ رہے اور ہمارے تمام

امراض کے لئے ایک نسخہ وحید۔ اور علاج جامع ہو۔

آپ یقین کیجئے کہ میں نے بہت سوچا۔ انسانی دماغ کسی چیز پر جس قدر غور کر سکتا ہے، شاید میں نے ہمیشہ کیا اور منفصل اور پیہم کیا، مگر باین ہمہ کسی ایک تجویز اور راہ پر پہنچ کر نہ رک سکا۔ یہاں تک کہ میں تھک گیا اور قریب تھا کہ مجھ پر عالم تحیر و تعطل طاری ہو جائے اور قوت فیصلہ جواب دیدے۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۵

لیکن جب کہ میں تلاش مقصود میں بھٹک رہا تھا، تو اس نے جس کا ہاتھ ہمیشہ سرگشتگان حیرانی کا دستگیر اور گم گشتگان تحیر کے لئے رہنما و دلیل ہے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور چہرہ مقصود کو بے نقاب کر دیا میں نے اس بجلی کی طرح جو اچانک ظلمت طوفانی میں چمکتی ہے، اس کو دیکھا پر اس نے بجلی کی طرح مجھ سے بے رخائی نہ کی، اور اپنی روشنی دے کر پھر واپس نہ لی۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا، وان اللّٰہ لمع المحسنین (۲۹-۶۹)

اب میری حیرانی ختم ہو گئی ہے، میں ظلمت میں نہیں بلکہ الحمدللّٰہ کہ روشنی میں ہوں۔ بس تیار ہوں کہ اٹھوں اور جو راہ اس نے دکھائی ہے بلا توقف اس کی طرف روانہ ہو جاؤں۔ وہ جو دلوں کو کھولتا، دماغوں کی رہنمائی کرتا، آنکھوں کو دکھلاتا اور ہاتھوں کو پکڑتا ہے، ضرور ہے کہ اپنی راہنمائی کا دروازہ اب بھی کھلا رکھے گا اور ٹھوکروں اور گمراہیوں سے بچائے گا وہ ہر اس دل کے ساتھ ہے جو اس کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ہر اس بھروسہ کرنے والے کو بچانے والا ہے جو اس پر بھروسہ کرے۔ واللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور (۲-۲۵۸)

یالیت قومی یعلمون

یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض، ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین

مسلمانو! (ان) یہود اور نصاریٰ کو، جو اسلام کے خلاف جنگ پر متفق ہو جائیں، اپنا دوست نہ بناؤ! یہ لوگ تمہارے مٹانے کے لئے اپنی سازشوں میں ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہیں اور اگر تم میں سے کوئی (باوجود اسلام کی مخالفت کے) ان کو اپنا دوست بنائے گا تو یقیناً اللہ کے نزدیک اس کا بھی شمار انہی دشمنان دین و حق میں ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم اور ناز مانوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علیٰ ما اسروا فی انفسھم نادمین ط

جن لوگوں کے دلوں میں اسلام فروشی اور نفاق طینتی کا روگ ہے، تم دیکھو گے کہ وہ ان لوگوں کو اپنا دوست بنانے میں بڑی جلدی کر رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیٹھے بٹھائے ہم کسی مصیبت کے پھیر میں آجائیں سو کچھ عجب نہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو کامیابی عطا کرے، یا کوئی اور غیبی امر ظاہر ہو اور اس وقت یہ لوگ اس نفاق پر، جو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، پشیمان ہوں گے۔

والصافات صفاً، فالزاجرات زجراً، فالتالیات ذکراً، اگر مہلتوں کا خاتمہ، فرصتوں کا وقت آخر، ہمتوں کا امتحان، اور سعی و جہد کے انتہائی لمحے در پیش ہیں۔

فالوقت ضیق والخطب شدید والاھواء رغبات، وللوساوس سلطان نبائی

حدیث لجد ھا یؤمنون؟

میں وہ صور کہاں سے لاؤں جس کی آواز چالیس کروڑ دلوں کو خواب غفلت سے بیدار کردے؟ میں اپنے ہاتھوں میں وہ قوت کیسے پیدا کروں، جن کی سینہ کوبی کے شور سے سرگشتگان خواب مست اور ہوشیار ہو جائیں؟ آہ کہاں ہیں وہ آنکھیں جن کو درد ملت میں خون باری کا دعوٰی ہے؟ کہاں ہیں وہ دل جن کو زوال ملت کے زخموں پر ناز ہے؟ کہاں ہیں وہ جگر جو آتش غیرت وحمیت کی سوزش کے لذت آشنا ہیں؟ اور پھر آہ! کہاں ہیں اس برہم شدہ انجمن کے ماتم گسار، اس برباد شدہ قافلے کے نالہ ساز، اس صف ماتم کے فغاں سنج، اور اس کشتی طوفانی کے مایوس مسافر جن کی موت وحیات کے آخری لمحے جلد جلد گزر رہے ہیں، اور وہ بے خبر ہیں یا خاموش ہو رہے ہیں، یا مایوسی سے چپ و راست نگراں، مگر نہ ان کے ہاتھوں میں اضطراب ہے اور نہ پاؤں میں حرکت، نہ ہمتوں میں اقدام ہے، اور نہ ارادوں میں عمل کا ولولہ۔ دشمن شہر کے دروازوں کو توڑ رہے ہیں اور اہل شہر رونے میں مصروف ہیں، ڈاکوؤں نے قفل توڑ دیے ہیں اور گھر والے سوتے بھی نہیں۔ مگر اب تک آنکھ ملنے سے مہلت نہیں ملی ہے۔ جب کسی کے گھر میں آگ لگتی ہے تو محلہ کے دوست دشمن سب ہی پانی کے لئے دوڑتے ہیں۔ لیکن اے رونے کو ہمت اور مایوسی کو زندگی سمجھنے والو! یہ کیا ہے کہ تمہارے گھر میں آگ لگ چکی ہے، ہوا تیز ہے، اور شعلوں کی بھڑک سخت، مگر تم میں سے کوئی نہیں جس کے ہاتھ میں پانی ہو! پھر اگر اسی وقت کے منتظر تھے تو کیا نہیں سنتے کہ وقت آگیا ہے؟ اگر تم کشتی کے ڈوبنے کا انتظار کر رہے تھے، تو کیا نہیں دیکھتے کہ اب اس میں دیر نہیں؟ اور آہ! مسلمانوں کے عروج وزوال کی سیزدہ صد سالہ کشتی جو بارہا ڈوبی اور بارہا اچھلی، اور نہیں معلوم کہ اب ڈوبنے کے بعد ہمیشہ کے لئے سطح عالم سے ناپید ہو جاتی ہے یا اس ٹوٹے ہوئے تختے اور تار تار بادبان کے ٹکڑے سمندر کی موجوں کا چند گھنٹے اور مقابلہ کرتے ہیں!

در کار ماست نالہ نہ بادر ہوائے او
پروانہ چراغ مزار خودیم ما

فکاین من قریۃ اھلکناھا وھی ظالمۃ، فھی خاویۃ علیٰ عروشھا وبئر معطلۃ وقصر مشید۔ افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اذان یسمعون بھا فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

(۲۲ – ۴۴)

پھر انسانوں کی کتنی ہی آبادیاں ہیں جن کو ان کی غفلت و بد اعمالی کی پاداش میں ہم نے ہلاک کر دیا۔ پس اب وہ ایسی اجڑی پڑی ہیں کہ ان کی دیواریں اپنی چھتوں پر گری پڑتی ہیں انکے بہتیرے کنوئیں بیکار ہوئے ہیں اور بڑی عمارتوں کے محل مکینوں سے خالی ہیں! پھر کیا لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں اور قوموں کے عروج و زوال سے لنشانیوں کو دیکھتے نہیں؟ اگر دیکھتے تو ان کے دل سوچنے والے ہوتے، اور کان سننے والے اور جب تباہی کا وقت قریب آ جاتا ہے تو قوموں کی آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر چھپے ہوئے ہیں!

یا للعار!

اگر ہم کو مٹنا ہی ہے تو اس کا کوئی شکوہ نہیں، رومتہ الکبریٰ اور بابل و نینوا کی عظیم الشان قومیں جہاں آباد تھیں وہاں آج خاک کے تودے اور ٹوٹی ہوئی دیواروں کے کھنڈر بھی سیاحوں کو بڑی جستجو سے ملتے ہیں۔ ہمنے تیرہ سو برس تک دنیا میں حکمرانی کی ہے اور مغرب و مشرق اگر ہمارے بعد ہم کو بھلانا نہ چاہئے تو مدتوں ہمارے افسانے حیات و ممات کو دہرا سکتا ہے لیکن غم ہے تو اس کا ہے کہ موت دونوں کو آتی ہے۔ سپاہی کو میدان جنگ میں، اور مجرم کو سولی کے تختے پر، پہلی وہ عزت کی موت ہے، جسپر ذلت کی ہزاروں زندگیاں قربان اور دوسری وہ ذلت کی موت ہے۔ جس کے بعد انسانی روح کیلئے اور کوئی ذلت نہیں۔ اگر یورپ نے ہم سے آخری انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو کاش ہمارے سینہ پر گولی لگتی، یہ ہمارے گلے میں پھندا نہ ڈالا جاتا!

صلیب پرست قوم، اسلام کو مصلوب کرنا چاہتی ہے:۔ اللہ اللہ! کی انقلاب دحوادث

کیا نیرنگی ہے! جس قوم کی ابتدا دنیا میں سولی کے تختے سے ہوئی ہے، جسکی ہستی دنیا میں اس طرح شروع ہوئی ہے کہ بُت پرست رومیوں کے حکم اور یہودیوں کی خواہش سے اسکے خدا کو سولی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا تھا اور اسکی ہتھیلیوں اور ٹخنوں کو تختے سے لگا کر بڑی بڑی میخیں ٹھونک دی گئی تھیں۔ اگرچہ وہ بزدلی کی شدت سے بہت چیختا رہا تھا کہ خدایا موت کے پیالے کو میرے لبوں سے ہٹا لے، پر اسکو سولی پر چڑھنا تھا اور بے رحم چڑھانیوالوں نے چڑھا کر چھوڑا

جس قوم کی عزت کا پہلا دن یہ تھا کہ اس کا خدا تین دن تک سولی کی لعنت میں گرفتار رہا کیونکہ (توراۃ) میں لکھا ہے کہ "جو کاٹھ پر چڑھا وہ ملعون ہوا" آج وہی قوم سولی کے تختے کو پوجنے والی قوم، ایک مصلوب لاش کی پرستش کرنے والی قوم، اس قوم کو میدانِ جنگ کی تلوار سے ہلاک کرنے کی جگہ، سازش گاہ صلح میں پھانسی دینا چاہتی ہے، جس کا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے بانی نے دنیا میں ظاہر ہو کر اپنے تئیں مسیح کی طرح سولی پر نہیں چڑھایا، بلکہ تلوار کے زور سے اپنے دین کی اشاعت کی! وتلک الایام نداولها بین الناس۔

توحید اور تثلیث کا باہمی سلوک:۔

مسیحیت سے ہمارا معاملہ آج ہی شروع نہیں ہوتا، بلکہ یہ میدان صدیوں سے گرم ہے، لیکن آج ہم کو سر جھکا کر اعتراف کر لینا چاہیئے کہ اس نے ہمکو پوری شکست دے دی ہے۔ یہودیوں نے اسکے خدا پر "ولد الزنا" ہونیکی تہمت لگائی تھی اور اسکی ماں کی عصمت پر بٹا لگایا تھا ہمنے دنیا میں آتے ہی اسکو اس شرمناک ذلت سے نجات دلائی اور کہا کہ:۔

وقولهم على مريم بهتانا عظيما (۴-۱۵۵)	اور یہودیوں کا حضرت مریم کی نسبت قول ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

لیکن آج تمامی مسیحی دنیا ہم پر خونریزی اور قتل و فساد کا بہتان لگانے میں کامیاب ہو رہی ہے، ہم نے روز اول سے انکے معبدوں اور گرجوں کی حفاظت کو اپنی مسجدوں کی حفاظت

سے کم نہ سمجھا۔ اور ایک مرتبہ دمشق کی مسجد کی تعمیر شدہ زمین دے دی تاکہ اس پر گرجا بنایا جائے لیکن آج طرابلس اور تریپولی کی مسجدوں کے محراب و منبر بھی صلیب پرستوں کے حملہ آور بوٹوں سے محفوظ نہیں ہیں، اور مشہد کی مسجد گوہر شاہ کا نصف گنبد توپوں کی گولہ باری سے گرا دیا گیا ہے۔ ہم نے آٹھ سو برس تک اسپین میں عیسائیوں کو آستین میں بٹھا کر دودھ پلایا انھوں نے صحن مسجد میں آکر پیغمبر اسلام کو گالیاں دیں مگر ہم نے ان کو ان کی سرزمین کی راحت سے محروم نہیں کیا۔ لیکن آج وہ ہم کو یورپ سے جلا وطن کرنے کی سازش میں منحیاب ہو گئے ہیں، اور عنقریب خود دنیا کے صفحہ ہی سے مٹا دینے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ہم نے بغداد کے دربار عظمت و جلال میں "سگ رومی" کے منہ پر تھوکا تھا اور یہ بھی غلط نہیں کہ ایک سو برس ادھر تک عثمانی وزیر اعظم کی زبان میں روس اور آسٹریا کے بادشاہوں کو یاد کرنے کے لئے سب سے بڑی عزت یہ تھی کہ وہ ہمارے اچھے کتے ہیں" لیکن پھر اس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ آج یورپ کا ہر مسیحی کتوں کو اپنی گود میں بٹھا کر پیار کرتا ہے۔ لیکن ہمارے سروں کے لئے اس کے پاس سب سے بڑی عزت بوٹ کے ٹھوکر ہی میں ہے۔ یقیناً ہم نے آٹھ صلیبی حملوں میں عیسائیوں کے سروں کو کچلا اور یروشلم کے مقدس "بیت اللحم" پر ان کو قابض ہونے نہیں دیا۔ لیکن اس کا ذکر بھی اب بے فائدہ ہے۔ کیوں کہ آج تو وہ دن ہے کہ اگر غفلتوں اور بے سود فغاں سنجیوں کا یہی حال رہا تو قریب ہے کہ ہماری عزت و حیات کی آخری متاع یعنی "مرقد مطہرہ رسول اللہ" اور "بیت المقدس خلیل اللہ" کی طرف بھی اس کی توپوں کے دہانے کھول دیئے جائیں گے، اور (جدہ) اور ینبوع کے ساحلوں پر یورپ کے آہن پوش ڈریڈناٹ لنگر انداز نظر آئینگے

دیا لیتنی مت قبل هذا وکنت نسیا منسیا۔

خاندان اسلام کا سب سے بڑا گھرانا:۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے خواہ کتنا ہی اپنے تئیں ذلیل و بے حقیقت سمجھ لیا ہو اور خواہ

داخلی اور خارجی شیاطین کی وسوسہ اندازیوں نے کتنا ہی ان کو معطل اور مجبور رہنے کا یقین دلا دیا ہو لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی تعداد سات کروڑ سے متجاوز ہے، اور وہ آج پیروان اسلام کی سب سے بڑی التعداد میں جو زمین کے کسی ایک ٹکڑے میں آباد ہے، ان کو ایوان حکومت سے نکلے ہوئے ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے اور باوجود ہر طرح کے تنزل کے اب بھی دولت اور تعلیم اور علی الخصوص نئی بیداری اور اپنے مصائب کے محسوس کرنے میں ان مقامات کے مسلمانوں سے بھی نسبتاً بہتر حالت رکھتے ہیں، جہاں اب تک اسلامی حکومت باقی ہے اس لئے اگر آج حفظ کلمۂ توحید، و بقائے بلاد مقدسہ، و قیام شعار و ناموس شریعت اسلامیہ کی سب سے زیادہ ذمہ داری ترکوں کے ذمہ ہے کیونکہ ان کے ہاتھوں میں تلوار ہے تو یقین کیجئے کہ مسلمانان ہند کے ذمے بھی ان سے کم نہیں ہے کیوں کہ ان کی تعداد تمام دنیا کی اسلامی آبادیوں میں سب سے زیادہ ہے اور جس مصائب اور ذرائع اعانت کے اصول کے لحاظ سے وہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔

پس اسلام کے لئے مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے، ضرور ہے کہ مسلمانان ہند اس میں اپنا پورا حصہ لیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس وسوسۂ ابلیس سے فریب کھائیں کہ وہ بالکل بے دست و پا ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

یقیناً تم کچھ نہیں کر سکتے، اگر تم ایسا سمجھتے ہو کہ کچھ نہیں کر سکوگے۔ دنیا میں ہمیشہ دو ہی خیال دماغوں میں پیدا ہوئے ہیں، بعضوں نے سمجھا کہ کچھ نہیں کر سکیں گے اور بعضوں نے خیال کیا کہ اگر کرنا چاہیں گے تو سب کچھ کر لیں گے، پہلے خیال کا نتیجہ یہی نکلا کہ کچھ نہ ہوا لیکن دوسرے خیال نے چٹیل میدانوں کو ایوان و محل، ویران جنگلوں کو آباد و شاد و شاداب، دریاؤں کو خشک میدان، پہاڑوں کو سطح زمین غلاموں کو آزاد، ایک گڈریے کو صاحب تاج و تخت، اور ایک مردہ قوم کو زندہ و قائم کر دیا۔ فاعتبروا و تفکروا یایھا المسلمون لعلکم تفلحون ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم، اولئک ھم الخاسرون البتہ استقامت شرط راہ، و دلیل وصول بارگاہ ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۴۶-۱۳)

جن لوگوں نے اللہ کو اپنا مددگار سمجھا، اور اپنے اندر استقامت پیدا کرلی، تو پھر نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا خوف ہے اور نہ کسی ناکامی و نامرادی کا غم۔

انفروا خفافاً وثقالاً!!

آپ کہیں گے کہ مسلمانوں نے ان چند مہینوں کے اندر کس جوش و اضطراب کا اظہار کیا اور کس مستعدی سے لاکھوں روپیہ ٹرکی کی اعانت میں فراہم کرلیا اس سے زیادہ اور ان کے بس میں کیا ہے؟

لیکن میں کہوں گا کہ بس میں تو سب کچھ ہے، بشرطیکہ وہ اپنی قوت کا اندازہ کریں، کلمۂ توحید کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے نفس کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ترجیح دیں یقیناً وہ ٹیس جو درد اسلامی کی انھوں نے اپنے دل میں پیدا کی، نہایت قیمتی ہے۔ وہ اضطراب و ہیجان جو انھوں نے اس وقت ظاہر کیا، اس عالم یاس میں بھی امید کا پیام ہے، اور روپیہ کی فراہمی بھی ایک اولین جہاد مالی تھا جس سے وہ غافل نہ رہے۔ لیکن میرا سوال یہ نہیں ہے کہ انھوں نے کیا کچھ کیا؟ بلکہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ کر سکتے تھے وہ کیا یا نہیں؟ روپیہ بھیج کر آپ زخمی ترکوں کی مرہم پٹی کا ضرور سامان کر سکتے ہیں لیکن اس تلوار کے حملہ کی قوت پر تو کچھ بھی اثر نہیں ڈال سکتے جو نئے نئے زخم پیدا کر رہی ہے! جوش و اضطراب بنیاد کار ہے، لیکن صرف آنسو بہا کر تو کسی فوج نے ملک فتح نہیں کیا ہے!

یقین کیجیے کہ تمام مسیحی یورپ اب اسلام کے فنا کر دینے کے لیے آخری اتفاق کر چکا ہے اور عرضداشتوں اور رزولیوشنوں سے دنیا میں کبھی کام نہیں نکلے ہیں۔

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ

غلطیہائے مضامین مت پوچھ کہتے ہیں: ۔انسان کو اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا منع ہے، اصول کی صحت میں کلام نہیں لیکن جو فروع نکالے جاتے ہیں خود ان کی تفریع ہلاکت آفرین ہے۔ طبیعت میں استقلال ہے تو ہوا کرے۔ عزم و ثبات پر تیقن ہے تو ہونے دو تم کوئی بڑا کام نہ کرو۔ مہات امور میں کبھی اقدام نہ کرو۔

ہندوستان پر حکومت کرنے کیلئے اگر انگلستان میں انگریزوں کو سول سروس کی تعلیم دلانے کی غرض سے ہر سال کچھ کم ۱۶ ہزار پونڈ (دو لاکھ چالیس ہزار روپے) خزانہ ہند کو ادا کرنے پڑتے ہیں اور پھر ان سویلینوں سے ہندوستانیوں کی قسمت وابستہ ہوتی ہے تو ان کو رعایا کی عبادتگاہیں ڈھانے، خانقاہیں گرانے کے احکام نافذ کرانے میں بھی باک نہیں ہوتا، جب بھی کچھ نہ کہو۔

"اگر پنجاب کی نہری آبادیوں میں رعایا کی ضروریات زندگی میں گورنمنٹ کی جانب سے کوئی مدد نہیں ملتی اور مزارعین سے نہایت گراں شرح پر مالگذاری وصول کیجاتی ہے، تو اس شکایت کی تلافی کیلئے ایوان عام (ہاؤس آف کامنس) میں نائب وزیر ہند (مسٹر مانٹیگو) کا صرف یہ جواب کافی سمجھ لینا چاہیئے کہ "ایک سیاح نے ایک ہفتہ وار رسالے میں یہ واقعات شائع کئے ہیں مگر دوسرے اشخاص نے جو حالات لکھے ہیں ان سے یہ بیانات مختلف ہیں اسلئے قابل تیقن نہیں کہے جاسکتے۔"

اگر ایک انگریز (جیمس ہنڈرسن) وکٹوریا جیوٹ مل کے ایک ہندوستانی مزدور پر حملہ کر کے اسے ضرب شدید پہنچاتا ہے، وہ اسی صدمے سے بیس دن کے اندر مر جاتا ہے، مقدمہ دائر ہوتا ہے، عدالت اس تعدی کو خطرناک قرار دیتی ہے، مگر مجرم پر صرف ایک سو روپیہ جرمانہ

کافی سمجھتی ہے۔ پارلیمنٹ میں سوال ہوتا ہے، مسٹر اڈگریڈی سفارش کرتے ہیں کہ "جیمس ہنڈرسن" کو ہندوستان سے ملک بدر کر دینا چاہیئے اور عدالتوں کو تنبیہ کرنی چاہیئے کہ اس قسم کے مقدمات میں ہندوستانیوں اور یورپین لوگوں کے مابین فرق نہ کیا کریں، تو گورنمنٹ کی اس تشریح پر قانع ہو جاؤ کہ ہنڈرسن نے قلی کو شراب کے نشہ میں مارا تھا اور ہیضہ سے مرا تھا۔ وزیر ہند اس معاملہ میں کسی کارروائی کرنے پر آمادہ نہیں ہیں

اگر جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ کے مظالم ہندوستانی مزدوروں پر بدستور قائم ہیں اگر حکومت ہند کی یہ قرارداد بھی نافذ العمل نہ ہو سکی کہ آئندہ سے جنوبی افریقہ کے لئے ہندوستان سے قلی نہ بھیجے جائیں، تو دیوان عام میں مسٹر ہارکوٹ کے اظہار تاسف سے اشک شوئی کر لو کہ گورنمنٹ کوئی چارہ کار نہیں نکال سکتی نہ سہی اس کو افسوس تو ہے

اگر مدراس و سدرن مرہٹہ ریلوے کے ورکشاپ مدراس میں ریلوے کے ایک انگریز اہلکار نے تین ہندوستانیوں کو اس ہفتہ میں محض اس لئے گولی مار دی کہ اس کے خیال میں "وحشی ہندوستانی اس کی مہذب میم کو گالیاں دے رہے تھے۔" تو اس حادثے کو ادبیات اردو کے اس شاعرانہ تخیل کا ذریعہ تکمیل سمجھو کہ:۔

کس نے یوں پیار کیا؟ کس نے وفا کی ایسی
کیوں کریں قتل کسی کو، وہ ہمارے ہوتے

اس قسم کے غیر معمولی حوادث طغیان واستبداد کو معمولی تحمل سے انگیز کر لیا کرو، ان پر آزردگی بے جا و بے محل ہے۔

قارئین کرام نے ملاحظہ فرما لیا ہو گا کہ

لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

کی تفسیر میں آج کل عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ غیر معمولی حوادث طغیان واستبداد کو معمولی تحمل سے انگیز کر لینا چاہیئے اور وفاداری کے نتائج میں ہمیشہ:۔

"بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش"

کا فلسفہ مضمر رہنا چاہیئے، اور خواہ کتنی ہی اذیتیں پہونچیں، مگر ہر حال میں صبر و شکر

سے برداشت کرنا چاہیئے:-

که انچه ساقی ما ریخت عین الطاف است

ان پر نکتہ چینی کرنا شان عقیدت و اخلاص کے خلاف ہے، انگریز ہمارے حاکم ہیں، ہمارے حق میں جو چاہیں کریں۔

لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون

گر بہ اندر بخواند زدہ ئے و سر بر آستانم
بندہ را فرمان نباشد آنچہ فرماید بر آنم

اعضائے حکومت کی شکایت ہی کیا؟ گلے شکوے کر کے اپنے آپ کو تہلکے میں کیوں ڈالو؟ مقابلے کی طاقت نہیں، مقاومت کا زور نہیں، پھر شکایت کرنا صریح اپنے آپ کو ہلاکت میں پھنسانا ہے۔

یہ خیالات ہیں جو آج کل عموماً دلوں میں آنے اور زبانوں سے ادا ہوتے ہیں انقلاب کی خواہش تو بے معنی ہے، جائز نکتہ چینی بھی ناجائز سمجھ لی گئی ہے، مذہب کی تائید سے بھی اس باب میں مدد لی جاتی ہے۔ اور ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنے تئیں اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو) کی دلیل دی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے امام رازی نے اس نکتہ آفرینی کی جانب توجہ مبذول کی ہے، فرماتے ہیں

المراد من قوله - ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة ای لا تقتحموا فی الحرب بحیث لا ترجون النفع ولا یکون لکم فیه الا قتل انفسکم فان ذلک لا یحل، وانما یجب ان یقتحم اذا طمع فی النکایة وان خاف القتل فاما اذا کان آیسا من النکایة وکان الاغلب

"اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی لڑائی جہاں فائدے کی امید نہ ہو بلکہ جان جانے کا خوف ہو کبھی ہاتھ نہ ڈالو، یہ بات شرعاً حلال و مباح نہیں ہے اس میں دست اندازی موقت لازم ہے جب دشمنوں کو تعزیر دینے کی طمع ہو خواہ اس میں قتل ہو جانے ہی کا خوف کیوں نہ ہو، لیکن اگر تعزیر سے ناامیدی ہو اور غالب یقین یہی ہو کہ خود ہی قتل ہونگے

انہ مقتول فلیس لہ ان یفعل۔ تو اس حالت میں ایسی پیش قدمی نہ کرنی
علیہ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۸۴) چاہیئے۔

اس مطلب پر امام رازی نے چند اعتراضات بھی کئے ہیں، لیکن آخر میں جواب بھی خود ہی بتا دیئے ہیں کہ مطلب بھی مصدق ہو جائے، شبہات بھی نہ رہیں، اور بات کی دل آویزی میں بھی فرق نہ آنے پائے۔

امام رازی کا زمانہ وہ تھا جب اسلامی تمدن میں انحطاط شروع ہو چکا تھا ہمتیں پست ہو رہی تھیں، فتوحات کا سلسلہ بند تھا، شوق و صوائف کی جگہ خانہ جنگیوں نے لے لی تھی۔ سنہ ۶۰۶ھ میں امام رازی کی وفات ہوئی۔ اور سنہ ۶۱۶ھ میں یعنی امام رازی کی وفات سے ۳۹ برس قبل تاتاریوں کا سیلاب دریائے جیحوں کو عبور کر کے خوارزم کا رخ کر چکا تھا۔ مصر و شام و روم و تونس میں صلیبیوں کے حملے ہو رہے تھے، بلاد اسلام میں قتل عام برپا تھا۔ کفار ایک ایک شہر کو فتح کرتے تھے، مفتوحین کو تہ تیغ کر کے سارے شہر کو آگ لگا دیتے تھے، مرعوبیت اس قدر چھا گئی تھی کہ حملہ آوروں کی مقاومت و مدافعت کانھم یساقون الی الموت کے مترادف سمجھ لی گئی تھی۔

ایسی حالت میں اگر جان بچانے کا خوف غالب ہو اگر ناکامی کا تیقن کامیابی کے لئے کوششیں کرنے سے روکتا ہو۔ اگر پیش قدمی کے معنی ہلاکت کے لئے جاتے ہوں، اگر جنگ دفاعی میں موت کی تصویر نظر آتی ہو، تو یہ ایک قدرتی امر ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ فیلسوف طبیعتیں کیوں نہ قرآن کریم سے ایسے معنی نکالیں اور ہلاکت کے تخیل سے ہمتوں میں تہلکہ ڈالیں؟ زمانے کی رفتار، گرد و پیش کے حالات، اور مجرائے سیاست کی تبدیلیوں کا ہر ایک چیز پر اثر پڑتا ہے مزاج پذیر جماعتیں ترقی کی آیتوں کو اپنے شان انحطاط کے مناسب بنا لیتی ہیں۔ محکوم قوموں کو مغلوبیت کی ناپاک غلامی کے لئے بھی کتاب و سنت سے ثبوت مل جاتا ہے۔

لیکن یہ باتیں واقع میں اگر بجائے خود ثابت ہیں، اور انسان کو اپنے ظاہری ساز و سامان کی

بنا بر، جب تک کامیابی کا قطعی یقین نہ ہو، اس وقت تک مہمات امور میں ہاتھ ڈالنے کے معنی اگر ہلاکت مول لینے کے ہیں، تو صدر اول کی وہ پاک و برگزیدہ ہستیاں جو نہایت بے سروسامانی کے عالم میں کسریٰ و قیصر کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے چلی تھیں، ایک بہت مختصر جمعیت سے بدر و حنین کی مہم سر کرنے اٹھی تھیں۔ رزت عرب کے موقع پر سارے ملک سے جنگ کرنے کو آمادہ تھیں، اور اس نازک حالت میں جبکہ ہر شخص کو اندیشہ تھا کہ مدینہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مرتد قبائل کا حملہ ہوا چاہتا ہے، ارض موتہ میں رومن امپائر سے آویزش کے لئے فوج روانہ کر رہی تھیں، وہ اس وقت یقیناً خدا کے صاف حکم (لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) کی صریح مخالفت کر رہی ہوں گی۔ وحاشاھم عن ذلک

بے شبہ ان بزرگوں کے حوصلے اپنی بے ساز و برگ جماعت کی قلت اور دشمنوں کی کثرت سے پست نہ ہوتے ہوں گے ان کو خدا کے وعدے پر وثوق ہوگا کہ ایمان کی زبردست طاقت سے وہ ساری دنیا کو زیر کر سکتے ہیں۔ ظاہری وسائل اقدام و دفاع سے وہ بھی محروم تھے، اور ہم بھی ہیں۔ قوت ایمانی ان میں بھی تھی اور ہم بھی اسی کے مدعی ہیں۔ یہی خصوصیت انھیں ایک زمانے پر غالب رکھتی تھی اور اسی کے طفیل میں ہم بھی مغلوبیت سے بچ سکتے ہیں، لیکن اگر اس خصوصیت (ایمان) سے ہم بے بہرہ ہیں تو پھر مسلمان ہی نہیں۔ اور جب اسلام ہی نہ رہا تو ترقی کی توقع کیا اور تنزل کا گلہ کیوں!

الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا وغرتھم الحیاۃ الدنیا فالیوم ننساھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا وما کانوا بایٰتنا یجحدون (۷-۶۴)

جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی انکو دھوکے میں ڈالے ہوئے تھی تو جس طرح اپنے اس دن کے پیش آنے کو وہ بھول گئے تھے۔ اسی طرح ہم بھی آج ان کو بھلا دینگے۔ گو وہ ہماری آیتوں کے منکر نہ تھے۔

وہ آیت جس سے مسلمانوں کے ہلاکت میں پڑنے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے،

اور وہ یہ ہے:-

"وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (٢-ع ٢٤)"

اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور احسان کیا کرو۔ بیشک احسان کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر تین طرح پر کی گئی ہے:-

(١) اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور جہاد کو کسی حالت میں ترک نہ ہونے دو کیوں کہ اس کا ترک کرنا اپنے آپ کو تہلکے میں ڈالنا ہے۔ اس باب میں ترمذی[1] نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کے خاص الفاظ یہ ہیں:-

عن اسلم بن ابی عمران قال کنا بمدینۃ الروم فخرج الیھم رجل من المسلمین حتی دخل فیھم فصاح الناس وقالوا:- سبحان اللہ یلقی بیدیہ الی التھلکۃ فقام ابو ایوب الانصاری فقال یا ایھا الناس انکم لتاولون ھذہ الآیۃ بھذا التاویل وانما نزلت ھذہ الآیۃ فینا معشر الانصار لما اعز اللہ الاسلام وکثر ناصروہ

اسلم بن ابی عمران سے روایت ہے کہ ہم لوگ روم کے شہر (قسطنطنیہ) میں کفار سے جہاد کر رہے تھے رومیوں نے ایک بڑی جماعت ہمارے مقابلے کو بھیجی مسلمانوں کے لشکر سے ایک شخص مقابلے کو نکلا اور حملہ کرتا ہوا رومیوں کی صف میں چلا گیا۔ یہ دیکھ کر لوگ چلا اٹھے کہ "سبحان اللہ! اپنے ہاتھوں اپنے تئیں تہلکے میں ڈالتا ہے۔" ابو ایوب انصاری نے اٹھ کر کہا کہ لوگو! تم اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہو حالانکہ یہ آیت ہم انصاریوں کے باب میں اس وقت اتری تھی، جب اسلام کو خدا غالب کر چکا تھا اور بہت سے لوگ اس کے مددگار ہو چکے تھے۔ ہم میں سے

---

[1] ابواب تفسیر القرآن من الجامع الصحیح لابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی المتوفی سنۃ ٢٨٩ للھجرۃ

فقال بعضنا لبعض سرًا دون رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اموالنا قد ضاعت وان الله قد اعز الاسلام وكثر ناصروه فلو اقمنا فى اموالنا فاصلحنا ما ضاع منها فانزل الله تبارك وتعالىٰ على نبيه صلى الله عليه وسلم يرد علينا ما قلنا " وانفقوا فى سبيل الله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة " فكانت التهلكة الاقامة على الاموال واصلاحها وتركنا الغزو فما زال ابو ايوب شاخصًا فى سبيل الله حتى دفن بارض الروم [1]

بعض اشخاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپا کر آپس میں پوشیدہ طور سے یہ صلاح کی کہ " اسلام کی اعانت میں خرچ کرتے کرتے ہمارا مال و زر تلف ہو گیا۔ اب خدا نے اسلام کو غالب کیا ہے اور اسکے بہت سے مددگار پیدا ہو چکے ہیں، اب اگر ہم اپنے مال و زر کا انتظام کریں اور جو تلف ہو چکا ہے اس کی تلافی کیلئے کوئی اصلاحی طریقہ نکالیں تو بہتر ہے " اللہ تعالیٰ نے ہم کو جواب دینے کے لئے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ آیت نازل کی کہ " اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ہلاکت کا مطلب مال و دولت کا انتظام و اصلاح و ترک جہاد تھا " اس روایت کے بعد ابو ایوب برابر جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ سرزمین روم ہی میں دفن بھی ہوئے [1]

(۲) تہلکے کے معنی ناامیدی کے ہیں اس باب میں ۱۲ حدیثیں مروی ہیں جنمیں ایک خاص روایت یہ ہے:-

عن البراء بن عازب فى قوله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة قال هو الرجل يصيب الذنب فيلقى بيده الى

" اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو " کی تفسیر میں براء بن عازب نے روایت ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا وہ شخص ہے جس سے گناہ

---

[1] الترمذى قال حدثنا عبد بن حميد الضحاك بن مخلد ابو عاصم النبيل عن حيوة بن شريح عن يزيد بن حبيب عن اسلم بن عمران قال الخ ثم اتبعه بقوله وهذا حديث حسن غريب صحيح -

التھلکۃ یقول لا توبۃ لی ۔ ۱ه

کئے ہوں اور سمجھ لیا ہو کہ میں ہلاک ہوگیا، نہ میرے لئے مغفرت ہے نہ میری توبہ قبول ہوگی۔

(۳) آیت میں تہلکہ سے مراد یہ ہے کہ خرچ نہ ہو تو جہاد کا اقدام کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس باب میں ابو زید کا صرف ایک قول منقول ہے، مگر باقی تمام روایتیں اس کے مخالف ہیں، اور سخت مخالف ہیں۔

(۴) انفاق فی سبیل اللہ سے باز رہنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس کی تائید میں ۲۵ حدیثیں مروی ہیں، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک یہ روایت نہایت قابل اعتماد ہے:-

لیس التھلکۃ ان یقتل الرجل فی سبیل اللہ، ولکن الامساک فی سبیل اللہ ۔ ۱ه

ہلاکت یہ نہیں ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے، ہلاکت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے باز رہے۔

ابن جریر نے اس آخری توجیہ کو مرجح مانا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

الصواب من القول فی ذلک عندی ان یقال ان اللہ جل ثناؤہ امر بالانفاق فی سبیلہ ومعنی ذلک وانفقوا فی اعزاز دینی الذی شرعتہ لکم بجہاد عدوکم الناصبین لکم علی الکفر بی وکفاھم ان یلقوا بایدیھم الی

ان تمام اقوال میں میرے نزدیک بہتر قول یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنیکا حکم دیا ہے۔ ..... اسکے معنی یہ ہیں کہ غلبہ اسلام کیلئے اپنے دشمنوں سے جو تمہیں خدا کے ساتھ کفر کرنے پر مائل کرتے ہوں جہاد کرو، اپنے آپکو تہلکے میں ڈالنے کی ممانعت کی ہے یا ایک قول ہے جس شخص نے عاجزی کے ساتھ اپنے معاملات غیروں کو تفویض کرتے ہوں محاورہ عرب

۱ه ابن جریر قال حدثنی محمد بن عبد المحاربی قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب فی قولہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ قال الخ

التهلكة فقال: ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة وذلك مثل العرب تقول للمستسلم للأمر أعطى فلان بيديه، وكذلك يقال للممكن من نفسه مما أريد به أعطى بيديه. فمعنى قوله للتهلكة فتعطوها أزمتها فتهلكوا والتارك للنفقة في سبيل الله عند وجوب ذلك عليه مستسلم للتهلكة بترك أداء فرض الله عليه في ماله [1]

ہیں ایسے شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ "اس نے فلاں کو اپنے ہاتھ دے دیئے۔ اسی طرح اس شخص کی نسبت جو غیروں کو موقع دے کہ جو وہ چاہیں اسکے ساتھ کریں۔ محاورے میں کہیں گے کہ اس نے خود اپنا ہاتھ دیدیا" اس بناپر "اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں نہ پڑو" کے معنی یہ ہوئے کہ "ہلاکت کے آگے سر تسلیم خم نہ کرو اور اپنی عنان اختیار اسکے ہاتھ میں نہ دو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے"۔ جن لوگوں پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا فرض ہو اور وہ اس کو ترک کر رہے ہوں۔ حقیقت میں وہ اس فرض کو ترک کر کے ہلاکت کے آگے سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔

یہ واضح روایتیں اور تشریحیں کسی وسیع نظر کی محتاج نہیں ہیں، محل نظر صرف یہ امر ہے کہ لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کے جو معنی آج بیان کئے جاتے ہیں صدر اول میں کوئی ان کو جانتا بھی نہ تھا۔ رہی یہ بات کہ آشوبناک ابتلا کے نازک ترین وقتوں میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ اسکا جواب دینے والا خود قرآن ہے، سورہ بقر میں ہے۔

ولقد نصركم الله ببدر وأنتم أذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون إذ تقول للمؤمنين ألن يكفيكم أن يمدكم ربكم بثلاثة آلاف من الملائكة منزلين، بلى إن تصبروا

خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی، تم اس وقت ذلیل و بے حیثیت تھے، لہذا خدا سے ڈرو، شاید تم شکر گزار بن جاؤ، جبکہ مسلمانوں سے اے نبی، تم کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں اتنا کافی نہیں کہ پھر تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے بھیجکر تمہاری مدد کرے؟" ضرور کافی ہے،

---

[1] تفسیر ابن جریر۔ ج ۲۔ ص ۱۱۵۔

ويأتوكم من فورهم هٰذا يمددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين، وما جعله الله الا بشرى لكم ولتطمئن قلوبكم به، وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم، ليقطع طرفا من الذين كفروا او يكبتهم فينقلبوا خائبين (۳-ع۱۳)

بلکہ تم اگر ثابت قدم رہو، تقویٰ کرو، اور دشمن بھی فوراً تم پر چڑھ آئیں تو پروردگار پانچ ہزار شان و شکوہ والے فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا۔ یہ امداد تو خدا کی طرف سے بشارت تھی جو اس نے تم کو دی کہ تمہارے دل اس سے تسلی پائیں اصلی مدد تو اللہ ہی کیطرف سے ہے جو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے غرض یہ ہے کہ کسی قدر کافروں کی جڑ کاٹ دے یا ایسا ذلیل کرے کہ ناکام پلٹ جائیں۔

ایک مقام پر مسلمانوں کے اوصاف خصائص کے تذکرے میں ہدایت کی ہے۔

الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا، وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل، فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله، والله ذو فضل عظيم، انما ذلكم الشيطان يخوف اولياءه فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مؤمنين (۳-ع۱۰)

ایماندار ایسے لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے ان کو خبر دی کہ مخالفین نے تم سے مقابلے کیلئے ایک انبوہ اور بھیڑ جمع کر رکھی ہے ان سے ڈرتے رہنا، تو اس خبر سے ان کا ایمان اور ترقی کر گیا اور بول اٹھے کہ ہم کو اللہ بس ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ غرض یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، انہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچا۔ خدا کی مرضی پر کاربند ہوئے خدا کا فضل بڑا ہے۔ یہ شیطان ہے جو اپنے رفیقوں کو جنکے مزاج میں شیطنت ہوتی ہے ڈراتا رہتا ہے تم ان سے نہ ڈرنا، ایمان رکھتے ہو تو ہمارا ہی ڈر رکھنا۔

مسلمانوں کو کیا کیا ابتلا پیش آنے کو ہے؟ اس پیشنگوئی کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے:-

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذًی کثیرا

مسلمانو! جان و مال میں تمہاری آزمائش کی جائے گی، جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) سے نیز مشرکین سے تم کو بہت سی ایذائیں سننی پڑیں گی۔۔۔۔۔۔۔

وان تصبروا وتتقوا فان ذلك من عزم الامور (۳-ع ۱۹)

تم اگر ثابت قدم رہو اور متقی بن جاؤ تو بیشک یہ ہمت کے کام ہیں۔

جو مسلمان ابتلا سے بچنے کے لئے کفار سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کے درپے ہوں۔ ان کی بے راہروی کی خبر دی ہے کہ :-

فترى الذين فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم، یقولون نخشی ان تصیبنا دائرۃ، فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم نادمین (۵-ع ۸)

تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے یہود و نصاریٰ سے ملنے میں وہ تیزی کریں گے اور کہیں گے کہ "ایسا نہ کریں تو ہم کو خوف ہے کہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔" کوئی دن جاتا ہے کہ خدا مسلمانوں کیلئے کشائش لاتا ہے یا اپنی طرف سے کوئی امر پیش دکھاتا ہے اسوقت یہ لوگ ان امور پر (جنھیں اپنے دلوں میں چھپائے رکھتے تھے) پشیمان ہوں گے۔

ضعف و عجز بے لڑائی کے عالم میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ اس باب میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے :-

وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر، فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین وما کان قولھم الا ان قالوا ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین، فاتاھم

کتنے پیغمبر ہو گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سے اللہ والے شریک جنگ ہوئے، اللہ کی راہ میں ان کو جو مصیبت پہنچی اسکی وجہ سے نہ انھوں نے ہمت ہاری نہ ضعف و سستی دکھلائی اور نہ عاجزی ظاہر کی۔ خدا انھیں کو دوست رکھتا ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں اس بات کے علاوہ انھوں نے اور کچھ نہ کہا کہ "پروردگارا! ہمارے گناہ معاف کر، ہمارے کاموں میں جو زیادتیاں ہم سے ہو گئی ہیں ان سے درگزر فرما، ہمیں ثابت قدم بنائے رکھ، اور گروہ کفار پر ہم کو فتح دے۔"

اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ واللہ یحب المحسنین (۳-ع ۱۵)

خدا نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا اور آخرت کے نیک بدلے کا کیا پوچھنا ہے، اور احسان کرنے والے ہی پسندیدۂ جناب الٰہی ہیں۔

کفار کی غلامانہ و کورانہ اطاعت میں مسلمانوں کی فلاح ہے یا نہیں؟ تعلیمات الٰہی میں اس کی یوں شرح کی گئی ہے:-

یاایہا الذین اٰمنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علٰی اعقابکم فتنقلبوا خاسرین ○ بل اللہ مولٰکم وہو خیر الناصرین (۳-ع ۱۶)

مسلمانو! تم اگر کافروں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے لوٹا کر لے جائیں گے پھر اس جہت قہقری اور رفتار معکوس میں تم ہی خسارہ اٹھاؤ گے، وہ تمہارے خیر خواہ نہیں، بلکہ تمہارا خیر خواہ تو خدا ہے، اور تمام مددگاروں سے بہتر مددگار وہی ہے۔

ان آیتوں کا ماحصل یہ ہے:-

(۱) ذلت و ذلیل ناکامی نہیں ہے، مسلمان کیسے ہی بے برگ و بے نوا ہوں، لیکن اسلام کی بو اُن میں باقی ہے، تو خدا خود ان کی مدد کرے گا۔ یہ امداد فرشتوں کی صورت میں بھی نازل ہو سکتی ہے خواہ یہ فرشتے عام مفسرین کی رائے کے مطابق سچ مچ کے فرشتے ہوں یا مشہور مفسر (ابوبکر اصم) کے انکار کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو روحانی تسلی و اطمینان قلب کا مرادف سمجھا جائے (تفسیر کبیر) ۲ ص ۲۵۵)

معمولی امداد کے علاوہ

(الف) مسلمان اگر ثابت قدم رہیں۔

(ب) اسلامی کیریکٹر (تقوٰے) ان میں موجود ہو۔

(ج) جو حالت اس وقت ہے کہ ہر طرف سے کفار نے مسلمانوں کو نرغے میں لے لیا ہے اسی کیفیت سے کافروں کا اُمڈ کر چڑھ دوڑے۔ تو ان حالتوں میں تقویت اسلام کیلئے شاندار آسمانی امداد کے منتظر رہو۔ لیکن یہ خصوصیتیں مفقود ہوں تو ذلت و مسکنت سے رہائی کی آرزو ہی بے محل ہے۔ وہ خود چاہتا ہے کہ ایک حد تک کفار کا استیصال ہو

اور ان کی ترقی رک جائے۔ اس مشیت کی تکمیل کے لئے وہ تو آمادہ ہے مگر ہم بھی تو اپنی آمادگی کا ثبوت دیں۔

(۲) مسلمانوں کا یہ منشا نہیں ہے کہ کفار کے انبوہ سے خوفزدہ ہو جائیں، غلبہ کفر میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان کے ضعف و استکانت سے فائدہ اٹھا کر انہیں مرعوب کر دے نرغہ کفار کی حالت میں ان کی قوت ایمانی میں اور بھی ترقی ہونی چاہیئے، خدا پر بھروسا کر کے اگر مقاومت کو اٹھ کھڑے ہوئے تو کامیابی میں کیا کلام ہے؟ مضرت پہنچ سکتی نہیں، ضرر رسانی کی قدرت معدوم، حسن انجام مستتم "البتہ مرضات الہی کا اتباع مشروط ہے، شیطان خوف دلاتا ہے، بندگان خدا اس سے کیوں ڈریں؟ کافروں کی جمعیت تو خوف کی چیز نہیں ہے۔ ان سے بیم و ہراس ہی کیا؟ دل میں ایمان ہے تو صرف خدا سے ڈرنا چاہیئے ایماندار کا دل اور کفار کا خوف! نقیضیں بھی کہیں جمع ہوئی ہیں؟

(۳) ابتلاء سے مفر نہیں، جان و مال کا نقصان اٹھانا ہوگا، اہل کتاب سے جن میں دوسری صدی ہجری سے آج تک نصرانیوں کو خاص امتیاز حاصل ہے اور مشرکین سے کہ نصرانیت میں اس کی بھی کمی نہیں، بہت سی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں گی ان حالتوں میں اگر مسلمان ثابت قدم رہے، استقلال کی خصوصیت کھو نہ بیٹھے، اور تقوی و طہارت نفس کے اسلحہ ان کے ہاتھ میں ہوئے، تو پھر حوصلے کیوں پست ہونے لگے اور من بعد غلبهم سيغلبون (مغلوبیت کے بعد وہ بہت جلد غالب ہوں گے) کا وعدہ زیادہ دیر تک دنیا کا زحمت کش انتظار کب رہنے لگا؟

يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحيوة الدنيا وفي الاخرة ويضل الله الظلمين ويفعل الله ما يشاء (۱۴-۲۰)

جو لوگ ایمان لائے ہیں انکو قول ثابت یعنی توحید کی برکت سے دنیا کی زندگی میں بھی خدا ثابت قدم رکھے گا- اور آخرت میں بھی، اور جو لوگ ظالم ہیں خدا ان کی راہ گم کر دے گا، خدا جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

(۴) کفار سے مسلمانوں کو سازباز نہ رکھنا چاہیئے، ان سے بے تعلقی لازم ہے۔ جو سازباز رکھتے

ہوں، جنہیں ان سے بے تعلق رہنے میں اپنے اور اپنی قوم کیلئے مشکلات و مصائب کا اندیشہ ہو، وہ غلطی پر ہیں، ان کو پشیمان ہونا پڑے گا، اسلام کو فتح نصیب ہوگی، یا مسلمانوں کی بہبود و بہتری کا قدرت کاملہ کوئی اور انتظام کردے گی۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ الان قد ندمت ولا ینفع الندامۃ تم اب نادم ہوئے جبکہ ندامت مفید ہی نہ رہی! کے کیا معنی ہیں۔

(۵) مسلمان کیسی ہی افسوسناک کمزوریوں کے ابتلا میں گرفتار ہوں، کیسا ہی تنزل و انحطاط ضعف و تذلل ان پر محیط ہو، مگر جب مقابلے کو اٹھیں گے یہ ظاہری کمزوریاں ان کو مغلوب نہیں بنا سکیں، وہ عزم و ثبات سے کام لیں گے، خدا پر بھروسہ کریں گے۔ استقلال و نصرت کے خواستگار رہیں گے، اور ایمان و عمل صالح کی طاقت سے نفس مطمئنہ کی ہمت بڑھاتے ہوئے فضائے استبداد کے لئے بڑھیں گے، ان کی دنیا بھی سنور جائے گی اور انجام بھی اچھا ہی ہو گا۔

(۶) کفار کی متابعت خود انحطاط و تنزل کا ذریعہ ہے۔ طغیان کفر و استبداد کی مطیع رہ کر مسلمان تو بس ترقی کر سکتی ہی نہیں۔ مسلمانوں پر صرف خدا کی اطاعت فرض ہے، اسی سے نصرت کی توقع رکھنی چاہیے اور اکیلے ایک اسی کو مددگار سمجھنا چاہیے، دنیا کی جھوٹی ہستیاں کسی اور کو نفع پہنچائیں تو پہنچائیں مگر مسلمان تو ان سے کبھی منتفع نہیں ہو سکتے۔

یہ تعلیمات الٰہیہ کسی خاص وقت اور زمانے کے لئے مخصوص نہیں، ان کی عمومیت ہر عہد اور ہر قوم پر حاوی ہے، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ کے وہی معنی ہیں جو آج لئے جاتے ہیں اور جن سے ہمتیں اور بھی پست ہوتی جاتی ہیں۔

عراقِ و لیلائے عراق

ایک لمحۂ اشک سرزمینِ نجدی میں

تحتہا الانہار کی یاد میں

یقولون لیلیٰ بالعراق مریضة   فمالک لا تضنی وانت صدیق
شفی اللہ مرضیٰ بالعراق فاننی   علی کل مرضیٰ بالعراق شفیق
فان تک لیلیٰ بالعراق مریضة   فانی فی بحر الحتوف غریق
اھیم باقطار البلاد وعرضھا   ومالی الیٰ لیلیٰ الغداة طریق

یہ اشعار عہد امویہ کے مشہور عاشق قیس عامری کی طرف منسوب ہیں۔
کہتے ہیں کہ ایک دن قیس اپنی شوریدگی میں بے خبر پڑا تھا کہ اس کے کانوں میں کسی کی یہ آواز آئی۔

الا ان لیلیٰ بالعراق مریضة
وانت خلی البال تلھو وترقد

لیلےٰ عراق میں بیمار پڑی ہے اور تیرا حال یہ ہے کہ بے فکر و بے کفیل کھیل کود میں اپنا وقت کاٹ رہا ہے

فلو کنت یا مجنون تضنی من الھویٰ   لبت کما بات السلیم المسھد!

اے مجنوں اگر واقعی بیماری محبت کا مریض ہے اور تجھے لیلیٰ کے عشق شیفتگی د...

کا دعویٰ ہے تو ضرور تھا کہ تیرے محبوب کے دکھ میں پڑنے کے ساتھ ہی تجھ پر بھی دکھ طاری ہو جاتا اور اس کی بیقراری سے زیادہ تجھ میں بیقراری اور بے چینی ہوتی عشق کا دعویٰ اور بے دردوں کی طرح بیفکری۔ یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی قیس مجنوں پر ایک بجلی سی گر گئی، جوش تاسف میں اس نے گریبان پھاڑ ڈالا، سر اور چہرے پر خاک ملنے لگا، عراق و لیلائے عراق کے سوا اس کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکلتا تھا۔ وہ بیخودانہ اُٹھا اور ایک سچے دیوانۂ عشق کی شان سے کوہ و بیاباں کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابو عیسیٰ روایت کرتا ہے کہ اس وقت مندرجہ بالا اشعار اس کی زبان پر تھے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

" آہ " کہتے ہیں کہ لیلےٰ عراق میں بیمار پڑ گئی ہے۔ پھر تجھے کیا ہوگیا ہے۔ کہ صحیح و تندرست نظر آتا ہے۔ حالانکہ اس مجبوبہ مریضہ کے عشق کا دعویٰ رکھتا ہے؟

اگر واقعی یہ سچ ہے کہ لیلیٰ عراق میں بیمار ہے تو مجھے بیماری کی دعوت نہ دو۔ میں تو موتوں اور ہلاکتوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں

میں شہروں میں گشت لگاتا ہوں اور عراق تک پہنچنے کی راہ ڈھونڈتا ہوں لیکن افسوس کہ لیلے تک پہنچنے کی تمام راہیں بند ہوگئی ہیں!

خدا سرزمین عراق کے تمام بیماروں کو شفا دے۔ کیونکہ جب سے میں نے اپنے بیمار عراق کی خبر سنی ہے، عراق کے ہر بیمار کے لئے شفیق ہوگیا ہوں!"

(۲)

لیکن اے سرزمین عراق! اے بہشت زار دجلہ و فرات! اے مصداق تجری من تحتھا الانھار! اے مایہ عشق چہل کرور نفوس ملت! قیس عامری کی لیلیٰ چند دنوں کیلئے تیری آبادیوں میں آ بسی تھی اس لئے وہ تجھ تک پہنچنے کے

لئے بیقرار تھا، لیکن آہ، ہمارے لئے تو تیری تمام سرزمین یکسر لیلیٰ زار حسن وجمال ہے، اور تیری کسی ایک عمارت کے اندر ہی نہیں، بلکہ تیری خاک کے ہر ذرے ہمارے عشق ماضی کا ایک جلوۂ حسن وجمال آراستہ ہے! قیس عامری کی لیلےٰ اگر بادیۂ نجد کے خیموں سے نکل کر تیری سرزمین میں آگئی تھی تو ہمارے اقبال رفتہ کی بھی ایک لیلیٰ ہے۔ جو ریگ زار حجاز سے نکلی، اور صدیوں تک تیری سرزمین اس کے لئے منزل عیش ونشاط رہی۔ بابل ونینوا کی وراثت تیری ہی سرزمین میں ہم کو دی گئی تھی۔ کلدان اور مدائن کے مدفون خزانے تو نے ہی ہمارے سپرد کئے تھے۔ ہارون الرشید کی سنہری کشتیاں تیرے ہی دجلہ میں تیرتی تھیں۔ مامون اعظم کا دربار عظمت واجلال تیرے ہی خاک کا ایک افسانہ گذشتہ ہے۔ تو ہی ہے کہ تیری زمین کا ایک ایک کھنڈر، تیری خاک کا ایک ایک تودہ۔ تیری نہروں کی ایک ایک لہر کا دامن رفتہ لیلیٰ کا نقش قدم اور کاروبار عشق ماضی کا افسانہ سرا ہے۔ اور پھر اے سرزمین لیلیٰ تیری ہی فضائے محبوب ہے۔ جس کے ہر ذرے سے آج بھی بازگشت ناقۂ لیلیٰ کی صدائیں اُٹھ رہی ہیں، اور ہر اس مجنوں کے لئے ملامت ہے جو عشق لیلےٰ کے دعویٰ کے ساتھ سرزمین لیلیٰ سے تغافل بھی کر رہا ہے، حالانکہ عشق لیلیٰ کا دعوا اور مسکن لیلیٰ سے غفلت، یہ دونوں چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

فلو کنت یا مجنون تفنی من الھویٰ
لبتّ کما بات السلیم المسھد

پس افسوس ہر اس دل پر، جس نے "لیلیٰ" کی یاد کو ایک لمحہ کے لئے بھی بھلا دیا، اور صد افسوس ہر اس آنسو پر جو "لیلے" کے سوا کسی دوسرے کیلئے بہایا گیا

اذا کان ھذا الدمع یجری صبابۃ
علی غیر لیلیٰ، فھو دمع مضیع!

(۳۷)

مندرجہ بالا سطور بے اختیار قلم سے نکل گئیں جبکہ موجودہ واقعات کی تقریب سے ہم نے ارادہ کیا کہ سرزمین عراق و بغداد کے بعض مناظر البلاغ کے صفحات پر شائع کریں۔ عالم گیر جنگ یورپ کے معرکے کچھ عرصے سے سرزمین ایشیا میں منتقل ہو گئے ہیں۔ از انجملہ سرزمین بغداد ہے، جہاں مہینوں سے میدان اقوام داد بارگرم ہے، اور خصوصیت کے ساتھ قط العمارۃ اور مابین بصرہ و بغداد کے مقامات دنیا کے سامنے آرہے ہیں۔ چنانچہ اس موقع میں بھی سب سے پہلے العمارہ کی آبادی کا ایک منظر آپ کے سامنے ہے جو دجلہ کے کنارے واقع ہے اور اگر آپ چشم تصورت کام لیں تو انہی ساحلی عمارتوں کے عقاب میں جنگ عراق گذشتہ کے بہت سے عبرت انگیز نتائج و حوادث نظر آسکتے ہیں۔ وھموا بما لم ینالوا۔

یہ مناظر دجلہ کے سلسلے میں پہلا منظر تھا۔ نہر دجلہ کا دوسرا منظر بغداد جدید کی وسط آبادی کا ہے جہاں مغربی و مشرقی آبادی کو ایک نئے پل کے ذریعہ ملا دیا گیا اور پل کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بکثرت نظر آرہی ہیں۔ یہ کشتیاں اب تو زیادہ تر شہر کی اندرونی آمد و رفت کے لئے کام میں لائی جاتی ہیں لیکن کسی زمانہ میں ہارون الرشید اور مامون اعظم کی سیر و تفریح کا بڑا ذریعہ یہی تھیں وتلك الایام نداولها بین الناس

تیسرا مرقع سفارت خانہ برطانیہ کی جدید عمارت اور دجلہ کی قدیم روانی، دونوں کا مشترک منظر ہے۔ دجلہ کی سطح اگرچہ بالکل خاموش اور ساکن ہے حتی کہ ایک ہلکی سی لہر بھی اس پر حرکت کرتی ہوئی نظر نہیں آتی، تاہم اگر آپ سننا چاہیں تو اس کی زبان چپ نہیں ہے آپ کو معلوم ہے کہ صدائیں عبرت لبوں کی حرکت ہی سے نہیں نکلتیں۔ بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک

خاموش چہرہ اور ایک غیر متحرک لب ان غوامض واسرار کی شرح و تفصیل کر دیتا ہے جن کے لئے زبان کی حرکت اور حلق کی آواز بالکل گونگی ہوتی ہے۔ خاموش فصاحت نے اکثر گویائی کے دعووں کو شکست دی ہے۔

لسان عیی فی الھوی وھو ناطق
ودمعی فصیح فی الھوی وھو اعجم

نظارہ دجلہ کی ان تین منزلوں کے بعد اب ذرا ان لوگوں کے حالات پر بھی نظر ڈال لیجیے جنکی یاد اور سرزمین دجلہ سے دالبتہ ہے ایک عجیب مخروطی شکل کا گنبد آپ دیکھ رہے ہیں جو کسی ہشت پہلو عمارت کے اوپر سے نمایاں ہے اور عمارت کے ہر طرف پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں یہ مشہور زبیدہ خاتون زوجہ ہارون الرشید کا مقبرہ ہے اور دجلہ کے بعد ہی آپ کے سامنے آگیا ہے تاکہ مکان کے ساتھ اس کے پچھلے مکینوں کو بھی دو گھڑی یاد کرلیں۔

بغداد اور بغداد والوں کو یہیں چھوڑ دیجیے، اور آگے بڑھئے۔ اب آپ گنبدوں اور مناروں کی ایک موثر سرزمین کی طرف بڑھ رہے ہیں جس کی یاد تذکرہ کی تقدیس کو زمانہ کے صدہا تغیرات و حوادث بھی نقصان نہ پہنچا سکے، اور سرزمین عراق کا سب سے زیادہ پر اثر اور تاریخی حصہ ہے یہ کربلا کی سرزمین عبرت و بصیرت ہے اور روضہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا درخشاں گنبد اور اس کے سر بفلک منارے آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ منارے حق کی طاقت کا اعلان ہیں اور کلمۂ حریت کی فتح اور کلمۂ استبداد کے خسران و خذلان کی شہادت میں وہ بتلا رہے ہیں کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت حق کی ہے نہ کہ انسانی تاج و تخت کی اور خدا کی زمین پر سب سے بڑا فتح مند وہی ہے جس نے سب سے زیادہ مظلومی کے ساتھ اپنا خون بہایا۔ تیرہ سو برس ہوئے کہ اس سرزمین پر دو گروہ باہم معرکہ آرا ہوئے تھے ایک گروہ صرف بہتر بھوکے پیاسے انسانوں کا ضعیف و ناتوان مجمع تھا، اور جانوں اور گردنوں کے سوا اس کے پاس

کچھ نہ تھا دوسری طرف دمشق کا تاج و تخت، حکومت و سلطنت، ساز و سامان، خسروی دملوکی، اور ہزارہا انسانوں کا قاہرہ و جابر گروہ تھا بظاہر پہلی جماعت نے شکست پائی، کیونکہ قتل کردی گئی، اور اس کے خون سے ساحل فرات کی سرزمین مدتوں تک سرخ رہی، لیکن فی الحقیقت یہ ایک محض عارضی منظر تھا۔ غور کیجئے کہ آخر کی فتحمندی اور عاقبت کار کی کامیابی کس کو ملی؟ ان کو جن کے نام و نشان سے بھی آج تمام سطح ارضی خالی ہے، یا اس کو جس کا گنبد آج تک اپنے بقاء ذکر اور کلمہ باقیہ کے ثبوت میں سر بفلک استادہ ہے؟ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج تمام شاہان بنوامیہ میں سے کسی ایک شخص کی قبر کا بھی دنیا سراغ نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ بنوعباس نے ان کی قبروں کو اکھاڑ اکھاڑ کے مسمار کردیا، اور کوئی اثر دنیا میں باقی نہ رکھا۔ برخلاف اس کے مدفن کربلا کا اثر مجسم اب تک حی و قائم موجود ہے اور اگرچہ مخالفین کے دست ظلم نے بارہا اس کو بھی مسمار و بے نام و نشان کرنا چاہا، تاہم اس کا نشان کسی طرح مٹ نہ سکا کہ ظلم کا دھبہ کبھی نہیں دھل سکتا۔ پھر کیا بقائے قبور و آثار کے بارے میں بھی زمین قانون بقائے اصلح کی پابند ہے، اور اپنی گود میں صرف اسی کے اثر کو باقی رکھنا چاہتی ہے جو اصلح تھا؟

(۴)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بہشت و نعائم بہشت کا وعدہ کیا تھا اور باغوں کی سرسبز و شاداب زندگی کی بشارت دی تھی۔

وبشر الذین امنوا وعملوا الصالحات ان لهم جنات (بقرہ ۳) — جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح اختیار کیے تو انکو باغوں کی زندگی کی بشارت دیدو۔

یہ باغ وہ تھے جن کا سب سے زیادہ نمایاں وصف یہ تھا۔

تجری من تحتها الانهار (بقرہ ۳) — ان کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی۔

یہی جنت تھی جس کا ایمان والوں سے وعدہ کیا گیا تھا، اور جس کا وعدہ گذشتہ صالح قوموں سے بھی کیا گیا تھا۔

تلك الجنة التی نورث من عبادنا من کان تقیا (مریم)

ہمارے بندوں میں جو متقی ہوگا ہم ایسی ہی جنت کا اسے وارث بنائیں گے۔

ارباب ایمان و عمل صالح کے لئے یہ وعدہ آخرت میں پورا ہونے والا ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا میں بھی پورا ہوگیا اور جو لوگ خدا کے متقی بندے تھے انھوں نے اپنی آنکھوں سے بہشتی زندگی کی نعمتوں کو دیکھ لیا۔ کرۂ ارضی کی تمام بہشتی سرزمینوں کے وارث ہوئے اور فتح مندی و کامرانی کی سلطانی و کامرانی صرف انہی کے لئے نامزد کی گئی۔ اس بہشتی زندگی میں نہ توان کے لئے غم تھا اور نہ ہی نامرادی، نہ مایوسی کو وہاں بار تھا اور نہ نا امیدی کا وہاں نام ونشان۔ وہ جو چاہتے تھے پاتے تھے، اور جس نعمت کے لئے اٹھتے تھے وہ خود ان کے سامنے جھکنے کے لئے دوڑتی تھی۔

جنت عدن ہ التی وعد الرحمٰن عبادہ بالغیب انہ کان وعدہ ماتیا۔ لا یسمعون فیھا لغوا الا سلاما، ولھم رزقھم بکرۃ و عشیا (مریم)

دائمی عیش و مراد کے باغ جن کا وعدہ خدائے رحمٰن نے اپنے نیک بندوں کیا، اور جو اگرچہ ان کے سامنے نہیں ہیں اور نہ ابھی وہ دیکھ سکتے ہیں، مگر اللہ کا ارادہ یقیناً پورا ہوکر رہے گا۔ اس بہشتی زندگی میں سلامتی و کامرانی کے سوا کوئی بیکار و فضول صدا ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی انکی رزق صبح و شام ان کے لئے تیار رہے گی۔ اپنی احتیاج اور رزق کے لئے وہ کبھی دکھ نہ اٹھائیں گے۔

اس بہشتی زندگی کی ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ تجری من تحتھا الانھار پس آخرۃ کی جنت اعلیٰ کا پرتو دنیا کی حیات بہشتی میں نظر آگیہ اور وہ تمام بہشتی سرزمینیں مسلمانوں کو سپرد کردی گئیں، جن کے تلے پاک و شفاف پانی کی نہریں بہ رہی تھیں۔ آہ! سرزمین عراق ہی وہ دنیا کی جنت تھی جو عاقبت کی جنت کا ایک ظل کامل ہے، اور جس کے نیچے

دجلہ و فرات کی نہریں ہر جگہ اور ہر حصے میں بہ رہی ہیں! یہی جنت دنیا کے سب سے بڑے تمدنوں اور بڑی سی بڑی قوموں کی وراثت میں آئی۔ بابل و نینوا کے تمدن نے یہیں نشو و نما پایا، اور ایرانیوں کا تخت جلال و عظمت صدیوں تک یہیں حکمرانی کرتا رہا۔ بالآخر وراثت ارضی کی جب آخری بخشش ہوئی تو دنیا کے تمام خزائن و دفائن کے ساتھ تجری من تحتها الانهار کی بہشت ارضی بھی مسلمانوں ہی کو سپرد کی گئی۔ تلك الجنة التی نورث من عبادنا من كان تقيا۔

دنیا نے انقلابات و تغیرات کے سینکڑوں رنگ بدلے، مسلمانوں نے اپنے اعمال صالحہ سے اگر اس بہشت ارضی کا اپنے آپ کو مستحق ثابت کیا تھا، تو بد اعمالیوں سے اپنی نا اہلی کا خود ہی فیصلہ بھی کر دیا۔ ان کے باہمی اختلاف و شقاق کی تلواریں سب سے زیادہ اسی سرزمین اسلام میں چمکیں اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے ہمیشہ اس بہشت سے دوسرے کو بے دخل کرنا چاہا۔ خدا کی زمین صرف صلحا کے لئے ہے ان الارض یرثها عبادی الصالحون اور اس بنا پر کچھ عجیب نہ تھا اگر اس بہشت ارضی کے بسنے والوں کو حکم الٰہی ملتا جیسا کہ اور بہت سی سرزمینوں میں ملا۔

اهبطوا بعضكم لبعض عدو اس جنت سے نکل جاؤ تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے۔

لیکن اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ صرف پورا ہی ہونے کے لئے ہے۔ اس نے تجری من تحتها الانهار کی بہشت کی جہاں کہیں بشارت دی ہے، وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے تجری من تحتها الانهار خالدین فیها یعنی اس سرزمین بہشت کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی اور اس میں مسلمان ہمیشہ رہیں گے، کبھی اس سے نکالے نہ جائیں گے اس کے وعدے کی سچائی کو دیکھو کہ دنیا میں صدہا انقلابات و تغیرات ہو چکے ہیں، لیکن خالدین فیها کے وعدہ کا فرمان حق اب تک بدستور نافذ و قائم ہے اور تیرہ صدیوں کی عظیم الشان مدت کے اندر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ اس وعدہ کی سچائی میں فرق آیا ہو۔ اس وعدہ الٰہی کی ماضی کو تمام دنیا دیکھ چکی ہے۔ مگر مستقبل کو دیکھنا ابھی باقی ہے۔ وكان وعدا مفعولا!

نتائج و عبر

قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ، یورثھا من یشاء من عبادہ، والعاقبۃ للمتقین۔ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا، قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون

(۷ - ۱۲۴)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: "اللہ سے مدد مانگو اور صبر کیے رہو، ملک تو سب اللہ ہی کا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسکو وارث بنا دیتا ہے اور حسن انجام پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے۔" وہ کہنے لگے کہ "تمہارے آنے سے پہلے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ہم تو اذیت ہی اٹھاتے رہے۔" موسیٰ نے کہا: "اب وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو ان کا قائم مقام بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔"

دنیا میں ہمیشہ ناکامیوں نے کامیابی کی بنیادیں محکم کی ہیں۔ جس قدر بندشیں بڑھتی گئیں، جتنا استبداد زیادہ ہوا، جیسے جیسے مظالم ترقی کرنے گئے، اسی تناسب سے حوصلہ بھی بڑھتا گیا، اور ہمت نے بھی پر پرواز نکالے۔ شیر کو چوٹ لگتی ہے، زخم کھاتا ہے مجروح ہو جاتا ہے۔ مگر درماندہ ہو کر ہمت نہیں ہار دیتا۔ جوش انتقام میں ڈھونڈتا پھرتا ہے، اور جب تک اپنی ابتدائی ناکامیابی کی صورت میں تبدیل نہیں کر لیتا، خاموش نہیں بیٹھتا۔ غاز (گیس)، کو شیشے میں بند کر دیتے ہیں، دباتے ہیں، مگر وہ دباؤ کو نہیں مانتی اور پھوٹ بہتی ہے درخت کی شاخیں قلم کرتے ہیں، کاٹتے ہیں اور بے برگ و بار کر دیتے ہیں، لیکن بہار آتے ہی اس میں نمو ہوتا ہے پھولتا پھلتا ہے، ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ سمندر کو مطیع بنانے میں کیا کیا کوششیں کی جاتی ہیں! اس کی پشت پر جہاز چلتے

میں چڑھتے ہیں، سینہ چیر ڈالتے ہیں، بجری تار کا جال بچھا کر اس کے قلب میں شگاف کر دیتے ہیں، لیکن اس کو خبر بھی نہیں ہوتی آخر جب شدائد بہت بڑھتے ہیں، ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں، تو وہ دفعتہ کروٹ لیتا ہے، ہیجان میں آتا ہے "نعوذ باللہ من غضب الحلیم" کا ایک معمولی طوفان، ساری تبدشوں کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے!

یہی حال قوموں کے ہبوط و صعود، ترقی و تنزل، حرکت و سکون، اور موت و حیات کا بھی ہے قومیں گرتی ہیں، اس لئے کہ ابھریں سوتی ہیں اس لئے کہ پھر جاگیں، پیچھے ہٹتی ہیں اس لئے کہ آگے بڑھیں۔

مصائب کے تنوع نے بے شبہ ہماری موجودہ حالت خراب کر رکھی ہے، خستہ کر رکھی ہے مگر جراحت کو ناقابل اندمال کیوں فرض کئے لیتے ہو؟ دنیا تو اسی کا نام ہے کہ مصائب و مشکلات پیش آئیں، زندگی تلخ ہو جائے، اذیتوں کا طوفان امنڈ پڑے اس تلاطم میں انسان ہر ایک زحمت کے مقابلہ کو اٹھ کھڑا ہو، اس کی کوششیں بار بار ناکام ثابت ہوں، قدم قدم پر ٹھوکریں لگیں، چلے اور گر گر پڑے، لیکن پھر سنبھلے اور سب کچھ سنبھال لے۔

یعقوب بن لیث ایک ٹھٹھیرا تھا۔ اس نے جب دکان بڑھائی ہے، اور دوستوں سے حصول عظمت و عزت کے تذکرے کئے ہیں تو لوگ اس کی باتوں پر ہنستے تھے

نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کو
ہمیشہ خواب ہی دیکھا کئے چھپر کھٹ کا

وہ اس طعن و تشنیع کا چند مختصر لفظوں میں جواب دیدیا کرتا تھا۔

میرے پاس مال نہیں ہے۔ دولت نہیں ہے، اعوان و انصار نہیں ہیں، ملک گیری و ملک رانی میں سابقہ و معرفت حاصل نہیں، مگر کیا میرے پاس وہ دل بھی نہیں ہے جس نے ایک خراسانی کا فر کو (ابو مسلم) بنا دیا تھا؟"

دمشق کا جب تخت الٹا، اور بنی امیہ کے جاہ و جلال نے آل عباس کے لئے جگہ خالی کی تو اس انقلاب کا علم بردار (ابو مسلم) نامی ایک نو مسلم خراسانی تھا یعقوب بن لیث کا اشارہ اسی طرف تھا کہ اگر ایک نو مسلم ایک عظیم الشان

حکومت کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ اور ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھ سکتا ہے، تو پھر ہر انسان کے لئے جو ہمت و عزم رکھتا ہو، یہ کیوں ناممکن ہے؟

یہ عزم راسخ، یہ ہمت بلند، یہ جلالت آفریں حوصلے، ایک ایسے شخص کے تھے، جس کے حصے میں دنیا اور اس کی نعمتوں سے کوئی نمائش و نمود داری کی بات نہیں آئی تھی، مگر یہ حساس دل تھا، یہ اللہ اکبر کی صدائیں تھیں، یہ لیستخلفنھم فی الارض قابلیت و صلاحیت رکھنے والے ایمانداروں کو زمین پر خدا اپنا جانشین بنائے گا) کے وعدہ پر یقین رکھنے والے جذبات تھے کہ ان کی برکت سے بالآخر ایک معمولی و بے حیثیت، ٹھٹھیرا ایران کا بادشاہ ہوگیا، اور خلیفہ روئے زمین کی عظمت اور سپاہ و سلطنت تھی اس کی کچھ بگاڑ نہ سکی۔ تاریخ ایران یعقوب بن لیث کی داستان عظمت و جلال آج تک سنا رہی ہے!!

ذلکٔ بان اللہ مولی الذین اٰمنوا وان الکافرین لامولیٰ لھم (۴۷-۱۰) یہ اس لئے ہوا کہ حقیقت میں ایمانداروں کا مالک اور کارساز خدا ہے اور جو خدا کی قدرت کے منکر ہیں ان کا کوئی مالک اور کارساز نہیں۔

آج کل کا ۱۹۱۳ء، ۱۱۲۳ء کے اندلس سے گیا گذرا نہیں ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوچلا تھا۔ مسجدوں میں شراب پرتگالی کے دور چلتے تھے، تماشا گاہوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی تمثیل (ایکٹ) ہوتی تھی۔ الفانسو ہفتم نے ملک ہی سے نہیں، آزادی و عزت سے بھی مسلمانوں کو بے دخل کر رکھا تھا۔ اس محشر آفات میں پرانے مذاق اور پرانے خیال کا ایک فقیر منش مولوی اُٹھتا ہے، جس کے پاس بجز ایمان اور عمل صالح کے اور کوئی سازو سامان نہیں ہوتا۔ یہ شخص (محمد بن عبداللہ) مشرق سے روشنی لے کر مغرب میں اکیلا آتا ہے، اور اکیلے ایک خدا کی جانب بندوں کو بلاتا ہے، اور اتباع قرآن و احیائے سنت رسول کی دعوت دیتا ہے، اس دعوت میں صرف ان کا ایک شاگرد (عبدالمومن) ساتھ ہے لیکن صداقت کو بہت سے ساتھیوں کی ضرورت نہیں پڑا کرتی۔

اس کی تنہا کوششیں حکومت میں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں، اور ۱۱۷۲ء سے ۱۱۹۶ء تک کی قلیل مدت میں، اندلس کی تثلیث پر دوبارہ توحید غالب آ کر زمین کو آسمان تک اس مقدس پیغام کا مفہوم سمجھا دیتی ہے۔

فانتقمنا من الذین اجرموا وکان حقا علینا نصر المؤمنین (۳۰-۴۷) — جن لوگوں نے جرم کئے تھے ہم ان سے انتقام لیا اور ہم پر حق تھا کہ ایمانداروں کی مدد کریں۔

یہ انتقام نصرت کچھ اسی زمانے سے مخصوص نہیں، اور نہ قدرت کاملہ کے وعدۂ عید میں کسی عہد کی تخصیص ہوا کرتی ہے۔ ایمان کی خصوصیت اگر اب بھی ہمارے اعمال سے نمایاں ہو، اور قانون الٰہی کی اس دفعہ پر اگر اس وقت بھی ہمیں سچا ایمان حاصل ہو جائے کہ ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین جمیعا "عزت صرف اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے) اور ہم اپنی اس کھوئی عزت اسلامی کو واپس لانے کے لئے باصول کوششیں کرنے لگیں، تو اس حالت میں خدا پر بھی حق ہے کہ ہماری مدد کرے، اور جو لوگ ننگ حق و عدل کے مجرم ہیں ان سے انتقام لے، اور پھر یہی صداقت الٰہی ہے من انصاری الی اللہ کی صدائے دعوت میں اپنے ڈھونڈھنے والوں کو ڈھونڈ رہی ہے، لیکن افسوس کہ قلیلا ما تذکرون، ایسے بہت کم ہیں، جن کے پاس عبرت آشنا دل ہوں!

فتنۂ تاتار (جس نے ساتویں صدی میں تمام عالم اسلامی کو زیر و زبر کر دیا) اس کا سرشتہ جلال الدین خوارزم شاہ تھا۔ اس کا یہ عالم تھا کہ ہلاکو خاں کی حملہ آور فوج پیچھے پیچھے اور غفلت و گساری و مخموریت آگے آگے رہتی تھی۔ آج کسی شہر میں مقابلہ ہوا، تاتاریوں نے خوارزم شاہیوں کو پسپا کر دیا، بادشاہ ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلا، رات کو بڑی مشکلوں سے کسی مامن میں پناہ لی، لیکن پھر شراب و شاہد و سرود کا شغلہ شروع ہو گیا۔ دوسرے دن تاتاری یہاں بھی آ پہنچے، اور خوارزم شاہ بھاگ کر کسی دوسری جگہ پناہ گزین ہوا۔ پھر وہی دور چل نکلا، اور رات بھر جام و مینا کی صحبت عیش میں بسر ہوئی، یہی تباہ کاریاں

تھیں، جن سے متاثر ہو کر بادشاہ کے خاص شاعر تک کا دل بھر آیا تھا اور اس نے لکھا تھا کہ :-

شاہا زمے گراں چہ بر خواہد خواست — وز مستی ہر زماں چہ بر خواہد خاست
شہ مست، جہاں خراب، دشمن پس و پیش — پیداست کزیں میاں چہ بر خواہد خاست

بادشاہ اس پر بھی متاثر نہ ہوا، اور آخر اپنی سلطنت ہی نہیں، بلکہ دنیائے اسلام کی ساری عظمت و عزت بھی کھو بیٹھا۔

یہ واقعات آج سے سات سو برس قبل کے ہیں، لیکن اپنی حالت کو دیکھئے کیا ہماری غفلت دبے جیسی اس عہد کی سرمستی سے بڑھی چڑھی نہیں ہے؟

ہندوستان میں ہیں تو ہندوستان سے باہر نہ جائیے۔ یہیں کا ماضی و حال، سلف و خلف کے موازنے کے لیے، کافی ہے ایک عہد تو وہ تھا کہ خان دوراں کو عین معرکہ جنگ میں نماز پڑھتے ہوئے گولی لگتی ہے، وہ شہید ہو جاتا ہے، سپاہی بددل ہو جاتے ہیں، لشکر میں تفرقہ پڑ جاتا ہے، اسی عالم میں معین الملک (میر منو) اٹھتا ہے مرحوم سپہ سالار کی لاش آگے رکھ لیتا ہے، اور اس شدت سے حملہ کرتا ہے کہ احمد شاہ ابدالی جیسے نبرد آزما کو "دست ستیز" پر "پائے گریز" کو ترجیح دینی پڑتی ہے دشمنوں سے میدان خالی ہو جاتا ہے اور وہی فوج جو ایک گھنٹہ قبل سراسیمہ ہو کر بھاگنے پر تلی بیٹھی تھی، اپنے احساس کے بیدار ہوتے ہی حریفوں کو بھگا کر دم لیتی ہے۔

اب اس قوم کی یہ حالت ہے کہ مدنیت فرنگ اس پر بکسر مسلط ہو چکی ہے، دین و دولت لے چکی ہے، علم و فضل لے چکی ہے، تہذیب و تمدن لے چکی ہے اس کے تمام مواد حیات کو فنا کر چکی، اور اب اس کے بقیہ تفاس کو نیست و نابود کر دینے پر آمادہ ہے مذہب کی لاش آگے پڑی ہوئی ہے، اور وہ اسے چھوڑ کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں۔

واضيعة الناس والدين الحنيف وما — تلقاه من حادثات الدهر الجواد
هتك وقتل واحداث يشيب بها — راس الوليد وتعذيب واصفاد

ہائے، یہ لوگوں کی تباہ کاری، یہ مذہب مقدس کا ضائع ہونا، یہ حوادث زمانہ سے شرفا کا ابتلا میں گرفتار ہو جانا !!

عصمت کی پردہ دری ہو رہی ہے، جذبات کا قتل عام ہے حوادث ایسے پیش آرہے ہیں کہ بچوں کے بال سفید ہو جائیں طرح طرح کے عذاب ہیں اور گرفتاریاں دنوع میں آرہی ہیں !!

وقت آگیا ہے کہ ان حالات پر ہم غور کریں، ان معاملات کو پیش نظر رکھیں، ان مقدمات و نتائج سے اثر پذیر ہوں، اور اس دیرینہ روش کو، جو فرسودہ ہو چکی ہے، جو ہمیشہ بے سود ثابت ہوا کی ہے جس نے قوم کو ولولہ حیات سے محروم کر رکھا ہے ترک کر کے اس نئی وادی میں سر قدم رکھیں جس کا خدا نے ہم سے وعدہ کیا ہے، اور پھر اس پیغام آسمانی کو یاد رکھیں جو خدا نے مقدس کوہ سینا پر موسیٰ علیہ السلام، کی زبانی بنی اسرائیل کو دیا تھا۔

"دیکھو! میں آج کے دن تمہارے آگے برکت، و لعنت دونوں کو رکھے دیتا ہوں۔ برکت؛ جبکہ تم اپنے خدا کے احکام کو، جن کا میں آج تم کو حکم دیتا ہوں، مانو۔ اور لعنت! جب کہ تم اپنے خدا کی فرماں برداری نہ کرو، اور اس راہ سے پھر کے جس کی بابت میں آج تم کو حکم دیتا ہوں، پرائے معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا، پیروی کرو۔"

جب تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں جہاں تو جاتا ہے کہ اس کا وارث بنے، داخل کرے گا تو اس برکت کو تو جرسیم کی پہاڑی پر سے، اور لعنت کو جبل ایبال پر سے سنائے گا..... تم اردن پار جاتے ہو کہ اس سرزمین کے جو تمہارا خدا تمہیں دیتا ہے، وارث ہو، تم اس کے وارث ہو گے اور اس میں بسو گے، لہٰذا تم ان تمام حقوق و احکام کی محافظت کرو جنہیں میں آج تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور ان پر عمل کرو" (استثنا - ۱۱ - ۲۶ - ۳۲)

پچھلی مئی واشنگٹن کے (ایک مدرسہ ثانویہ سیکنڈری اسکول) میں طلبا کا

امتحان تھا۔ جوابات کے لئے ایک یہ شرط بھی لگادی گئی تھی کہ جواب کی کاپیوں پر خاتمہ مسائل کے بعد جہاں نام لکھے جاتے ہیں، وہاں ہر ایک متعلم یہ بھی لکھے کہ تعلیم کے بعد وہ کیا کرنا چاہتا ہے؛ طلبا کا شمار ڈھائی سو تھا۔ ان میں بجز دس لڑکوں کے، جنہوں نے تعلیم کے ذریعہ قوم کو فائدہ پہنچانے کے لئے سررشتہ تعلیم کی ملازمت پسند کی تھی، اور سب نے آزاد کاروباری زندگی کی جانب رغبت ظاہر کی۔ اور سرکاری ملازمت کو پسند کرنے والا کوئی نہ نکلا۔ طلبا میں ایک غریب گھرانے کی نوخیز لڑکی بھی تھی۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ لکھا تھا، "میں امریکہ کی پریسیڈنٹ (رئیس الجمہور) بننا چاہتی ہوں" غریب لڑکی کو معلوم تھا کہ اس کی حالت خستہ ہے، خراب ہے بے بس ہے، بے کس ہے، عورتوں کو رئیس الجمہور بننے کا حق بھی حاصل نہیں، لیکن حقیقی معیار تعلیم نے اس کے خیالات بلند کر رکھے تھے، اور اس کو یقین تھا کہ مدعائے تعلیم یہی ہے کہ گرے ہوئے دل ودماغ ہمیشہ گرے ہی نہ رہیں بلکہ ان کو ابھرنے اور عزت کی سب سے اونچی سطح تک پہنچنے کا موقع مل سکے۔

تعلیمی روشنی کے نقطہ شعاعی (فوکس) ایک طرف تو یہ ہے، اور دوسری جانب یہ ہے کہ پڑھو، پڑھ کر گریجویٹ بنو، لیکن صرف اس لئے کہ تمہارے لئے .... چاکری کی کوئی سبیل نکل سکے، تم اپنی ساری زندگی اسی غلامی میں بسر کرو، اور اسی کو حاصل ایام سمجھو:-

ماہمہ بندہ وایں قوم خداوندانند

فاعتبروا یا اولی الابصار!!

کچھ اوپر سو برس ہوئے، ہندوستان میں انگریزی حکومت آئی، اور جدید علم وفن کو اپنے ساتھ لائی، اسکول بنائے، کالج قائم کیے، تربیت گاہ (ہوسٹل) واقامت گاہ (بورڈنگ ہاؤس)، کی بنیاد ڈالی، وظیفے دیئے، ملازمتوں کا دروازہ کھولا، سررشتہ تعلیم کی رسمی سازی کی، یہ سب کچھ ہوا لیکن اس کو کیا جائے کہ تعلیم کا نظام اور اس کا طرز وطریق ہی ایسا ناقص تھا کہ تعلیم یافتہ گروہ نہ ذہنیات ہی میں ترقی کر سکا، نہ دماغ ہی آراستہ

ہوئے۔ نہ عملی طریق پر ملک کی ثروت بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ ایجاد و اختراع ہی کی جانب توجہ پیدا ہوئی۔ اس تمام تعلیمی تگ و دو اور غوغائے علم کا نتیجہ صرف اسی قدر نکلا کہ سرکاری دفتروں میں محرری و نظامت کیلئے کم معاوضہ پر فرنگی کارکن نہیں مل سکتے تھے، ہندوستانیوں کو انگریزی میں بہرہ نہ تھا، انگریزی افسر ہندوستانی محرروں کے حاجتمند بھی تھے اور ان کے ہاتھوں زحمت بھی اٹھاتے تھے۔ پس سرکاری یونیورسٹیوں نے یہ زحمت رفع کر دی۔ کلرکی کے لئے اس تعلیمی ترقی کے دور میں ہر قسم کے ہندوستانی گریجویٹ ملنے لگے۔ جن کی زندگی کا ماحصل یہی ہوتا ہے کہ کمائیں، کھائیں اور گورنمنٹ کی غلامی میں عمر گذار دیں

خلاص حافظ از آں زلف تابدار مباد

یہ حالت تو ہندوستان کی ہے۔ جہاں ایک نہیں پانچ سرکاری یونیورسٹیاں پہلے موجود ہیں، اب ایک اور نئی یونیورسٹی ڈھاکے میں قائم ہونے والی ہے اور پچھلے دنوں سر جارج کلارک گورنر بمبئی نے احمد آباد گجرات میں بھی ایک سرکاری یونیورسٹی قائم کرنے کی رائے دی تھی۔ اس کے مقابلے میں ارض شام کی حالت دیکھیے، جہاں ایک یونیورسٹی بھی نہیں گورنمنٹ کیطرف سے کوئی کالج بھی قائم نہیں ہے صرف گورنمنٹ اسکول ہیں یا بیروت میں بشرین امریکہ کا ایک بہت ہی مختصر کالج ہے جو اپنا آپ ہی امتحان لیتا ہے اور سند دیتا ہے۔

تاہم تعلیم کا نظام اتنا سود مند ہے، نشو و ارتقائے دماغ پر اس قدر زور دیا جاتا ہے، اظہار مواہب فطریہ کے محرکات اس درجہ بڑھے ہوئے کہ وہی معمولی تعلیم ان میں مصنفین و مخترعین پیدا کر سکتی ہے مگر ہماری غیر معمولی تعلیم ایجاد و اختراع کے سمجھنے اور علوم و فنون کا صحیح مطالعہ کرنے میں بھی مدد نہیں دے سکتی!

عبداللہ افندی البستانی ارض شام کے ایک مشہور بزرگ ہیں، جن کو تعلیمی حیثیت سے یونیورسٹی کی کوئی ڈگری حاصل نہیں حال ہی میں انھوں نے ایک نئی چیز دریافت کی ہے جس کا غلغلہ دمشق و بیروت نکل کر یورپ تک پہنچ گیا ہے۔

تمباکو کے نقصانات اس قدر عام اور وسیع ہیں کہ ان مضرتوں کا تذکرہ اب ایک طرح کا اعلام معلوم ہو گیا ہے، علمائے حفظ صحت اس کے ضرر پر رسالے لکھ چکے ہیں بڑی بڑی

انجمنیں اس کی عادت چھڑانے کے لئے قائم ہیں، اور حکومتوں نے اس کے لئے قوانین نافذ کئے ہیں، تاہم جو شے ایک صدی سے جز و زندگی ہو گئی ہے، اس کا ترک بہت مشکل ہے۔

عبداللہ البستانی کو فلسفہ اجتماعی کی اس حقیقت کا علم تھا کہ جس طرف پبلک کا عام رجحان ہو اور یہ رجحان پختہ ہو چکا ہو، اس کی فوری بندش کی کوششیں ناکام رہتی ہیں اصلاح البتہ ممکن ہے اور وہ بھی تدریجی رفتار سے مقبول ہو سکتی ہے۔ تمباکو میں جو مضرت کی خاص چیز ہے وہ ایک قسم کا زہریلا مادہ ہے جو استعمال کرنے والوں کے اعضاء رئیسہ پر بہت برا اثر ڈالتا ہے اس مادہ کا علمی نام "نیکوٹین" ہے اور وہی ان مضرتوں کا باعث ہے، بستانی کی اختراعی قابلیت نے ایک ایسی چیز نکالی ہے کہ تمباکو کے مزے اور ذائقہ دبو میں فرق بھی نہیں آنے پاتا، اور یہ مادہ بھی اس سے نکل جاتا ہے۔ مصر کی سینٹری کمشنر (افسر محکمۂ حفظان صحت) ڈاکٹر بیٹر نے اس اکتشاف کی نہایت کامیاب تصدیق کی ہے۔

ایجاد کی علمی تصدیق یوں ہوئی کہ ایک سو خرگوشوں کے خون میں مادہ نیکوٹین پچکاری کے ذریعہ پہنچایا گیا، ہنوز پورے بیس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سب کے سب مر گئے۔ پھر اس مادے سے الگ کئے ہوئے تمباکو کے جوہر سے دوسرے خرگوشوں پر یہی عمل کیا گیا، مگر وہ بالکل زندہ رہے اور ان کی طبعی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔

فاضل منکشف نے پچھلے مہینے میں اس اکتشاف کے متعلق مصر میں ایک لکچر بھی دیا تھا، اور اس کیفیت کا تجربہ دکھلا دیا تھا، چنانچہ علمی دنیا کے مختلف حصوں سے انہیں پرجوش مبارکباد دی گئی ہے۔

کیا ہندوستان میں بھی وہ دن آئے گا کہ تعلیم کا صحیح معیار اور درست انتظام قائم ہو۔ اور تعلیمی نتائج بہترین علمی اکتشاف کی صورت میں ظاہر ہوا کریں؟

❋ ❋ ❋

سرگذشت "مُصالحۃ"

ودّوا لو تدھن فیدھنون ہ

نیز و در کاسۂ زر آب طربناک انداز

آج میں قرآن حکیم کی بعض آیات اور آغازِ اسلام کے ایک واقعہ کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

اسلام نے حق پرستی کی جو تعلیم دی ہے، وہ دنیا کے موجودہ اخلاق کی مدعیانہ حق پرستی سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ قرآن حکیم اور اسوۂ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں حق کا اصول تبلا دیا ہے ایک طرف تو یہ تعلیم دی۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں مخالفوں کے ساتھ نرم دل بنا دیا ہے کہ باوجود اس کی سختی و قساوت کے تم حسن اخلاق و صبر و تحمل سے پیش آتے ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی تمہارے پاس نہ آتا۔

دوسری جگہ حکم دیا۔ واغلظ علیھم ! باطل پرستوں کے ساتھ نہایت سختی کرو۔ کہ وہ نرمی کے مستحق نہیں!

پہلا موقعہ تو عام طور پر حسن خلق، کشادہ روئی، صبر و تحمل، نرمی طبیعت، تہذیب لسان، ولہجہ سخن کا تھا، اس لئے داعی اسلام کے ان اوصاف کو رحمت الٰہی قرار دیا لیکن دوسرا موقعہ حق و باطل، صدق و کذب، اور ایمان و کفر کے مقابلے کا تھا، فرمایا کہ جس قدر سختی کر سکتے ہو کرو کہ یہی عین عدل و اخلاق ہے۔

چنانچہ سورۂ قلم میں ایسی نرمی کو جو حق و صداقت کے خلاف ہو اور راہ عدالت سے منحرف کر دے " مداہنت " کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

بعض کفار آنحضرت صلعم کے پاس جمع ہو کر آئے اور کہا کہ بہتر ہے کہ ہم میں اور آپ میں ایک راضی نامہ ہو جائے آپ جو کچھ تعلیم دینا چاہتے ہیں دیجئے لیکن صرف اتنا کیجئے کہ ہمارے بتوں کو اور ہماری بت پرستی کو برا نہ کہئے اس کے بدلے میں ہم آپ کو مال و دولت سے مالامال کر دیتے ہیں بلکہ حجاز کا بادشاہ تسلیم کر لینے کے لئے بھی طیار ہیں۔

لیکن اس نے جو نہ صرف ریگستان عرب کا بلکہ تمام بر و بحر عالم کی ہدایت کا شہنشاہ ہونے والا تھا، بے ساختہ جواب دیا۔

لو جئتمونی بالشمس حتی تضع فی یدی ما سالتکم غیرھا (بخاری) عرب کی بادشاہت تو کیا شے ہے؟ اگر تم سورج کو بھی آسمان سے اتار کر میری مٹھی میں رکھ دو، جب بھی میں سوائے کلمۂ حق کے دوسری بات منظور نہ کروں گا۔

خدا تعالیٰ نے اسی مصلحت اندیشی کی خواہش کی نسبت فرمایا: ودوا لو تدھن فیدھنون یہ باطل پرست چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ اعلان حق میں نرمی کر تو وہ بھی تیرے ساتھ نرمی کریں گے۔ حالانکہ کفر کو راضی رکھ کے ایمان کی دعوت کبھی نہیں دی جا سکتی! فلا تطع المکذبین پس ان لوگوں کی خواہشوں کی اطاعت نہ کر جو حق و عدالت کو جھٹلانے والے ہیں!

رؤسا قریش مکہ کی طرح آج ہمارے سامنے بھی ایک قوی و طاقتور گروہ موجود ہے جو چاہتا ہے کہ حق کے اعلان، جبر کی فریاد، اور عدل کی طلب میں ہم اس کی نرمی کریں، اور پھر وعدہ کرتا ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ بھی ہمارے ساتھ نرمی کرے گا۔

حضرت ابوطالب کے مکان میں رؤسا قریش نے داعی اسلام سے کہا تھا کہ وہ سب کچھ کہیں۔ مگر ان کے بتوں کو برا نہ کہیں۔ یہی شرط مصالحت ہے ٹھیک اسی طرح ہم سے بھی کہا جاتا ہے کہ تم سب کچھ کہو مگر ان بتوں کو برا نہ کہو جو خدا پرستوں کو اپنا غلام بنا رہے ہیں۔ یہی صلح کا طریقہ ہے۔ لیکن اگر یہی طریقہ ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے چھوڑ دینے کے بعد ہمارے پاس اور کیا باقی رہ جاتا ہے

جو کہیں گے ؛ حق تو وہی تھا جو تم چاہتے ہو کہ تم سے صلح کر کے دے دیں۔ جب وہ دے دیا گیا تو اس کے بعد باطل وکفر کے سوا اور کچھ نہیں ؛ فما ذا بعد الحق الا الضلال۔ ابوطالب کے دل میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت بھی مگر قوت ایمانی نہ تھی صحیح بخاری کی اسی حدیث میں ہے کہ وہ بول اٹھے :۔ اس میں کیا ہرج ہے اگر آپ ان کے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں ؟ "

آج کل بھی میں دیکھتا ہوں کہ میرے بعض احباب ہیں جن کے دل میں سچائی کا ایک ولولہ تو ضرور ہے، لیکن ایمان کی وہ قوت نہیں ہے جو سچائی کی راہ میں دکھ اٹھانے کی ہمت بخش سکے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر آزادی کا ولولہ خدا پرستی اور تعلیم اسلامی کی راہ سے نہیں آیا ہے۔ بلکہ محض دوسروں کی دیکھا دیکھی اور حریت خواہ قوموں کے تقلیدی جذبہ کی بنا پر۔

بہر حال اس مصلحت کی خواہش نے انہیں ڈگمگا دیا۔ وہ یا تو کفر کی دلفریبی سے مرعوب ہو گئے، یا مصیبتوں اور آزمائشوں کے تصور سے ڈرا دیئے گئے نفس خادع جو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا ہے، اب بولنے لگا ہے، اور ضعف ایمانی دھوکا دیتا ہے کہ اس میں ہرج ہی کیا ہے ؟ آخر وقت و مصلحت بھی تو کوئی چیز ہے ؟ پولیٹکل کاموں میں نرمی وگرمی دونوں ہوتی ہیں۔ کام کے لئے پہلی شے فرصت ہے اگر ہم نرمی نہ کریں تو ہماری تمام باتیں بھی نہ رہیں گی۔ بہتر ہے کہ سردست اس " مصالحت " کو مان لیں اور نرمی کریں تاکہ ہمارے ساتھ بھی نرمی کی جائے ودوا لو تدھن فیدھنون !

لیکن افسوس کہ میرے نادان دوست نہیں سمجھتے کہ " مصالحت " بقائے حق کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ فنائے حق کے بعد نرمی کے یہ معنی ہیں کہ کسی کام کو سختی سے نہ کیجئے، نہ یہ کہ سرے سے کیجئے ہی نہیں ؛ سچائی کے ساتھ اگر کچھ ہے تو دے دیجئے پر سچائی کے اندر جو کچھ ہے وہ کیونکر دیا جا سکتا ہے ؟ کسی شے کا غلاف آپ بدل دے سکتے ہیں، لیکن جب تک اس کی محبت آپ کے اندر ہے، خود اسے دوسری شے سے نہیں بدل سکتے۔ پھر حق کی راہ میں مرعوبیت اور خوف ایسا ہی ہے،

جیسے دریا میں کپڑوں کے بھیگنے سے گریز۔ آپ سے کس نے منت کی تھی کہ آگ سے کھیلئے؟ انگاروں کو مٹھی میں لینے کا دعوٰی ہے تو آبلہ پڑنے کی شکایت کیوں کی جاتی ہے؟ راحت پرستوں کو چاہئے کہ کانٹوں پر چل کر پاؤں چھلنے کی شکایت نہ کریں، بلکہ اس خار زار میں سرے سے قدم ہی نہ رکھیں۔

غافل مرد کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزل ست و منزل اول قیامت ست

یہ سمجھنا کہ کام کے لئے عافیت و فرصت ضروری ہے"، سچ ہے، مگر اس آلۂ راحت پرستی کے استعمال کا یہ موقع نہیں۔ اگر آپ حق اور صداقت کا کام کر رہے ہیں تو صرف کام کیجئے۔ اس کی فکر نہ کیجئے کہ ہمارے بعد کیا ہوگا؟ سچائی اور راست بازی کل کی فکر سے بے پرواہ ہے اس کا بیج کبھی بھی شرمندۂ دہقاں و کاشتکار نہیں ہوا۔ وہ خود ہی پھوٹتا ہے اور اپنی پرورش کے لئے خود اپنے اندر آب حیات رکھتا ہے۔ بالفرض اگر اسے اپنی نشو ونما کے لئے پاسبانوں کی ضرورت ہے تو آپ اس کی فکر کو اپنی راحت جوئیوں کے لئے حیلہ نہ بنائیں۔ اگر آپ نہ ہوں گے تو آپ کی جگہ خود بخود ایسے لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے جو آپ سے کام میں بہتر اور تعداد میں زیادہ ہوں گے۔

گماں مبر کہ تو چوں بگذری جہاں بگذشت
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست!

اور غور کیجئے تو جس چیز کو آپ سچائی کی موت سمجھتے ہیں، وہی تو اس کے لئے زندگی کا آب حیات ہے۔ اگر حق کا بیج آپ کے دامن میں ہے تو زمین کے سپرد کر دیجئے اور ہو سکے تو اپنے خون کے دو چار قطرے بھی اس پر چھڑک دیجئے کہ یہی اس کے لئے آب پاشی ہے اس کے بعد آپ کا فرض ختم ہو گیا۔ اب وہ حق نواز اور صداقت پرور اپنے کھیت کی خود نگرانی کر لے گا جو اب بھی ویسا ہی نگرانی کرنے والا ہے جیسا کہ ہمیشہ رہا ہے

قل هو الرحمٰن امنا به وعليه توكلنا فستعلمون من هو في ضلال مبين! (۶۷: ۳۰)

"یہ مصالحت" اور "نرمی" کی خواہش نہیں ہے بلکہ ایمان سے ارتداد حق سے انحراف کی دعوت ہے۔ فنعوذ باللہ من شرہا وشر اعداء الحق وائمۃ الکفر !!

اب سے تیرہ سو بتیس برس پہلے جب اسی "مصالحت" کو ائمہ کفر دنا بین شیاطین نے پیش کیا تھا تو اسلام کے داعی اول نے حق اور صداقت پرستی کے ایک شہنشاہانہ استغنا کے ساتھ یہ کہہ کر بے باکانہ رد کر دیا تھا۔

لو جئتمونی بالشمس حتی تضع فی یدی ما سالتکم غیرھا !

اگر تم میں ایسی قدرت وطاقت پیدا ہو جائے کہ تم آسمان سے سورج اتار کر میری ہتھیلی پر رکھ دو، جب بھی طلب حق کے سوا تم سے اور کچھ نہ چاہوں گا اور وہی کہوں گا جو کہہ رہا ہوں !!

پھر آج بھی اس مقدس داعی حق کا کوئی سچا فرزند ہے جس کو حق کا پاک اور مبارک عشق اسلام کے ورثہ میں ملا ہو، جو ویسے ہی کبر صداقت، ویسے ہی عظمت حقانی، ویسے ہی شان صمدانی، اور بالکل اسی طرح شہنشاہوں کے سے استغنا اور تاجداروں کی سی ہیبت و جبروت کے ساتھ بلاخوف و تذلزل، اس مصالحت کفر خواہ اور اس اتحاد باطل اندیش کو علانیہ ٹھکرا دے اور اپنی صولت الٰہی اور دبدبہ ملکوتی سے ارواح وملائکہ حقانیت اور ملاء علیین صداقت کو غلغلہ حمد وثنا سے جنبش میں لے آئے؟

زمین کے حق پرست انسان اور آسمان کے فرشتے، دونوں اس کے منتظر ہیں

خیز و در کاسۂ زر آب طربناک انداز — پیشتر ازانکہ شود کاسۂ سر خاک انداز

عاقبت منزل ما وادی خاموشاں ست — حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

⁂

نامور ملت پرست غیور

ابراهیم ثریا بک

حیات بعد الممات

" قدرت الٰہی کے مظاہر و آیات میں سب سے بڑی نشانی احیائے موت ہے" اور اس کے لئے کسی مافوق الفطرت معجزے کی ضرورت نہیں، کاروبار فطرت میں روزمرہ قدرت الٰہی اپنا یہ اعجاز دکھلاتی ہے اور کائنات عالم کی کوئی ہستی نہیں جسکے اندر ہر وقت اور ہر لمحے حیات بعد الممات کا قانون جاری و ساری نہ ہو، ہزاروں ہستیاں ہیں جو اس حیات سرائے عالم میں روز مرتی ہیں اور پھر زندہ ہوتی ہیں۔ ولکن اکثر ھم لا یعلمون۔

قرآن کریم ہر جگہ آثار قدرت اور آیات فطرت کے بیان سے وجود الٰہی پر استدلال کرتا ہے مگر شاید سب سے زیادہ اس نے اسی نشانی پر زور دیا ہے۔

یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد موتها، وکذالک تخرجون۔	خدا تعالیٰ زندگی سے موت، اور موت سے زندگی کو پیدا کرتا ہے اور جب زمین پر موت چھا جاتی ہے، تو اسے پھر زندہ کر دیتا ہے اسی طرح تم کو بھی موت کے بعد زندہ کھڑا کر دے گا۔

لیکن انسان کی ایک قدیمی نادانی یہ ہے کہ گوشت اور خون سے بنے ہوئے جسم کی حرکت ہی کو زندگی، اور اسکے جمود ہی کو موت سمجھتا ہے۔ حالانکہ اس جسم کی موت

وحیات بھی ایک بالاتر قانون حیات وممات کے ماتحت ہے، آسمان اس سے دور ہے، مگر زمین تو قدموں کے نیچے ہے، اگر نظروں کو اوپر نہیں اٹھاتا تو تعجب ہے کہ نیچے بھی نہیں دیکھتا؟ زمین جب اپنی زندگی کی تمام علامتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس کی سطح پر پھیلنے والی وہ دلفریب روئیدگیں، جن کے اسباب حیات سے اس کی ساری رونق اور دل کشی ہے، ایک ایک کر کے اس سے رخصت ہو جاتی ہیں عالم نباتات کی وہ ارواح طیبہ جن کے مظاہر جمال کے الوان مختلفہ سے ان کا چہرہ اجرام سماوی کے حسن کو بھی شرمندہ کر دیتا ہے، خزاں کے لطمات ہلاکت کی تاب نہ لاکر اس کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دے دے دیتی ہیں۔ روح نباتاتی کا کوئی اثر اس میں باقی نہیں رہتا۔ کھیت خشک ہو جاتے ہیں، باغ جنگل نظر آتے ہیں۔ اور سرچشمۂ حیات یعنی پانی بھی اپنی بخشائشوں کو روک دیتا ہے۔ اس وقت زمین یکسر مرقع موت وہلاکت ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر جب "حیات بعد الممات" کا قانون رونما ہوتا ہے، تو موسم بہار رحمت الٰہی کا پیغام لے کر خزاں کی تمام علامتیں ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگتی ہیں، خشکی کی جگہ تر و تازگی، افسردگی کی جگہ شگفتگی، اور موت کی جگہ زندگی کے آثار ہر طرف نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر کیا یہ اموات کی حیات، اور اجساد کا حشر نہیں ہے؟

اس سے بھی بڑھ کر اس قانون الٰہی کے وہ مظاہر ہیں جن میں زندگی موت کے بعد نہیں، بلکہ موت سے زندگی، اور زندگی سے موت پیدا ہوتی ہے۔ یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی غور کر کے دیکھا جائے تو دنیا میں اس کی ہزاروں مثالیں ملیں گی۔ کتنی گمراہیاں ہیں، جن سے رہنمائی کی حرکت پیدا ہوتی ہے؟ کتنی تاریکیاں ہیں، جن کی شدت روشنی کو دعوت دیتی ہے؟ اور کتنی خونریزیاں ہیں، جن میں گو خون کی ندیاں بہتی ہیں لیکن انھیں سے حیات وزندگی کی روح پیدا ہو کر دنیا میں پھیل جاتی ہے، بنی اسرائیل کی سخت و شدید ضلالت ہی نے ظہور (مسیح) کا سامان کیا۔ کعبے کی دیواروں پر سینکڑوں بتوں کی تصویریں کیسی سخت تاریکی تھی؟ لیکن یہی تاریکی جب حد درجہ تک پہنچ گئی، تو آفتاب

توحید کعبے کی چھت پر طلوع ہوا۔ عیسی لڑائیوں نے صدیوں تک یورپ اور ایشیا کے امن کو تاراج کیا، لیکن یہی لڑائیاں تھیں، جنھوں نے یورپ کے دورِ جدید کی بنیاد رکھی، اور سینکڑوں تمدنی اور اخلاقی فوائد تمام اقوامِ مغرب نے حاصل کیے۔

پچھلے نمبر میں (ادھم پاشا) کی ایک تقریر ہم نے انھیں کالموں میں درج کی تھی۔ انھوں نے (الحق) کے نامہ نگار سے کہا تھا کہ اٹلی نے ہم سے ایک چیز لینی چاہی تھی مگر اس نے سب کچھ ہمیں دیدیا۔ درحقیقت جنگ طرابلس بھی اس قدرت الہی کی ایک بہت بڑی مثال ہے کہ:۔

یخرج الحی من المیت — وہ موت سے زندگی اور زندگی سے موت
ویخرج المیت من الحی — پیدا کرتا ہے۔

جنگ طرابلس ایک خونریزی تھی، لیکن غور کیجئے تو اس خونریزی نے اسلام کے لیے نئے دورِ حیات کی بنیاد رکھ دی ہے دنیا میں اصلی طاقت اخلاقی طاقت ہے اور اصلی فتح اخلاقی فتح ہے، اس جنگ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مردہ جذبات میں روح پھونک دی، اور ایک اصلی اور حقیقی اخلاقی حرکت تمام عالمِ اسلام میں پیدا کردی اس اثر کی سب سے بڑی مثال اسلام پرستی کا وہ غیرت کارانہ جوش ہے، جو اعلانِ جنگ کے ساتھ ہی تمام عالمِ اسلامی اور علی الخصوص تمام عثمانی ممالک میں پیدا ہوگیا۔ ترکوں کا کوئی طبقہ اور کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو آج طرابلس کے مختلف میدانوں میں سرگرم قتال و دفاع نہ ہو۔ سب سے زیادہ گروہ طلباء اور اہلِ قلم کا ہے، جنھوں نے تلوار کو بلند ہوتے دیکھا، تو خود بھی اپنے قلم کو تلوار سے بدل لیا۔ اس سے پیشتر ہم متعدد اشخاص کا ذکر کر چکے ہیں، لیکن آج جو تصویر آپ کے سامنے ہے، اس کی عزت و احترام میں کمی نہ کیجیے کہ یہ اسلام پرستی اور ملی فداکاری کے شرف و تقدیس کی ایک مقدس تمثال ہے۔

سب سے پہلے (ابراہیم تریابک) کے چہرے پر ایک نظر ڈالئے، آپ کے لئے یہ کوئی نئی وضع اور قطع نہیں ہے ہندوستان میں نئی صحبت کے سینکڑوں نوجوان اس قطع کے آپ نے دیکھے ہوں گے۔ اگر آپ کو معلوم نہ ہوتا کہ ایک تعلیم یافتہ ترک کی تصویر ہے تو عجب نہیں کہ آپ اسے (علی گڑھ کالج) کا ایک فیشن ایبل گریجویٹ قرار دیتے۔ لیکن۔

لشتان ما بین الیزید ین فی الندی
یزید سلیم والاعز ابن حاتم

یہی چہرہ جو زیب و آرائش اور وضع و قطع کی تزئین کا نمونہ نظر آتا ہے، یہی گردن جس میں باوضع کالر کے حلقے اور نکٹائی کی چست اور صحیح بندش سے خوشنمائی اور رعنائی پیدا کی گئی ہے۔ یہی جسم جو قیمتی اور خوش قطع کپڑوں کے اندر راحت جوئیوں اور آرام پسندیوں کا ایک مرقع معلوم ہوتا ہے، آج مہینوں سے ریگستانی افریقہ میں تپتی ہوئی زمین، پرغبار آسمان، موسم زدہ فضا، اور بسا اوقات کسی پرانے کمل کے بنائے ہوئے خیمے۔ یا نخلستان سے گھرے ہوئے ٹھنڈا اور گولیوں کی بارش، اور توپوں کی آتشبازی کے اندر ایک سخت جان اور عادی سپاہی کی طرح مصروف قتال و دفاع ہے، جو سر کل تک خوشنما فیز سے محفوظ تھا آج میدان قتال کی گرد و غبار کے لیے برہنہ کر دیا گیا ہے۔ جن آنکھوں پر کل تک نازک کمانیوں کی عینک چڑھی ہوئی رکھی آج مجاہدین کے گھوڑوں کی خاک کے سرمے کے انتظار میں کھلی ہوئی ہیں۔ جو گردن کل تک رنگین نکٹائی کے حلقے سے خوبصورت بنائی گئی تھی، آج راہ اسلام پرستی میں نکلے ہوئے خون کی چھینٹوں سے رنگین ہو رہی ہے اور جو سینہ کل تک خوش قطع ویسٹ کوٹ سے ملبوس تھا۔ آج دشمنان ملت کی گولیوں کے زخم کے لئے کھول دیا گیا ہے!!

اسلامی خصائص کی یہ اصلی تصویر ہے، جو آج صدیوں کے بعد نظر آ رہی ہے اسلام دین اور دنیا، دونوں کو ایک ہی زندگی کے اندر جمع کرنا چاہتا ہے۔ وہ کھلے

دل سے اجازت دیتا ہے کہ قانون فطرت و اعتدال کے ساتھ جس قدر جائز عیش اور آرام و راحت تم دنیا میں حاصل کر سکتے ہو، کرو۔ قیمتی کپڑے پہن کر حسین بننے کا شوق ہے تو یہ کوئی جرم نہیں۔ زیب و آرائش سے اپنے چہروں کو خوشنما بنانا چاہتے ہو تو اس کی کوئی پرسش نہیں۔ دنیا میں لذتیں بہتے کے لئے، اور آرام و راحت حاصل کرنے کے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی صرف لذائذ حیات ہی کے نہ ہو جاؤ، کہ یہ پھر شرک اور ماسوا پرستی میں داخل ہو جائے گا (انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم) تمہارے جسم قیمتی ملبوسات میں رہیں تو مضائقہ نہیں، لیکن پھٹے ہوئے کمبل کے اوڑھ لینے سے بھی انہیں عار نہ ہو، تمہارے پاؤں قیمتی قالینوں پر چلیں تو کیا حرج ہے، لیکن کبھی کانٹوں اور تپتی ہوئی ریگ پر بھی چہل قدمی کر لیں۔ ان چیزوں میں سے کوئی شے تمہیں خاکساری اور خاک نشینی سے مانع نہ آئے، اور کوئی لذت صرف اپنا ہی پرستار نہ بنالے۔

* * *

هموا بما لم ینالوا

ہمیں دو ہفتے پیشتر سے بعض امور کی اطلاع تھی، اور متعدد موثق ذرائع سے شملہ اور رامپور سے ان کی نسبت مفصل تحریریں دفتر میں پہنچ چکی تھیں۔ مگر ہم ہمیشہ واقعات کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں اور ارادوں اور نیتوں کے معاملات کو عفو و درگذر کا مستحق سمجھتے ہیں۔

مومن کو چاہیے کہ اپنے اندر اخلاق الٰہی پیدا کرے "تخلقوا باخلاق اللہ" اللہ کے اخلاق کا یہ حال ہے کہ اس نے ہمارے ارادوں اور نیتوں کی لغزشوں کو معاف کر دیا ہے، اور جزا و سزا کا احتساب صرف اعمال جوارح و جسم پر مرتب ہوتا ہے سورۂ بقر میں یہ آیت جب نازل ہوئی۔

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ (۲۔۲۸۴) تمہارے دلوں کے اندر جو باتیں ہیں خواہ تم ان کو ظاہر کر دیا چھپاؤ۔ لیکن اللہ کے علم سے مخفی نہیں، وہ ان سب کا تم سے حساب لے گا۔

تو صحابۂ کرام بہت غمگین ہوئے کہ خطرات قلب اور حدیث نفس کا احتساب مشکل ہے نہیں معلوم کس وقت کیسا خیال گذرے، اور قیامت کے دن اس کا جواب دینا پڑے؟ اس پر اسی رکوع کی یہ مشہور آیت کریمہ نازل ہوئی۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (۲۔۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی انسان پر تکلیف شرعی قائم نہیں کرتا مگر وہاں تک کہ اس کے بس اور قدرت میں ہے۔

اعمال کی طرح خیالات کی نیکی بغیر توفیق الٰہی کے ممکن نہیں اور اس میں انسان

مجبور ہے البتہ منافقین اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کا کفران کے دل ہی میں ہوتا ہے گو ظاہر ہیں ایمان کے مدعی ہوتے ہیں۔

پس ہم بھی ہمیشہ اعمال و واقعات پر نظر رکھنا چاہتے ہیں اور اس وقت تک کچھ پروا نہیں کرتے، جب تک کہ ارادے عملی ظہور تک نہیں پہنچ لیتے۔

اگر ایسا نہ ہو تو پھر نقد و اختبار کا پیمانہ نہایت تنگ ہو جائے۔ ہم کو تو ایسے لوگوں کی خبر ہے جو شب کو بستروں پر لیٹتے ہیں تو ارادوں اور خیالوں میں ہوتے ہیں، جن میں اگر ایک ارادے کو بھی تکمیل و ظہور کی خدا مہلت دیدے تو تمام مسلمانوں کے گھر شیطانوں کی بستیاں بن جائیں۔ اور ایک مسلم بھی دنیا میں نہ ملے جو کفر کی لعنت سے آزاد ہو۔

لیکن یہ اللہ کا لطف و فضل ہے کہ وہ ان منافقین و دجالین اور معتدین خاسرین کے ارادوں کو ہمیشہ ناکام رکھتا ہے اور انہیں کبھی مہلت نہیں ملتی کہ اپنی نیات فاسدہ و اقدامات مفسدہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کو عمل ظہور تک پہنچا سکیں۔

ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک وما یضلون الا انفسھم وما یضرونک من شیء (۴ - ع ۱۷)

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو ان لوگوں میں ایک گروہ تو تم کو راہ حق سے بہکا دینے کا ارادہ کر ہی چکا تھا، حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ لوگ تمہیں گمراہ کریں گے؟ خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈال رہے ہیں یقین رکھو کہ وہ تم کو کچھ نقصان پہنچا نہ سکیں گے۔

پھر اگر ہم لوگوں کے ارادوں اور خیالوں کا بھی مراقبہ کریں تو اعمال تک پہنچنے کی کبھی مہلت ہی نہیں ملے۔

لہ اس آیۂ کریمہ میں در اصل آنحضرت (روحی فداہ) سے خاص تخاطب ہے۔ لیکن حالت تمام مومنوں کے لئے عام۔ اسی لئے اس وقت یاد آ گئی تو حوالۂ قلم ہوئی (م)

ہم بالفعل چند کلمات اس جلسے کی نسبت کہنا چاہتے ہیں جو ہز ہائنس نواب صاحب رام پور کی زیر صدارت ۲۰ر اکتوبر کو حسب افواہ یک ہفتہ دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ لیکن مندرجہ صدر خیالات کی بنا پر ہم ان تمام اخبار و معلومات سے بالکل چشم پوشی کر لیں گے جن کی اس جلسے کے انعقاد سے پیشتر ہمیں خبر مل چکی ہے۔ نہ تو اس مخفی اور طلسمانہ طریق عمل پر بحث کریں گے، جو اس جلسے کے انعقاد کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ نہ اس پر اسرار طریق دعوت شرکت پر نظر ڈالیں گے، جس کے ذریعہ ایک خاص طبقے کے لوگوں کو کوشش کر کے جمع کیا گیا۔ نہ (حاجی نادر علی وکیل) نامی کسی شخص کو تلاش کریں گے جو مفید اغراض تر کار عمل کی تلاش میں بھیجا گیا تھا، اور نہ جلسہ کی اصلی غرض و غایت، اس کی تحریک کے اسباب، قافلہ رفتہ کی وصیت اور کاروان موجودہ کے پیام، اور ان سب کے شان نزول کو روشنی میں لائیں گے جس کے اندر مسلمانوں کے موجودہ عہد بیداری و حرکت کے لئے بہت سی یادگار بصیرتیں مضمر ہیں، اور جو انسانی عصیاں پیکرد کے نتائج کا نہایت ہی دلچسپ افسانہ ہے۔

ان امور پر اگر نظر ڈالنی ہے تو اس کا بہتر وقت دوسرا ہے اور شاید دور نہیں سردست ہم صرف اسی چیز کو دیکھیں گے، جو ۲۰ر اکتوبر کو ہمیں دکھلائی گئی اور بالآخر بانیان مجلس جس صورت میں اپنے تئیں پیش کرنے پر مجبور ہو گئے اور انھوں نے پیش کیا، اسی کو بہ کمال تجاہل و تغافل عارفانہ تسلیم کر لیں گے۔

یہ کہہ کے رخنے ڈالیے ان کی نقاب میں
اچھے برے کا حال کھلے کیا حجاب میں

جن لوگوں کو تاریکی پسند ہے اور اپنے کاموں کو چوری چھپے کرنے پر مجبور ہیں بہتر ہے کہ انہیں روشنی میں لا کر پریشان نہ کیا جائے، جس کے چہرے پر داغ ہوتے ہیں اسی کو برقعہ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چور رات کی پچھلی پہر میں دیواروں کی آڑ سے اپنے تئیں چھپاتے ہوئے نکلتے ہیں، مگر شریف آدمی ہمیشہ دوپہر کی روشنی میں شرکل پردیکھے گئے، بلی چھپنے والوں کے لئے یہی عذاب الیم کیا کم ہے کہ وہ خود بھی اپنے

کاموں کو علانیہ کرنے کے قابل نہیں پاتے ؛ انسانی ضمیر کے اسی عذاب کی طرف جابجا قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے ترى الظالمين مشفقين مما كسبوا وهو واقع بهم (۴۲-۲۲)۔ البتہ انسان کی اس غلطی پر، جو شاید اس کی فطرت میں داخل ہے، ہمیشہ ماتم کیا گیا ہے اور کیا جائے گا کہ وہ اپنے رازوں کو ان سے چھپاتا ہے جن کے ہاتھ میں اس کی جزا و سزا نہیں۔ پر اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتا جو اس کے تمام چھپے ہوئے کاموں پر سے عاقبت کار پردہ اٹھا دینے والا ہے ؟ یہ نادان لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے نفس خادع نے خود ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

ولا تجادل عن الذين يختانون انفسهم ان الله لا يحب من كان خوانا اثيما (۴-۱۰۷)

جو لوگ دوسروں کو دھوکا دے کر حقیقت میں خود اپنے تئیں دھوکا دے رہے ہیں، ایسوں کی طرف ہو کر رد و کد نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ دھوکا دینے والوں اور معصیت شعار انسانوں کو پسند نہیں کرتا۔

افسوس تم قرآن پڑھتے نہیں، جو لوگ رازداریوں کے ساتھ پوشیدہ اپنے کاموں کو انجام دینا چاہتے ہیں اور اپنے ارادوں اور مشوروں کو تاریکی میں رکھتے ہیں خدا نے ان کی نسبت کیسے صاف اور منطق لفظوں میں رائے دی ہے ؟ کاش دماغ سوچیں اور دل عبرت پکڑیں!

يستخفون من الناس ولا يستخفون من الله وهو معهم اذ يبيتون ما لا يرضى من القول وكان الله بما يعملون محيطا (۴-۱۰۸)

یہ لوگ کیسے احمق ہیں! انسانوں سے تو پردہ کرتے ہیں مگر خدا سے پردہ نہیں کرتے ؛ حالانکہ جب وہ راتوں کو (مثلاً رات کے گیارہ بجے بریلی کے اسٹیشن پر) ان باتوں کے لیے مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے خلاف ہیں تو خدا ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ جو کچھ کرتے ہیں، سب اس کے احاطہ علم میں داخل ہے۔

الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ایبتغون عندھم العزۃ ؛ فان العزۃ للہ جمیعا و قد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا و یستہزأ بھا، فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ (۴ - ع - ۲۰)

یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا اس کے دربار میں اپنی عزت بڑھانی چاہتے ہیں! اگر یہی بات ہے تو یاد رکھیں کہ ہر طرح کی عزتیں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ اس کو چھوڑ کر یہ کیوں غیروں کی چوکھٹوں پر جھکتے ہیں، حالانکہ مسلمانوں پر اللہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ غیروں سے ویسے ملتے جلتے ہو تو کوئی حرج نہیں، البتہ جب تم اپنے کانوں سے سن لو کہ آیات اللہ سے انکار کیا جا رہا ہے شعائر الٰہیہ کی توہین ہو رہی ہے، احکام دینیہ کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے، تو پھر ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ کسی دوسری بات کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔

ہم نے کسی دوسری جگہ اس جلسہ کے مختصر حالات لکھ دیے ہیں، نیتوں کا خدا علیم ہے، ہماری دعا ہے کہ اگر ان بزرگوں کا مقصود اصلاح حالت اور دفع فساد ہے تو اللہ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی سعی کو قبول کرے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان دلوں پر حسرت ہے جن کے لئے گذشتہ عبرت بخش نہیں، اور ان دماغوں پر افسوس، جو آئندہ کیلئے متنبہ نہیں کوئی سال ایسا نہیں گذرتا، جس میں نیات فاسدہ کی نامرادی اور اعمال مفسدہ کی ناکامی اپنے اندر ایک سبق عبرت و موعظت نہ رکھتی ہو۔ سازشانہ اعمال اور قوم سے علیحدگی و مستبدانہ خود رائی کے ناکام نتائج اس کثرت سے سامنے آ چکے ہیں کہ اندھوں کے سامنے رکھے جائیں تو دیکھنے لگیں اور گونگوں کو سنایا جائے تو بے اختیار چیخ اٹھیں لیکن یہ کیوں ہے کہ آنکھیں بند ہیں، دل مردہ ہو چکے ہیں، کان پنبۂ غفلت سے بہرے، اور سب نے خدا کی طرف گردنیں موڑلی ہیں

وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ و فی آذانھم وقرا (۱۷ - ۴۸)

شاید ہی کوئی اور آیت اس قدر میری زبان پر ہمیشہ جاری رہتی ہو جیسی یہ آیت کریمہ کہ فی الحقیقت ہماری موجودہ غفلتوں کا ایک مرقع عبرت ہے:

اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون (۹ - ۱۲۷)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس ایسا نہیں گزرتا جس میں ایک یا دو مرتبہ یہ لوگ آزمائشوں میں نہ ڈالے جاتے ہوں مگر باوجود اس کے نہ تو وہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرتے ہیں اور نہ ان تنبیہوں سے عبرت پکڑتے ہیں۔

الہلال کی پہلی ششماہی کا اختتام

گویم غم دل مصرعے چند — زنہار جہاں جہاں نگویم
از دیدہ و نیشتر نہ گویم — در از دشنہ و استخواں نگویم
کس نیست متاع را خریدار — با آنکہ بہا گراں نگویم
عرت لمند د پلاس دارم — حرف خرد ہر بیاں نگویم
زاں رو کہ خردوران گیتی — رنجند چوں قدر داں نگویم
ناچار متاع عرضہ دارم — بے رونقی دکاں نگویم
سرمایہ ز دست رفتہ وانگاہ — گاہے سخن از زباں نگویم
گر تیر بہ من رسد دگر تیغ — دم در کشم، الاماں نگویم

اللھم لا تجعلنا بنعمتک مستدرجین، ولا تبتنا ء الناس مغرورین ولا من الذین یاکلون الدنیا بالدین، وصل وسلم علی حبیبک سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

پہنچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میر؟
اس پر بھی جی میں آئے، تو دل کو لگائیے!

الہلال کی جلد، ہم نے ششماہی کے حساب سے رکھی ہے، تاکہ مجلد ہونے کے بعد موزوں ضخامت حاصل کر سکے۔ پس یہ نمبر اس کی پہلی جلد کا آخری رسالہ ہے اور جنوری سے دوسری جلد شروع ہوگی، فالحمد للہ فی البدایۃ والانتہاء والشکر لہ فی السراء والضراء۔

اگرچہ چھ ماہ کا زمانہ ایک نہایت قلیل زمانہ ہے، اور انسان کی حیات شخصی میں یہ محض بدو طفولیت کا زمانہ ہوتا ہے جبکہ گویا انسانی وجود عدم اور وجود کے درمیان معلق ہوتا ہے، اور تمام جسمانی اور دماغی قوتیں پردہ اخفا میں مستور ہوتی ہیں، لیکن تاہم دنیا مزدوروں کی جگہ ہے فلسفیوں کی نہیں ہے کام کرنے والوں کے لیے اس کا ایک لمحہ بھی بہت ہے اور بیکاروں کیلئے اس کی پوری عمر بھی زیادہ نہیں۔ انسان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے گرد و پیش کی مجبوریوں سے مرعوب رہتا ہے مگر کبھی خود اپنے اندر کی کمزوری کو نہیں دیکھتا۔ یہ مانا کہ آپ کے ہاتھ کی کڑیاں بہت مضبوط تھیں، لیکن آپ کے دست و بازو کی قوت کو کیا ہوا؟ یقیناً عرفی سقراط اور ارسطو سے بہتر ہے جبکہ وہ کہتا ہے۔

هزار رخنه بدام مرا بساده‌دلی تمام عمر در اندیشهٔ رهائی رفت

احتساب اعمال

ہم کو کاتبان اعمال کی خبر دی گئی ہے جو ہمارے یمین و یسار ہر وقت موجود رہتے ہیں، تاکہ ہمارے تمام اعمال قلم بند کرتے رہیں اور جن کی موجودگی مسکین عرفی کو مت شانی تھی

رقم کشان یمین و یسار دشمن تو کہ مے کنند سخن بحکم قلم رانی

لیکن یہ ہماری کیسی نادانی ہے کہ ہم اپنے اعمال کی کتابت کراماً کاتبین کے ذمے چھوڑ دیتے ہیں، پر خود کبھی اپنے اعمال کا احتساب نہیں کرتے؟ بہتر ہے کہ انسان خود ہی اس خدمت کو اپنے ذمے لے، اور قبل اس کے کہ "رقم کشان یمین و یسار" اس کا نامۂ اعمال اس کے سامنے لائیں، چند لمحوں کے لیے خود ہی اپنے اوپر ایک نظر احتساب ڈالے۔ اور اپنے ضمیر کو مخاطب کر کے کہے۔

اقرأ کتابک کفیٰ بنفسک الیوم اپنے اعمال کی اس کتاب کو پڑھ لے آج کے

علیک حسیبا (۱۷ : ۱۵) — دن کسی دوسرے کاتب شاہد کی ضرورت نہیں خود تیرے ضمیر ہی کا احتساب تیرے لئے کافی ہے۔

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا — یکدم منافقانہ نشیں در کمین خویش

اور فی الحقیقت ہمارے اعتقاد میں انسان کے لئے اصلی "کراماً کاتبین" اور "ترتیم اعمال" خود اس کا ضمیر اور نور ایمان ہی ہے۔ قرآن کریم نے جہاں کہیں احتساب اعمال کا ذکر کیا ہے اگر غور سے دیکھئے تو وہاں اسی ضمیر کے فطری احتساب کی طرف اشارہ ہے۔ اعمال حسنہ کے وہ آثار سرور و انبساط جو چہروں پر سے "نضرۃ النعیم" کی خبر دیں گے، درحقیقت دنیا میں بھی فرشتہ ضمیر کی تبلیغ بشارت سے موجود ہیں، وہ نور ایمان جس کو "یسعیٰ بین ایدیھم" سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی ایک روشنی ہوگی جو ارباب ایمان کے آگے چلے گی، اور ان کی عظمت و جبروت کو تمام صفوف اولین و آخرین میں نمایاں کرے گی، کیا مجبوری ہے کہ آپ اس کو قیامت ہی کے دن کے لئے اٹھا رکھیں، اور دنیا کو بھی اس کا مصداق نہ قرار دیں۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ، نورھم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شئ قدیر (۶۶: ۸)

اور وہ دن جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا۔ ان کے ایمان کی روشنی ان کے آگے آگے، اور داہنی طرف ساتھ ساتھ چل رہی ہوگی، اور ان کی زبانوں پر یہ دعائیں ہونگی کہ خدایا! اس روشنی کو ہمارے لئے آخر تک قائم رکھیو اور ختم نہ کر دیجیو! نیز ہمارے قصوروں کو معاف کر دیجیو! بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے!!

اس آیت، اور اس کے مثل صدہا آیات میں، قرآن کریم نے ارباب ایمان کے جن نعائم اور ابتہاج و سرور کا ذکر کیا ہے یہ وہی حالات ہیں جن کو دنیا میں ہر نیک ہستی اپنے اعمال حسنہ کا احتساب کر کے اپنے سامنے مشاہدہ کر سکتی ہے۔

جن لوگوں نے اپنے تئیں نفس کے تسلط سے نکال کر خدا کے ہاتھوں میں دیدیا ہے، اور جن کے کاموں نے "ایمان و ایقان" کی روح اپنے اندر پیدا کر لی ہے، وہ جب اچھا عمال

کا احتساب کرتے ہیں تو یقیناً خوشیوں اور راحتوں کی ایک جنت میں ہوتے ہیں، جس پر ابد دائمی اور عیش سرمدی کی فضا چھائی ہوئی ہے جس کے اندر شادمانی و کامرانی کی نہریں بہ رہی ہیں، جس کا گوشہ گوشہ سکون ابدی کے حسن و جمال سے "حور مقصورات" کا جلوہ گاہ ہے، جس کی ہر جانب سے "سلام علیکم طبتم فادخلوها خالدین" کے نغمات خوش آہنگ بلند ہو رہے ہیں، جہاں نامرادی و حرماں کے فغان و ماتم کی جگہ ہر زبان پر "الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن" کا ترانۂ شکر جاری ہے جہاں ناکامی و حسرت کی تپش و حرارت کا نام و نشان نہیں، کیونکہ کامیابی کے عیش و سرمد کے اس تخت طمانیت پر بٹھا دیئے گئے ہیں جہاں ٹیک لگا کر جس کسی کو بٹھا دیا جاتا ہے، پھر اسے کسی تحمل راحت حرکت سے سابقہ نہیں پڑتا۔ متکئین فیها علی الارائک لا یرون فیها شمسا ولا زمهریرا۔

کلا ان کتاب الابرار لفی علیین وما ادراک ما علیون، کتاب مرقوم، یشهده المقربون، ان الابرار لفی نعیم، علی الارائک ینظرون، تعرف فی وجوههم نضرة النعیم، یسقون من رحیق مختوم ختامه مسک، وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون (۸۳ : ۱۸)

بیشک نیک اعمال لوگوں کے اعمال اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں، اور تم جانتے ہو کہ وہ فہرست کیا چیز ہے؟ وہ ایک کتاب اعمال ہے جو ہمیشہ لکھی جاتی ہے اور مقربان بارگاہ الٰہی اس کے شاہد گواہ ہیں، یقیناً ان نیک اعمال لوگوں کی زندگی نہایت آرام اور راحت میں ہو گی، وہ سکون و طمانیت کے تخت پر بیٹھے ہوئے بہشت کی سیر کر رہے ہوں گے۔ تم اگر ان کو دیکھو تو خوشحالی کی تر و تازگی ان چہروں سے نمایاں ہو۔ ان کو حیات سرمدی کی وہ شراب خالص پلائی جائے گی جس کی بوتلیں سر بمہر ہوں گی اور ان پر مشک کی مہریں لگی ہوں گی۔ پس یہ زندگی ہے کہ تعلیہ کرنے والوں کو اس کی تعلیہ کرنا چاہیے۔

لیکن جن لوگوں کی زندگی روح ایمانی سے خالی ہوتی ہے، جن کے اعمال سلطنت الٰہی کے ماتحت نہیں، بلکہ قوت شیطانی کے تخت کے سائے میں انجام پاتے ہیں خواہ دنیوی ساز و سامان اور مادی اسباب و جمعیت کتنے ہی فراہم کر لیں، لیکن بالآخر جب ضمیر کی آواز ان کے کانوں میں

آتی ہے، اور وہ اپنے نامہ اعمال کو اپنے سامنے رکھتے ہیں تو حرمان و نامرادی رسوائی و خجالت سے ان کے چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں، اور "نور ایمان" کی جگہ ضلالت کی تاریکی کو اپنے ہر طرف محیط پاتے ہیں۔

ترى الظالمين مشفقين مما كسبوا وهو واقع بهم، والذين آمنوا وعملوا الصالحات في روضات الجنات لهم ما يشاؤون عند ربهم ذلك هو الفضل الكبير (۴۲:)

اور نافرمانوں کو تم دیکھو گے کہ انھوں نے جیسے جیسے اعمال انجام دیئے ہیں اس کے وبال سے ڈر رہے ہونگے (یعنی ان کا ضمیر ڈرا رہا ہوگا) حالانکہ اس کے نتائج ان کو ضرور بھگتنے ہیں اور البتہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال حسنہ انجام دیئے تو وہ ضرور بہشت کے سبزہ زاروں میں ہونگے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے پروردگار سے ان کو ملے گا، یہی بدلہ ہے جو نیک کام انجام دینے والوں کیلئے سب سے بڑا فضل الٰہی ہے۔

پس درحقیقت احتساب اعمال، اور ضمیر کی ملامت یا اس کی تحسین، یہ جنت و دوزخ کی دو زندگیاں ہیں جو اس دنیا میں ہر انسان کے لئے عاقبت کار ہیں اور ہر عاقل وجود جو اپنے اعمال گذشتہ کا احتساب کرے، ان دونوں حالتوں کو اپنے سامنے پا سکتا ہے۔ یہی انسان کے لئے اصلی نامہ اعمال، اور یہی ہر وقت اس کے یمین و یسار موجود رہنے والا قلم احتساب ہے، اور یہی ہے جس کے احتساب سے کوئی فرد بچ نہیں سکتا کیونکہ یہ انسان سے باہر نہیں بلکہ انسان کے اندر موجود ہے، اور اس کے نتائج کی ذرہ ذرہ ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے کر دینے والا ہے۔

وكل انسان الزمناه طائره في عنقه ونخرج له يوم القيامة كتابا يلقاه منشورا (۱۷:۱۵)

اور ہم نے ہر انسان کے عمل کی برائی اور بھلائی کے نتائج کو خود اس کے وجود کے اندر اس طرح رکھ دیا ہے گویا اس کے گلے کا ہار ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے سامنے کر دیں گے اور وہ اس کو اپنے سامنے کھلا ہوا دیکھیں گے۔

اس بنا پر ضروری ہے کہ چھ ماہ کی مدت، خواہ کتنی ہی اقل قلیل مدت ہو مگر ہم اپنے کاموں کا آج احتساب کریں اور دیکھیں کہ اس عرصے میں الہلال اور اس کی دعوت کا کیا حال رہا؟

اس میں شک نہیں کہ ہم اس گذشتہ چھ ماہ کی مدت پر نظر ڈالتے ہیں، تو بے اختیار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ کرنا تھا وہ ہم سے نہ ہو سکا، اور جو کچھ کر سکتے تھے، وہ نہ کیا۔ نفس کی کمزوریاں ہمیشہ عمل میں حارج ہیں اور ہمت کی پستی نے ہمیشہ بام مقصد تک پہنچنے میں لیت و لعل کیا، ہم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے ایک بڑی جماعت پیدا کر دی، جو شاید ہماری خدمات کی نسبت مایوس نہیں ہے اور اگر تحسین کی نہیں، تو ملامت کا بھی مستحق نہیں سمجھتی، لیکن تاہم اسکو کیا کریں کہ خود اپنے تئیں دیکھتے ہیں تو تحسین کا نہیں بلکہ ملامت ہی کا مستحق سمجھتے ہیں۔

رستم زندگی بقبول غلط دلے ۔۔۔ مے نالم از شکنجۂ طبع سلیم خویش

ہم نے درحقیقت اس فرصت سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا، اپنے ارادوں میں سے بڑے بڑے ارادے ذہن و تخیل سے آگے نہیں بڑھے، اور اکثر چیزیں تو دماغ سے قلم تک پہنچ ہی نہ سکیں۔ مضامین میں ہمیشہ ابتری رہی، کئی اہم ابواب شروع ہی نہیں ہوئے۔ اکثر چیزوں کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی اور جو لکھی گئیں، وہ شائع نہیں ہوئیں۔ الہلال کے علاوہ جو علمی خدمات پریس کے متعلق تھیں، وہ تقریباً شروع ہوئیں بھی تو اُن کی رفتار نہایت سست رہی، دفتر کی انتظامی حالت بھی پوری طرح درست نہ ہو سکی، اور اکثر لطف فرماؤں کو شکایتوں کا موقع ہوا۔ بحیثیت مجموعی ہم دیکھتے ہیں تو اس وقت یہ گذشتہ ۶ ماہ کی مدت کمزوریوں اور غفلتوں کے سوا کچھ اپنے اندر نہیں رکھتی اور خواہ نفس مدح طلب کتنا ہی مضطرب ہو، مگر حق یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں کسی طرح بھی مستحق تحسین نہیں سمجھتے۔

لیکن اگر بار بار اپنی حالت کا افسانہ دہرانا داخل شکایت نہ ہوتا اور وہ رحیم و کریم ہر حال میں شکر ہی کا مستحق ہے، تو شاید ہم اس وقت اپنی کمزوریوں کو کسی قدر تفصیل سے عرض کرتے۔ یہ چھ ماہ کا زمانہ جس حال میں بسر ہوا ہے، اور الہلال کے ۲۴ پرچے جس عالم میں مرتب کیے گئے ہیں ان کی سرگذشت اب کیا کہیے کہ وقت گذر چکا ہے اور سامنے ماضی نہیں بلکہ مستقبل ہے۔ فی الحقیقت ہمارے حالات ابھی اس کے بالکل مقتضی نہ تھے کہ الہلال کی اشاعت شروع

کردی جاتی۔ لیکن مہلت کے انتظار نے ہمیں اس قدر مضطرب کر دیا تھا کہ مزید صبر کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ خیال کیا کہ جو چیز شاید کبھی بھی ملنے والی نہیں تو اس کے انتظار میں کب تک زندگی کو صرف لاحاصل کیا جائے اور خدا کا دیا ہوا دماغ اور اس کا بخشا ہوا قلم کب تک معطل رکھا جائے؛ بہتر ہے کہ موجوں کے فرد ہونے کے انتظار کی جگہ، موجوں میں ڈوب کر تیرنے کی کوشش کی جائے، اور راہ کے خالی ہونے کی توقع کی جگہ صفوں کو چیر کر راہ پیدا کرنے کی جستجو کی جائے بالآخر ہم نے گذشتہ جولائی میں متوکلاً علی اللہ کام شروع کر دیا۔

دنیا کے کاموں میں ہمیشہ اسباب مادی اور ساز و سامان دنیوی کی موجودگی دل کی قوت اور ہمت کی استواری کا ذریعہ ہوتی ہے، روپیہ کی کثرت، مددگاروں کی معیت اور آثار نفع عاجل کا اجتماع، یہی چیزیں ہیں جن پر اس عالم اسباب میں بھروسہ کیا جاتا ہے، لیکن یہاں ان میں سے ایک شے بھی میسر نہ تھی، البتہ ایک چیز تھی جس کی طاقت بخشی عالم مادیات اور جس کی جرأت افزائی ساز و سامان دنیوی سے بے پروا ہے اور وہ اس امر کا یقین کامل، بیان واثق تھا کہ خلوص کے لئے موت نہیں، اور حق و صداقت کیلئے ناکامی نہیں۔ دنیا میں ہر چیز مٹ سکتی ہے، پر حق اور صداقت ہی ایک بیج ہے جو پامال نہیں ہو سکتا۔ واللہ سبحانہ یقول "انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ"

اس حکیم کریم کی اس نیرنگ سازی کو کیا کہیں کہ جس وقت تک الہلال جاری نہیں ہوا تھا اس وقت تک پھر بھی دن کے چند گھنٹے اور رات کا ایک پہر گوشہ گیری کیلئے میسر آجاتا تھا لیکن الہلال کا ابھی اعلان ہی شائع ہوا تھا کہ مصائب ابتلا کا بھی ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا، اور جو میسر تھا وہ بھی اپنی بد اعمالیوں کی پاداش میں چھین لیا گیا۔ ناظرین نے ہمیشہ اچھی بری صورت میں الہلال کا ہر نمبر اپنے سامنے موجود پایا ہے، انہیں کیا معلوم کہ وہ کس عالم اور کس حالت میں مرتب کیا جاتا تھا؟ جن مضامین کے حسن و قبح کی نسبت وہ رائے قائم فرماتے ہوں گے۔ انہیں معلوم نہیں کہ ان میں سے اکثر مضمون بسا اوقات رات کے دو تین بجے ایک بستر مریض کے قریب بیٹھ کر اس حالت میں لکھے گئے ہیں جب کہ دل، نفس، علائق پرستی کی کمزوریوں سے بے قرار، اور دماغ مسلسل شب بیداریوں کی وجہ سے قلم کے اختیار میں نہ تھا، اکثر اوقات ایسا

ہتا ہے کہ اخبار کی اشاعت کے وقت میں صرف ایک رات کا وقفہ باقی رہ گیا ہے، اور کمزور دل کو رات بھر روک کر بیمار و نیم بیدار دماغ پر جبر کیا گیا ہے کہ رات کے چند گھنٹوں کے اندر صفحہ ۲ سے ۸ تک کا مضمون تیار کر دے، علی الخصوص گزشتہ ماہ صیام مبارک جس عالم میں بسر ہوا اور جس طرح پانچ پرچے مرتب ہوئے، اس کی حالت صرف اس علیم و خبیر ہی کو معلوم ہے، جس کو شاید اپنے بندوں کی ابتلا و آزمائش سے بڑھ کر اور کوئی بات پسند نہیں یہاں تک کہ آخر میں مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ شاید جس صلح کے اعتماد پر دنیا کے کارزار میں فتحیاب ہونے کا گھمنڈ رکھتا تھا، وہ بھی منظور نہیں ہوئی اور اس خدائے قدوس کو گوارا نہیں کہ اس کے کلمۂ مقدس کی خدمت کا شرف میرے پرمعاصی وجود کی شرکت سے ملوث ہو۔ ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ و ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک (۳ : ۸۲) وما ظلمھم اللہ و لکن کانوا انفسھم یظلمون (۳ : ۱۱۴)

ہم نے ان حالات کو "مجبوریوں" کی جگہ "کمزوریوں" کے لفظ سے تعبیر کیا، کیونکہ انسان اپنے اندر اور باہر کے جن حالات کو مجبوریوں سے تعبیر کرتا ہے، فی الحقیقت اس کے نفس کی کمزوریاں ہی ہیں دنیا دار العمل ہے اور جو کام کرنے والے ہیں وہ باغ و چمن کے گوشوں ہی میں نہیں بلکہ کانٹوں پر چل کر بھی کام لیتے ہیں، خدا نے ہم سے کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے کہ وہ ہمارے وہم و خیال کے بنائے ہوئے اسباب راحت ضرور مہیا کر ہی دے گا، زندگی ایک میدان جنگ، اور یہاں کام کرنے کے یہی معنی ہیں کہ تلواروں کے سائے اور نیزوں کی قطاروں کے نیچے رہ کر کام کیا جائے دریا کی موجوں میں سے تیرنے والے اپنی راہ پیدا کر لیتے ہیں، لیکن کنارے کے عافیت پسندوں کے لئے انتظار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پس یہ جو کچھ تھا، خواہ کتنا ہی سخت و شدید ہو، لیکن پھر بھی ہم اسے اپنے لئے کوئی قوی عذر جرم نہیں سمجھتے، اور صاف صاف اپنی کمزوری کا اقرار کرتے ہیں کہ اس چھ ماہ کے عرصے میں جو کچھ ہم کر سکتے تھے، افسوس کہ ہم نے نہیں کیا۔

البتہ یہ ہماری کمزوریاں تھیں لیکن وہ روشنی سے محروم ہے، تو آفتاب درخشاں

تو اپنے نور و ضیا کی بخشش سے عاجز نہیں! باغباں کا ضعف اگر اس کی مہلت نہیں دیتا کہ بیج بو کر اس کی آبیاری کرے، تو بارانِ رحمت کی فیضان بخشی تو اس کے ضعف کی تلافی کر سکتی! یہ سچ ہے کہ ہم کمزور تھے اور کمزوریوں میں مبتلا، لیکن وہ حکیم و قدیر تو کمزور نہ تھا جو حق کے باوجود اس کو بے سازوسامان ہونے کے نصرت بخشتا، اور ضلالت کی باوجود اس کی طاقت و شوکت کو شکست دلاتا ہے۔

اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمات اولئک اصحب النار ھم فیہا خالدون (۲ : ۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا حامی اور مددگار ہے، وہ انکو تاریکیت نکالتا ہے اور کامیابی و بامرادی کی روشنی میں لاتا ہے اور جن لوگوں نے راہ کفر و ضلالت اختیار کی سو ان کے حامی ان کے بنائے ہوئے معبودانِ باطل ہیں، وہ ان کو روشنی سے نکال کر اور تاریکی میں مبتلا کرتے ہیں یہی لوگ اصحاب نار ہیں اور آتش نار میں ہمیشہ جلنے والے۔

اس کا اپنے اوپر اعتماد کرنے والوں سے وعدہ ہے کہ وہ کبھی ان کو دنیا میں ذلیل و رسوا نہیں کرتا، ان کے جھکے ہوئے سروں کو عزت کی بلندی بخشتا ہے، اور گو وہ خود کتنے ہی ذلیل و حقیر ہوں، پر وہ ان کو اپنا سمجھ کر ان کی عزت پر اپنی عزت کی چادر اوڑھا دیتا ہے کہ :-

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین معہ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم

اور وہ نتائج و عواقب امور دن جبکہ اللہ اپنے رسول اور لوگوں کو، جنھوں نے اس کی معیت کا قرب نسبت حاصل کر لیا ہے، کبھی رسوا اور ذلیل نہ کرے گا، اور ان کی کامیابی اور کامرانی کی شمع ان کے آگے جلے گی۔

گر من آلودہ دامنم چہ عجب! ہمہ عالم گواہِ عصمت اوست!

اس پہلو سے اپنے کاموں پر نظر ڈالتے ہیں تو حالات و نتائج میں ایک انقلاب عظیم جاتا ہے اور مناظر بالکل بدل جاتے ہیں، پہلے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اگر اپنا وجود ضعیف و حقیر نظر آیا تھا، تو اب اس قوی و عزیز کی نصرت زمانی سے طاقتوں اور قوتوں کا ایک نا ممکن التسخیر

ستون آہنی دکھائی دیتا ہے، پہلے اگر اپنے قصوروں کی وجہ سے عاجزی کا سر جھکا ہوا تھا تو اب اسکی عزت بخشی سے سر افتخار بلند نظر آتا ہے، پہلے چونکہ ایک انسانی ہستی کے کاموں پر نظر تھی۔ اس لئے عجز و تذلل کے سوا چارہ نہ تھا، پر اب انسانی ماروبا پر نہیں، بلکہ اسکی اعمال پر نظر ہے اس لئے الحمد للہ کہ فتح و نصرت کی عزت و عظمت سے ہمکنار و شادکام ہوں۔

گرچہ خوردیم، نسبتی ست بزرگ ذرہ آفتاب تابانیم!

غور کیجئے کہ الہلال کس عالم میں نکلا، اور پھر کس حالت میں جاری رہا؟ بالکل ایک نئے قسم کا کام تھا، اور اس طرح کا کام کہ ہندوستان میں آج سو برس سے پریس موجود ہے، مگر آج تک ایک ماہوار رسالہ بھی اس پیمانے کو سامنے رکھکر کسی بڑے بڑے پریس سے شائع نہ ہو سکا، پھر کسی طرح مالی اور دماغی اعانت میسر نہ تھی۔ اور سوا اپنی جیب اور قلم کے اور کسی پر اعتماد نہ تھا ان امور سے بھی بڑھکر یہ کہ الہلال کی دعوت، اس کا اسلوب اور عام انداز تحریر ملک کے موجودہ مذاق اور حالات سے اس درجہ متباین تھا کہ کوئی ذی عقل بھی بھی اس بیج کے لئے آج کل کے موسم کو موزوں نہیں کہہ سکتا تھا، لیکن باوجود کام کی اہمیت اور دست عمل کی کمزوری کے تمام ناموافق اسباب و حالات کے اور باوجود ہر طرح کی بدنظموں اور اسباب سعی و جہد کے فقدان کے، اس چھ مہینہ کے قلیل زمانے میں جو حیرت انگیز اور محیر العقول مقبولیت الہلال نے پیدا کی ہے وہ ہر لحاظ سے اردو پریس کی تاریخ میں ایک مستثنیٰ واقعہ ہے، شاید ہی آج تک کوئی چھپی ہوئی چیز اس کثرت اور شغف کے ساتھ پڑھی گئی ہے، جس قدر گذشتہ چھ ماہ کے عرصے میں الہلال کے اوراق پڑھے گئے ہیں۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

ابتدائے عشق

الہلال پریس کی ضمانت

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

اطراف ملک سے بکثرت خطوط اور تار آرہے ہیں، جن میں دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا ضمانت کی خبر صحیح ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ بعض امور کی اطلاع مجھے تقریباً دس ماہ سے تھی، مگر آج تک الہلال میں انکی نسبت ایک حرف نہیں لکھا۔ اس لیے کہ اپنا اصول کار ابتدا سے یہ رہا ہے کہ انسان صرف کام کے لئے بنایا گیا ہے پس اس کو چاہئے کہ صرف اپنے کام ہی میں لگا رہے۔ یہ بہت ہی ادنیٰ درجہ کی اور چھوٹی باتیں ہیں کہ لوگوں کا اس کام کے متعلق کیا خیال ہے اور حکام وقت اسے کیسا سمجھتے ہیں؟

میری حالت الحمدللہ کہ عام حالت سے مختلف ہے، میں اپنے تمام کاموں کو ایک خالص دینی دعوت کی حیثیت سے انجام دیتا ہوں، اور میرے پاس احکام دینی کے قوانین کی ایک کتاب موجود ہے۔ پس میری نظر ہمیشہ اس پر رہتی ہے کہ خدا کے ساتھ میرا رشتہ کیسا ہے؟ اس کی فکر نہیں ہوتی کہ اس کے بندوں کی نظریں کیا کہتی ہیں۔ اگر اللہ کی مدد ہر وقت میرے ساتھ ہے، تو میری طاقت لازوال اور میری حفاظت قدرتی ہے لوگ دیکھتے ہیں کہ آگ جلاتی اور پانی ڈبوتا ہے اور اس کو قوانین قدرت کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اس سے زیادہ محکم اعتقاد اور اس سے بڑھکر غیر متزلزل یقین کیساتھ میں بھی دیکھتا ہوں کہ

حق وصداقت اور اللہ کا پیغام دعوت ہر حال میں فتحیاب ومنصور ہوتا ہے اور باطل ضلالت کے ساتھ دنیوی طاقتوں کا خواہ کتنا ہی ساز وسامان ہو .... در عارضی وقتی کامیابیاں خواہ کتنا ہی سے اسے مغرور کردیں لیکن بالآخر وہ خاسر ونامرادی ہوتی ہے۔ وتلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون فی الارض علواً ولا فساداً والعاقبۃ للمتقین

پس ہماری حفاظت اور کامیابی خود ہمارے اور ہمارے کاموں کے لئے ہے اپنے سے باہر ڈھونڈھنا لاحاصل ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون

الہلال کی اشاعت کو تقریباً ڈیڑھ برس کا زمانہ ہوگیا، مگر وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا اگر پریس ایکٹ کا عمل اس کے اداعائی مقصد سے مختلف نہ ہوتا، تو موجودہ عہد مطبوعات اسکی سبب سے فرصت کا ملنا کچھ بھی تعجب انگیز نہ تھا بلکہ یقین کرنا چاہئے کہ قدرتی اور لازمی تھا۔

لیکن بدقسمتی سے جو حالت آج برسوں سے ہورہی ہے، اس کا نتیجہ "شومئ تو" یہ ہے کہ نہ صرف ہر حق گو کو، بلکہ ہر حق گوئی کے ارادے کرنے والے کو اپنے تئیں سب سے بڑا مجرم سمجھنا چاہئے۔ بلکہ :

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

جب حالت یہ ہو تو پھر ڈیڑھ برس سے زیادہ زمانے کا بغیر کسی واقعہ کے گذر جانا کیوں نہ ایک محیر العقول واقعہ سمجھا جائے۔

فی الحقیقت یہ ایک ایسا تعجب انگیز واقعہ تھا جسے سوچ سوچ کے بہت سے لوگ گھبرا اٹھے تھے، البتہ خود مجھے ذرا بھی تعجب نہ تھا۔ کیونکہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون کی تفسیر میرے سامنے تھی اور دنیا کے قوانین سے بھی بالاتر ایک قانون تھا جس نے میرے دل پر نقش کردیا تھا کہ واللہ ولی المتقین

بہر حال ۱۸ ستمبر کو دو ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی، جس میں ۲۷ تک داخل کرنے کی قید تھی۔ مگر آج ۲۳ ربیع تاریخ ہے اور دو ہزار روپیہ کے گورنمنٹ ضمانتی کاغذ

عدالت میں بھیج دیئے گئے ہیں، ضمانت کا روپیہ تو اسی تاریخ سے بطور ایک سرکاری امانت کے علیحدہ رکھ دیا گیا تھا۔ جس دن الہلال پریس کا ابتدائی سامان خریدنے کے لیے، ہم نے روپیہ نکالا تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرتے کرتے ہم اکتا گئے تھے، اور اب تو وقت آ گیا تھا، کہ اگر کوئی مانگنے کے لئے نہ آتا تو ہم خود ہی پیشکش کرنے کے لئے آگے بڑھتے، بارہا ہمیں خیال ہوا کہ کیا یہ ذوق عتاب صرف اوروں ہی کے حصے میں آیا ہے اور ہم اصلی مستحقین نظر کے لئے کچھ بھی نہیں!

نہ کنی چارہ لب خشک مسلمانے را
اے بہ ترسا بچگاں کردہ سے ناب سبیل

ہمارے ایک دوست تو اس تغافل پیشگی سے عاجز آ کر پریس ایکٹ کی طاقتوں ہی کے منکر ہو گئے تھے۔

دے بھی جائیں دل کہیں ہم سے کہ قصہ پاک ہو
یہ حسینان جہاں بھی دلربا کہنے کو ہیں

بڑی فکر یہ تھی کہ جب محرومی قسمت سے ضمانت کی پہلی منزل ہی طے نہیں ہوئی ہے تو آئندہ کی فکر کے لئے ہمیں وقت کیسے ملے گا؟ بالآخر غنیمت ہے کہ خدا خدا کر کے خاموشی ٹوٹی، اور پہلی منزل سے بہر حال گزر ہی گئے۔

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

آخر میں ہم یہ لکھ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں گورنمنٹ آف بنگال سے کوئی شکایت نہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے! اور کل تک کیا تھا اور آج کیا ہو رہا ہے؟

سرایں نقطہ رجا نیست کہ من میدانم

ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصے تک جو کچھ ہوا، وہ گورنمنٹ کی مصلحت شناسی عواقب اندیشی، اور ہمارے خاص حالات و نتائج پر نظر رکھنے کا نتیجہ تھا، اور جو کچھ ہوا ہے، یہ دوسروں کی نادانی کا نتیجہ ہے۔

ہم نے اتنی سطریں بھی مجبوری لکھیں، کہ بیشمار خطوط اور تاروں کا فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہ تھا۔ ورنہ ہم اس طرح کے واقعات کو اس درجہ اہم نہیں سمجھتے کہ ان کے پیچھے زیادہ وقت صرف کیا جائے۔ یہ اس طرح کی معمولی باتیں ہیں جو آج کل کے پریسوں کے دفتروں میں ہمیشہ پیش آتی رہتی ہیں اگر بعض حکام اعلیٰ کو کسی اخبار کے دفتر سے کچھ روپیہ لے کر رکھنے میں مصلحت نظر آتی ہے، تو یہ ایک ایسی فائدہ رسانی ہے جو دوسروں کے لئے مفید مگر اپنے لئے مضر نہیں۔ پھر اس میں کیوں عذر ہو، اور کیوں حرف شکایت زبان پر آئے؛ ہمارے سامنے تاریخ نے جو مواد رکھ دیا ہے، وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ ایسی باتیں ہمیشہ ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ اور نتیجہ بھی ہمیشہ یکساں نکلا ہے اور نکلے گا۔ جو لوگ اس راہ میں قدم رکھتے ہیں، جب ان کے سامنے آخری منزلیں موجود ہیں تو ان ابتدائی منزلوں کے پیش آنے پر کیوں شاکی ہوں؟

ترک جان و ترک مال و ترک سر
در طریق عشق اول منزل ست

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ

وَهُمْ بَدَءُوكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین

تاثیر آہ و نالہ مسلم، ملے مترس

ما را ہنوز عربدہ با خویشتن لبے ست

واقعہ "زمیندار پریس" لاہور میں فی الحقیقت ارباب بصیرت کیلئے بہت سی عبرتیں پوشیدہ ہیں جنہیں یکے بعد دیگرے بیان کروں گا، گو ان کا بیان کرنا بعض لوگوں کیلئے کتنا ہی موجب غیظ و غضب ہو قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور (۳، ۱۱۵) پس ان لوگوں کو کبھی بھی اپنے سے خوش نہیں رکھ سکتا جن کی نسبت مجھ یقین ہے کہ ان کی خوشی خدا کی خوشی کے خلاف ہے۔ پھر یہ مغرور نادان کیوں ایسا چاہتے ہیں؟ مسیح اپنے پیروؤں سے یقیناً زیادہ حکیم تھا جبکہ اس نے کہا ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کر سکتا پس ایک راہ کا اختیار کرنا ناگزیر ہے!

ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم، قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ، ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم، مالک من اللہ من ولی ولا نصیر (۲ - ۱۱۴)

اور تم سے یہود اور نصاریٰ کبھی بھی خوش نہ ہوں گے جبتک کہ انہی کا طریقہ اختیار نہ کرلو۔ پس ان لوگوں سے کہدو کہ اللہ کی ہدایت تو وہی ہدایت ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔ اور اگر تم نے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم صحیح موجود ہے، ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر جان لو کہ تم اللہ کے غضب سے بچانے والا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

سب سے پہلے تو میں اس واقعہ کے اندر ایک عظیم الشان احسان الٰہی کی بشارت دیکھتا ہوں، اور سچ یہ ہے کہ اس حق نواز قدوس کا کوئی کام ارباب حق کیلئے مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا قوموں اور جماعتوں کے حس و غیرت اور جوش حیات کی پرورش کے لئے جبر و تشدد مثل اس پانی کے ہے جو کسی خشک و افسردہ درخت کی جڑ پر ڈالا جائے۔ یہ پانی جس مقدار میں اسے میسر آتا ہے ٹھیک ٹھیک اسی کے مطابق اس کی نشو و نما بھی ہوتی ہے۔

خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ اب ہندستان کے مسلمان جاگیں، اور اس طرح جاگیں کہ پھر انہیں کوئی نہ سلا سکے۔ خدا کی آواز اس کے کاموں سے نکلتی ہے اور اس کی مشیت کی زبان تغیرات و حوادث عالم کی زبان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسباب و بواعث مسلسل نہ پہنچتے اور تنبیہ و غفلت شکنی کے تازیانے اس طرح یکے بعد دیگرے نہ پڑتے۔

جنگ طرابلس نے زمین تیار کی اور تقسیم بنگالہ کی منسوخی نے اس میں بیج ڈالا اب پانی کی ضرورت تھی جو برسے، اور آفتاب کی ضرورت تھی جو گرمی پہنچائے پس جنگ بلقان نے بارش خونیں سے سیراب کیا، اور اس کے بعد بھی مچھلی بازار کانپور کے افق پر آفتاب مظالم نے سرخ نقاب اوڑھ کر اپنا چہرہ لاکھوں کو دکھلا دیا۔ یہ سب کچھ اس بیج کی پرورش کے لئے کافی تھا، لیکن کیا کیجئے کہ دہقان کی غفلت بھی شدید اور دوران زراعت سے کبھی کاہی بھی خالی نہ تھیں۔ پس ضرور تھا کہ خود قدرت الٰہی ہی اس کا سامان کرتی اور جس پانی کے برسے بغیر بیج بار آور نہیں ہو سکتا، اس کی آبپاشی نہ رکتی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور زمیندار پریس کی ضبطی سے اس بارش نشو و نما کی ابتدا ہو گئی ہے جیسا کہ برستا رہا، ویسا ہی اب بھی برسے گا، اور جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے، اب بھی وہ سب کچھ ہوگا عقلمند کے لئے دانائی ہے، پر نادان کے لئے غفلت بھی جا چکی ہے، اور روشنی دیکھتی ہے مگر تاریکی کے لئے کچھ بھی نہیں۔

پس اگر آنکھیں ہیں تو دیکھیں، اگر کان ہیں تو سنیں، اور اگر دل ہیں تو سمجھیں

وھو الذی جعل لکم السمع والابصار والافئدۃ، قلیلا ما تذکرون!

حادثہ مسجد کانپور کے غفلت کے سرد جھونکے چلنے لگے تھے، خدا نے چاہا کہ ایسا نہ

کیونکہ اس کی مرضی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اب ایسا نہ ہوگا۔ پس اس نے تمہاری پشت غفلت پر ایک اور تازیانہ لگایا، اور تمہارے دل غفلت سرشت کو ایک اور مہلت بیداری دینی چاہی اس کی بخشی ہوئی فرصت کو تم نے ضائع کیا ہے، اس کی ہردی ہوئی قوت عمل کو جو ادھر تین سال کے اندر تمہیں عطا ہوئی، نذر غفلت و نادانی کیا گیا ہے، اور وقت کی ہر صدائے کار جواب عمل سے محروم واپس کر دی گئی ہے۔ لیکن کچھ ضرور نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہو اگر تمہاری غفلت شدید ہے تو خدا کا تازیانہ بیداری کچھ کم شدید نہیں یہ تمہاری غفلت اور ہوشیاری کا مقابلہ ہے۔ آخر میں تمہیں ہارنا ہی پڑے گا۔ کب تک ایسا ہوگا کہ اٹھو گے اور پھر لیٹ جاؤ گے؟ کھڑے ہوگے اور پھر گر دو گے؟ اگر اٹھانے والا ہاتھ قوی ہے تو وہ تمہیں بستر پر لوٹنے کی جگہ زمین پر دو دراہی کر چھوڑے گا۔

لیکن افسوس ہے کہ اس حقیقت کے سمجھنے کی ہم سے زیادہ ضرورت ہماری گورنمنٹ کو تھی، مگر تاریخ عالم بتلاتی ہے کہ جب ہونے والا ہوتا ہے اور آنے والا وقت آتا ہے تو جاننے والے نا سمجھ، اور دیکھنے والے کور ہو جاتے ہیں۔ افسوس کہ گورنمنٹ میں صوبوں اور شہروں کے حکام کا عنصر اصلی قوام حکومت ہے، اور حکومت کی اعلیٰ قوتیں وقت کی اصلی حالت اور ملک کے حقیقی دکھ سے بے خبر رکھی جاتی ہیں۔

ہندوستان میں آج دو تحریکیں موجود ہیں ایک وطنی تحریک ہے جو ہندوستان کی سب سے بڑی کثیر التعداد میں پیدا ہوئی، اور اس کا مرکز بنگال ہے دوسری اسلامی تحریک مسلمانان ہند کی بیداری کی ہے، جو اب اپنی غفلت کی ضائع کردہ جگہ جلد جلد چل کر کسی طرح حاصل کرنا چاہتی ہے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ پچھلے کے لئے پہلے سے عبرت پکڑی جائے؛

بنگالیوں کی تحریک جب شروع ہوئی تو بہتر تھا کہ تقسیم بنگال کا اسے بہانہ نہ دیا جاتا۔ اور غیر مدبر لارڈ کرزن کی جگہ مدبر و دانا لارڈ ہارڈنگ کی پالیسی اختیار کی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ سختی اور قوت سے ہر آواز کو نیکر دینا چاہا اور قانون کے جا و بیجا استعمال کی غلط و ناکام قدرت نے یہ غلط مشورہ دیا کہ درخت جڑ سے

اکھاڑ کر پھینک دیا جا سکتا ہے۔ پس اخبارات بند ہوئے، پریس ضبط کیے گئے جلسوں کو روکا گیا، شہر کے اندر انعقاد مجالس کا قانون نافذ کیا گیا، اور ہر مجسٹریٹ اور ہر حاکم ضلع کو اپنے انتہائی اختیارات کی نمائش کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

لیکن اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ اگر مقصد حاصل ہو جاتا تو یہ اچھا تھا، مگر کیا مقصد حاصل ہوا؟ کیا پھوڑے کو دبانے کی کوشش سے یہ نہیں ہوا کہ جو مادہ باہر نکل کر بہتا وہ اندر ہی اندر پکنے لگا؟ مانا کہ پیشانی اور منھ بے داغ ہو گیا، مگر کپڑے کے اندر کی چھپی ہوئی پیٹھ پھوڑوں سے بھر بھی تو گئی؟

وہ آگ جو شکوہ و شکایت کا دھواں بن کر دھیمی پڑ جاتی، جب بادی گئی تو زور سے دھک کے آتش فشاں مادے کی طرح اندر ہی اندر کھولنے لگی۔ پھر ایسا ہوا کہ یکایک بھونچال آئے، اور زلزلوں نے دیواروں کو ٹکرا دیا اور بنیادوں کو ہلا ہلا کر گرا دیا۔ آج دس برس سے طاقت اور ہوشیاری اپنی انتہائی قوتوں کو صرف کر چکی ہے، لیکن نہ تو اس اندرونی آتش فشانی کا سراغ لگتا ہے اور نہ کوئی پانی ایسا میسر آتا ہے جس سے پورے طور پر وہ آگ بجھائی جا سکے۔ ملک کی تمام امن خواہ عقلیں یکسر مضطرب اور عاجز ہیں۔

ہمدرد و غمگسار بادشاہ آیا، مگر افسوس کہ مرض کے مہلک ہو جانے کے بعد اس کا علاج کیا گیا۔ تقسیم بنگال کی منسوخی گویا اس آگ پر بعد از وقت پانی کا ڈالنا تھا۔ مگر کل تک واقعات سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ بجھ گئی یا ابھی باقی ہے؟

کیونکہ اگر آگ زمین کے اوپر ہوگی تو بجھائی جا سکے گی، پر اگر تم نے غلطی سے اسے نیچے جانے دیا تو وہ چلی جائے گی اور نہ تو تمہارا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکے گا کہ خاک ڈال سکو اور نہ تم اسے دیکھ سکو گے کہ اس پر پانی چھڑکو!

برخلاف اس کے موجودہ اسلامی تحریک ایک پر امن اور عافیت خواہ حرکت تھی، جو ابتدا میں تو عام مصائب اسلامیہ کی وجہ سے نمایاں ہوئی، اور پھر اندرون ہند کے بعض حوادث کے متعلق قومی بیداری و اتحاد کی صورت میں ظاہر ہونے لگی۔ چونکہ اس کے کاموں کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور اس طرح کی سختی اور تشدد کا سلوک ابتدا

میں نہیں ہوا جیسا کہ اس سے پہلے ہو چکا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باوجود انتہائی جوش و خروش اور مذہبی درد و الم کے تمام ہندوستان میں ایک واقعہ بھی اب تک ایسا نہیں ہوا، جس کی نسبت کہا جا سکے کہ یہ امن اور وفاداری حکومت کے منافی ہے۔

مثلاً ہلال احمر کے جلسے ہر جگہ ہوتے تھے، اور لوگ ہندوستان کے باہر کے اسلامی مصائب پر ماتم کرتے تھے، انھوں نے ماتم کیا، رزولیوشن پاس کئے اور رو دھو کے متفرق ہو گئے لیکن اگر حکومت کی طرف سے کھلی رکاوٹیں پیدا کی جاتیں، جلسے روکے جاتے، اخبارات کو بند کر دیا جاتا تو دنیا دیکھ لیتی کہ کیا نتائج نکلتے، اور یہی جوش جو صرف اجتماع و انعقاد مجالس کی صورت اختیار کر کے ختم ہو جاتا تھا، کیسی خطرناک حالت پیدا کر لیتا؛ کیوں کہ جوش خواہ کسی قسم کا جوش ہو، لیکن دبانے سے پرورش پاتا، اندر ہی اندر کھولتا اور پھر کبھی نہ کبھی پھوٹتا ہے۔

پس گورنمنٹ کیلئے بہترین حکمت عملی یہی تھی کہ وہ اسلامی تحریک کے ساتھ بندش اور رکاوٹ کی پالیسی کا نہیں بلکہ تسامح اور فیاضی کی دانشمندی کا سلوک کرتی کیونکہ نہ تو اس میں غیر وفاداری کی آمیزش ہے اور نہ بغاوت کا بیج وہ صرف اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہے، اور اپنی حکومت ایک کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ یقین کر کے بعض حکام کی بیجا سختیوں کے لئے فریادی ہے

اسی کانپور کے واقعہ کو دیکھو! کیا وہ بہتر تھا جو سر جیمس مسٹن نے کیا، یا وہ، جو لارڈ ہارڈنگ نے؟ پہلے نے بھڑکایا اور دوسرے کی دانشمندی نے بھڑکتے ہوئے کو یکایک بجھا دیا۔

اب ہر طرف سکوت تھا اور خاموشی، لیکن زمیندار پریس کا واقعہ وہ نیا قدم ہے جو خود گورنمنٹ پنجاب نے بڑھایا ہے۔

تاہم اس غفلت آباد حکومت میں ایک آنکھ ہے جو تدبیر و دانش کی سچی روشنی سے منور، اور حکمت و عاقبت بینی کی بصیرت سے مجلی ہے وہ، جس نے دہلی میں زخم و خون کا جواب صبر و تحمل سے، اور دشمنی کے پیام کو محبت کے جواب سے سنا جو ۱۴ اگست کو کانپور آیا تا کہ زنداں کے بے جرمی کو امن کا پیغام سنائے اور اس نے کہا کہ میں پدرانہ محبت

کے بیچ میں تم سے کہتا اور تمہارے پاؤں کی بیڑیاں کھولتا ہوں۔

وہ کون؟

دانشمند لارڈ ہارڈنگ

وقت ہے کہ وہ اپنے زمانہ حکومت کی سب سے آخری مگر حکومت کے لئے سب سے بڑی نیکی انجام دے۔

لیکن اگر ایسا ہوا تو یہ گورنمنٹ کیلئے عافیت اور بہتری ہوگی، اور اسکی خیرخواہی اگر منظور ہو تو صرف اسی مشورے میں سچائی ہے جو دیا جاتا ہے، ورنہ جیسا کہ لکھ چکا ہوں، موجودہ تحریک کی علی الرغم حکومت پرورش کرنے تو واقعات کا نیا سلسلہ مہلک ہونے کی جگہ یقیناً حیات بخش ہے۔

مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے بعض مسلم اور معلوم حقائق کے اعلان و تذکرہ سے باوجود علم و واقفیت کے لوگ کیوں گھبراتے ہیں؟ یہ جو کچھ کہ میں کہہ رہا ہوں یہ بھی ایک ایسی ہی تلخ مگر غیر متزلزل حقیقت ہے، دنیا کی تمام قوموں کی تاریخوں کو پڑھو۔ یورپ کے متمدن ترین ممالک کی گذشتہ چار پانچ صدیوں پر نظر ڈالو۔ اگر ان سب کیلئے وقت و مہلت کا غلہ ہو تو مشرق کے تازہی حوادث و تغیرات کو دیکھو، کیا ہر جگہ اور ہر مرتبہ ایسا ہی نہیں ہوا ہے کہ زندگی کی گرمی کو بربادی کی آگ سمجھ کر جبر و تشدد کا پانی ڈالا گیا ہے اور وہی پانی تیل کا سا اثر پیدا کرکے بجھانے کی جگہ اور مشتعل کرتا رہا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہوا چراغ کی لو کو بجھا دیتی ہے مگر کیا یہ بھی سچ نہیں ہے کہ انگیٹھی کے شعلوں کو بھڑکا بھی دیتی ہے۔

پھر وہ لوگ جو وہ کچھ کرتے ہیں جس سے بھڑک پیدا ہو، گورنمنٹ کے خیرخواہ ہیں یا وہ جو ایسا مشورہ دیتے ہیں جس سے شعلہ افروزی کی جگہ سکون و امن پیدا ہو

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ؟

وَاتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا

موعظۃ وذکریٰ

اس کارساز قدیم و حکیم کی ایک بہت بڑی رحمت یہ ہے، کہ اس نے ظلوم وجہول انسان کی رہنمائی کے لیے خود اس میں ایک ایسی قوت ودیعت کی ہے جس کو وہ اگر استعمال کرے تو اس کاروبارِ عالم کا ایک ایک ذرہ اس کے لئے درس وہ حقیقت و سبق آموز معرفت ہے۔

انسان حقیقت آگہی اور راز آشنائی کا تشنہ لب ہے، وہ اس کے لئے کتب و اسفار کی ورق گردانی کرتا ہے، مگر اپنی سادہ لوحی سے یہ نہیں جانتا کہ جس شے کو وہ اپنے باہر ڈھونڈتا ہے، وہ اس کے اندر ہے، وہ معرفت حقائق و اسرار کا طالب ہے اس گوہر مقصود کو وہ کاغذ کے نقش و نگار میں ڈھونڈھتا ہے، مگر نادان یہ نہیں جانتا کہ یہ تو ان واقعات میں موجود ہے جو روز مرہ اس کی نظر سے گزرتے ہیں۔

ایں ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اگر قرآن حکیم کو آپ پڑھتے ہیں تو آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے گونا گوں طریقوں سے تفکر و تدبر اور استبصار و اعتبار کی تاکید فرمائی ہے بعض آیات میں صاف صاف تفکروا و تدبروا فرمایا ہے۔ بعض میں بصیغہ ترجی و امید لعلکم تتفکرون ارشاد ہوا۔ کسی جگہ افلا تتفکرون سے اظہار تعجب و حیرت کیا ہے اور کسی مقام پر لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم اعین لا یبصرون بہا ولہم اذان لا یسمعون بہا، اولٰئک کالانعام بل ہم اضل سے عدم تفکر کی مذمت و توبیخ کی ہے۔

یہ عبارات شستہ اور اسالیب متنوعہ صرف اس لئے اختیار کئے گئے ہیں کہ انسان قوت تفکر و اعتبار کی اہمیت کو محسوس کرے۔ اور اس دلیل راہ و مرشد طریقت کی پیروی کرے، جو ہر وقت اور ہر حالت میں اس کے ساتھ رہتا ہے، اور شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں ایک منٹ کیلئے بھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔

لوگ ہمیشہ تفکر و اعتبار کے لئے کسی اہم اور عظیم الشان واقعات کے منتظر رہتے ہیں گویا وہ اپنے قوی کو اس سے ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں کہ وہ معمولی چیزوں میں مشغول ہوں، یا معمولی واقعات کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس میں عبرت و بصیرت ملے۔

مگر یہ ایک دوسری نادانی ہے۔

جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں اس عالم کا ایک ایک ذرہ اپنے اندر عبرت و بصیرت کا ایک دفتر رکھتا ہے۔ اگر تم نہیں دیکھتے تو یہ تمہارا قصور ہے بقول مرحوم غالب؎

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یہاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

اگر ایک واقعہ معمولی ہے تو یہ نہ خیال کرلو کہ اس میں تمہارے لئے عبرت آموزی کا سامان نہیں۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ خدائے تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت وارشاد کے لئے جن چیزوں کو تمثیلاً ذکر فرمایا ہے، ان میں مچھر، مکھی، اور اونٹ بھی ہیں۔

عبرت و بصیرت اگر چاہتے ہو تو یہ علو و ترفع کیوں؟ روشنی کے طالب ہو تو جہاں ملے، لو، یہ نہ دیکھو کہ چراغ شمع کافوری ہے یا مٹی کا دیا؟

پھر جواہر کی جگہ تو زمین کے نیچے ہی ہے۔ اور جس لعل شب تاب کو تم آج تاج شاہی میں چمکتے دیکھتے ہو کل یہی زمین کے نیچے سنگریزوں میں ملا تھا۔

زمیندار پریس کے واقعہ کو اگر صرف واقعے کی حیثیت سے دیکھئے تو وہ اس سے زیادہ کا مستحق نہیں کہ چند سطروں میں لکھ کے اس کے ساتھ معاصرانہ تاسف و ہمدردی کا

اظہار کر دیا جائے لیکن اگر بصیرت کی آنکھوں سے دیکھیے تو وہ ہمارے ماضی و مستقبل کا آئینہ دار عبر و بصائر کا ایک دفتر ہے جن میں سے بعض کی طرف گذشتہ نمبر میں اشارہ کر چکا ہوں اور بعض کی طرف اس مضمون پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

بعض امور ایسے ہیں، جن کو میں بارہا کہہ چکا ہوں۔ مگر پھر کہتا ہوں اور اس وقت تک کہتا رہوں گا، جب تک زبان میں قوت نطق اور قلم میں قوت تحریر ہے، ممکن ہے کہ ان کے اعادہ و تکرار میں آپ کو لطف نہ آئے، لیکن اگر آپ لذت جو اور جدت پسند ہیں تو میں مجبور نہیں کرتا کہ آپ سنیں۔

میں افسانہ گو نہیں کہ ہر بار نیا قصہ سناؤں، میں تو حق و صداقت کا داعی ہوں، جو ہمیشہ یکساں رہتے ہیں اس کے علاوہ حق و صداقت کی دعوت تو لطف و لذت کے لئے نہیں بلکہ اصلاح و ارشاد کے لئے ہے پس اگر آپ اصلاح چاہتے ہیں تو آئیے اور اگر دوا تلخ ہے تو منہ نہ بنایئے کہ:

دارو ئے تلخ ست دافع مرض

حق و صداقت کا ایک مسکت و قاطع معجزہ یہ ہے کہ وہ جب اپنی آواز بلند کرتا ہے تو وہ بے اعوان و انصار اور بے ساز و برگ ہوتا ہے مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ باطل کی جماعت میں سے ایک گروہ کٹ کے ان کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور یہ گروہ بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ بالآخر اپنی ابتدائی بے نوائی و کس مپرسی کے باوجود فتح اور باطل کو اپنی ابتدائی بے سر و سامان و کثرت سواد جماعت کے باوجود شکست ہوتی ہے۔

بالفاظ دیگر اگر آپ حق کے داعی ہیں تو آپ کو اپنی کوششوں میں مصروف رہنا چاہیے اور ظلم و عدوان کی زور آزمائیوں سے مرعوب یا شکستہ دل نہ ہونا چاہیے، کیونکہ اگر حق آپ کے ساتھ ہے تو ناممکن ہے کہ دنیا آپ کے اعوان و انصار سے خالی ہو وہ وقت ضرور آئے گا جب آپ کے گرد پرستارانِ حق کی فوج جمع ہو گی اور وہ آپ کو ظلم و عدوان کے پنجے سے نجات دلائیں گے اس خدائے توانا و قدیر کا وعدہ ہے کہ: والعاقبۃ للمتقین ہماری ایک عقل سوز بوالعجبی یہ ہے کہ ہمیں انگلستان کے زیر حکومت آئے

ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوا مگر آج تک ہم اس کے طرز حکومت سے ناواقف ہیں۔

ہماری حق طلبی اور دادخواہی کا سدرۃ المنتہیٰ شملہ ہے۔ حالانکہ شملہ کو تو آسمان اول سمجھیے جہاں نفاذ کے لئے احکام اترتے ہیں، ورنہ خود احکام کا مصدر تو اس بر اعظم کے پار ہے۔ پھر جب آپ شانِ عبودیت کو ہاتھ سے دیتے ہیں اور رضا و تسلیم کو چھوڑ کے طلب و سوال کے میدان میں آتے ہیں۔ تو کیوں نہ آواز کو اس قدر بلند کیجئے کہ خود عرش تک پہنچے اور وسائط کی ترجمانی سے بے نیاز ہو جائے؟ آپ اس سے کیوں سوال کرتے ہیں جو آپ کو دینے کے لئے خود دوسرے کا محتاج ہے؟ اگر سوال کرنا ہے تو خود اس دوسرے سے کیوں نہ کیجئے۔

آپ مظلوم ہیں اور انصاف چاہتے ہیں، بسم اللہ فریاد کیجئے اگر یہاں آپ کی فریاد رسی نہ ہوگی تو اپنی کوتہ نظری اور پست ہمتی سے یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ اس سرزمین میں بھی نہ ہوگی جسے انگلستان کہتے ہیں اور جہاں حق اور مظلوم کی دستگیری معدوم نہیں۔

آپ جب تک آئینی حکومت کے ماتحت ہیں اس وقت تک آپ کو فریاد رسی سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں البتہ شرط یہ ہے کہ آپ کی صدائے فغاں سنج و دادخواہ اگر شملہ کی چوٹیوں سے ناکام واپس آئے تو سمندر کو عبور کر کے ایوان پارلیمنٹ میں غلغلہ انداز ہو۔

مسٹر ظفر علی خاں حادثہ کانپور کے زمانہ میں لندن گئے تھے۔ ابھی تک وہیں مقیم ہیں قیام کے جو نتائج زمیندار پریس کے حادثے کے بعد ظاہر ہوئے ہیں، ان میں ہمارے لئے بہت بڑی بصیرت و عبرت موجود ہے۔

زمیندار پریس کی ضبطی کے تار پہنچنے کے بعد انگلستان کے دو مشہور و مقتدر اخبار یعنی "ڈیلی نیوز اینڈ لیڈر" اور مانچسٹر گارجین کے نامہ نگار مسٹر ظفر علیخاں سے ملے، اور دونوں اخباروں نے اپنے اپنے کالموں میں اس واقعہ پر نوٹ لکھے۔

لیکن اس سے زیادہ اہم واقعہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبروں میں سے سر جان ڈیلن کیر ہارڈی، جوسیا ویجوڈ، ہربرٹ بروز ایک مشہور سوشیالسٹ

اور فلپ سنوڈون نے خطوط کے ذریعے سے اظہار تاسف و ہمدردی کے علاوہ یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ پارلیمنٹ میں کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں تو وہ اس کے لئے تیار ہیں ۔

آخر میں پھر کہتا کہ اس واقعہ کو سرسری نظر کے حوالے نہ کیجئے کہ اس میں ہمارے لئے عبرتوں اور بصیرتوں کا ایک دفتر موجود ہے اور سعی و عمل کی صدائے دعوت آ رہی ہے ۔

شکست صلح

اِصْبِرُوا وَرَابِطُوا

الحمد للّٰہ کہ حادثۂ "زمیندار" کے متعلق ہر طرف سے صدائیں اُٹھ رہی ہیں، متعدد مقامات میں جلسے منعقد ہو چکے ہیں، اور ان کا سلسلہ برابر جاری ہے کلکتہ میں "پریس ایسوسی ایشن" کی طرف سے ہندو مسلمان کا ایک عظیم الشان متحدہ جلسہ ٹاؤن ہال میں منعقد ہونے والا ہے، جو اب تک منعقد ہو چکا ہوتا، اگر بعض موانع پیش نہ آگئے ہوتے علی الخصوص کونسل کی شرکت کی وجہ سے مسٹر سریندر ناتھ بنرجی کی پیہم غیر موجودگی جو درمیان کے تمام ایام تعطیل میں پیش آتی رہی۔

غالباً اس جلسہ کے پریسیڈنٹ ہندوستان کے مشہور فاضل ڈاکٹر راش بہاری گھوش ہونگے۔ اس سے اہم تر اور اصلی کاروائی یعنی دوبارہ اجرا کی سعی بھی برابر جاری ہے اور کارپردازان زمیندار کا ایک وفد دورہ کر رہا ہے۔ نواب ذوالقدر الملک بہادر قبلہ نے اس بارے میں جو تحریر شائع فرمائی ہے، اور اپنا قابل احترام چندہ پیش کیا ہے، وہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

لیکن وقت کا اصلی سوال یہیں تک پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ بدستور باقی ہے :-

با این کہ کعبہ نمایاں شود زپائے مپیش
کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ است

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے اور گرد طرح طرح کی مجبوریوں کا حصار رکھتے ہیں اور اس لئے صاف صاف زبان میں اصلیت ظاہر نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے مگر میرے

لئے تو اس قسم کی کوئی مجبوری نہیں ہے؟ پھر میں کیوں خاموش رہوں؟

میرے عقیدے میں ضرورت اور وقت، جب حق کے ساتھ جمع ہو جائیں تو پھر خدا کے اس بنائے ہوئے سقف نیلگوں کے نیچے کوئی شے ایسی نہیں جو اعلانِ حق کے لئے مجبوری ہو سکے، اور اگر ہو تو وہ تمہارے حس کا قصور ہے۔ "اعلانِ حق" کے وجوب کا بطلان نہیں ہو سکتا۔

پس موجودہ حالت کو کبھی بھی ایسی تعبیرات باطلہ سے مخفی نہیں کر سکتا، جس سے اس کی اصلی حقیقت پر پردے پڑ جائیں۔ اگر تم کسی خون چکاں نعش پر ایک ریشمی لحاف ڈال دو گے، تو کیا لوگ مان لیں گے کہ مردہ لاش نہیں ہے، زندگی کی خواب نوشیں ہے۔

ہاں، جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، آج بھی کہتا ہوں۔

مسلمانانِ ہند آج اپنی زندگی کی سب سے بڑی مشکل منزل سے گذر رہے ہیں جہاں خطرے بہت اور کمین گاہیں قدم قدم پر ہیں فرصت مفقود ہے اور مہلت نابود بیداری غیر منقطع اور مستعدی پیہم چاہیئے۔ یہ ایک دائمی آزمائش کا مرحلہ ہے جہاں سکون ایک دم کے لئے بھی میسر نہیں۔ ابھی ایک آزمائش ختم نہ ہو گی تو دوسری آزمائش شروع ہو جائے گی۔ یہ جاں نثاری کی زندگی اور قربانی کی بستی ہے یہاں زندگی اسی کے لئے ہے جس کا دل قربانی کے ہر سوال کا جواب دے اور جس کا ہاتھ بخشش و نثار سے کبھی بھی نہ تھکے حتیٰ کہ لینے والے لیتے لیتے تھک جائیں پر دینے والوں کو لٹنے اور قربان ہونے سے سیری نہ ہو!

سختِ جانی تو نہ ہمت ہار دیو ہنگام قتل
دیکھنا ہے، اور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

جنگ کی اصلی گھڑیاں وہی ہوتی ہیں جب مقابلہ شروع ہوتا ہو، اور درخت جب تک ابتدائی نشو و نما کے مرحلے میں ہے، اسی وقت تک دیکھ بھال کی ضرورت ہے مسلمانوں کی کشاکش حیات کا معرکہ شروع ہوا ہے، بیداری کے بیج نے ابھی صرف چند نازک شاخیں ہی پیدا کی ہیں، پس اگر آج اس کی حفاظت نہ کی گئی جبکہ وہ پیدا

ہوا ہے، تو کیا کل کو اس زمین کی حفاظت کروگے۔ جہاں ایک پامال شدہ پودے کے آثار ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔؟ فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

میں نے ابھی کہا کہ یہ آزمائشوں کی منزل اور قربانیوں کی زندگی ہے، اور ایسا ہوگا۔ کہ ایک آزمائش ختم نہ ہوئی ہوگی کہ دوسری شروع ہو جائے گی۔ اب میں زیادہ کھول کر کہتا ہوں کہ گری ہوئی قوموں کے اٹھنے کا اور سونے والوں کے ہوشیار ہونے کا اصلی راز اسی میں ہے وہ جب اُٹھتے ہیں تو سلانے والے مثل اس خونخوار شکاری کے جو یکایک اپنے صید گرفتہ کو آزاد ہوتا دیکھے، پوری قوت اور کامل تیزی سے تعاقب کرتے ہیں اور پھر یکے بعد دیگرے گرفتاری کی ہر تدبیر عمل میں لاتے ہیں۔

ایسی حالت میں آزادی اسی کو نصیب ہوتی ہے جو ہمت نہ ہارے اور برابر دوڑتا ہی رہے کیونکہ اگر تھک کر گر پڑے گا تو پھر شکاری کے پنجے سے رہا نہ ہو سکے گا۔ اسے قدم قدم پر دام ملیں گے اور اس کی ہر جست کے ساتھ ایک کمند بھی پھینکی جائے گی اگر کہیں بھی اس کا پاؤں الجھا اور ایک لمحہ کے لیے، کبھی اس کی رفتار رکی، تو پھر اسے کبھی بھی آزادی نصیب نہ ہوگی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو شکار ایک مرتبہ چھوٹ کر پھر پھنستا ہے اس کے ہاتھ پاؤں زیادہ مضبوط رسیوں سے باندھے جاتے ہیں اس نے خود بیدار ہو کر شکاری کو بھی بیدار کر دیا ہے۔ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون پس اگر آزمائشیں متواتر ہیں، اور مہلت و فرصت مفقود ہے تو اس سے گھبرانا عبث ہے کیونکہ جس منزل سے گذر رہے ہو، وہاں ایسا ہونا لکھ دیا گیا ہے یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے قومی زندگی اور حیات سیاسی کی تعمیر ہے۔ یہاں کام مسلسل اور محنت لگاتار ہونی چاہئے۔ ایک آزمائش کا جواب ابھی تم نہیں دے چکو گے کہ ساتھ ہی دوسری صدائے جاں طلبی سنائی دے گی۔ یہاں صرف راحت کے دشمن اور فرصت کے فراموش کار ہی قدم رکھ سکتے ہیں۔ جس کی ہمت دو چار آزمائشوں میں تھک جانے والی ہو، اس کی بزدلی کا صرف ایک ہی علاج ہے یعنی راہ سے ہٹ جائے تاکہ اوروں کے لیے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے۔

گر نبود از صف ما ہر کہ مرد غوغا نیست
کسی کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

تم سونے سوتے اُٹھے تو دیکھو! تمہارے لئے بھی پیہم آزمائشیں شروع ہو گئیں سب سے پہلے طرابلس کا واقعہ آیا۔ پھر جنگ بلقان شروع ہو گئی اس کے بعد کانپور کا درد خونیں اٹھا اور مسجد مقدس مچھلی بازار کا حادثہ پیش آیا۔ اس میں فی الحقیقت میدان حیات کے لئے بڑی ہی آزمائش تھی۔ تم ان سب سے کسی نہ کسی طرح گذر گئے۔ اب تم نے چاہا تھا کہ کچھ دیر کے لئے، سستا لیں:۔

یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر

لیکن آزمائش کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شاید اس موسم میں تیز و تند ہوائیں زیادہ چلیں اور آندھیوں اور طوفانوں کا بھی زیادہ زور ہو۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی صدائے ہمت آزما " زمیندار پریس" لاہور کا واقعہ ہے۔

فصل مت مجیب

" زمیندار پریس" کے واقعہ کو اس کی اصلی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ وہ نہ تو زمیندار نامی ایک اخبار کا مسئلہ ہے اور نہ ہی کسی فرد واحد کا۔ بلکہ اصولاً قانون کے بیجا استعمال اور جبر و تشدد کے ذریعہ موجودہ تحریک کے مقابلے کا سوال ہے فرض کرو کہ یہ سلوک زمیندار کے سوا کسی دوسرے اخبار کے ساتھ کیا جاتا، جب بھی مسئلہ کی صورت بعینہٖ وہی ہوتی جو اب ہے۔ البتہ زمیندار کی مخصوص حالت نے واقعہ کو زیادہ اہم اور موثر بنا دیا ہے۔

میں یہ نہیں جانتا کہ کل کو کیا ہوگا مگر بتلا سکتا ہوں کہ کام کرنے والوں کے لئے ترتیب عمل کیا ہونی چاہئے؟

(۱) یہ مسئلہ دراصل پریس ایکٹ کا مسئلہ ہے اور جب تک حاتم طائی کے قصہ کا دیو زندہ ہے، اس وقت تک جنگل کے ہر مسافر کو ہلاکت کے لئے آمادہ رہنا پڑے گا۔ پس پریس ایکٹ کے متعلق آخری مرتبہ ایک متحدہ جد و جہد کی ضرورت ہے یہاں بھی اور انگلستان میں بھی جلسے ہونے چاہئیں۔ قانونی پہلو سے بکثرت بحث کرنی چاہئے۔ یکے بعد دیگرے

باوجود ناکامی، کونسل میں باشکال مختلفہ اسی سوال کو چھیڑتے رہنا چاہیے۔ اور آئندہ موسم قابل و کارکن آدمیوں کو انگلستان میں بسر کرنا چاہیے۔

(۲) زمیندار کو ہر حال بہت جلد دوبارہ جاری کرنا چاہیے، خواہ کل کو وہ پھر بند ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ زندہ آدمی ٹھوکر کھا کر گرتا ہے مگر پھر اٹھتا ہے، دس مرتبہ گرے گا تو دس مرتبہ اٹھے گا بھی۔ لیکن کسی لاش کو اٹھا کر کھڑا بھی کر دو، جب بھی کھڑی نہ رہ سکے گی۔

قومی جدوجہد حیات کی بعینہٖ یہی مثال ہے۔

(۳) بہتر تو یہ تھا کہ چندہ نہ ہوتا بلکہ ایک کمپنی "قائم" کی جاتی، لیکن چندہ ہو رہا ہے اور اس کی تکمیل میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے تاکہ جہاں تک جلد ہو سکے "زمیندار" جاری ہو جائے۔ یہ زمیندار نامی ایک اخبار کا سوال نہیں ہے بلکہ اس کا کہ مسلمان جو چاہتے ہیں اس کے لیے کچھ نہ کچھ انتظام کر بھی سکتے ہیں یا نہیں؟

امر اول کے متعلق کوششیں ہو رہی ہیں مگر اصل کام باقی ہے۔ میں نے پچھلے دنوں پریس ایسوسی ایشن کی تحریک کی تھی وہ قائم بھی ہو گئی لیکن اس وقت تک اپنی مجوزہ کانفرنس منعقد نہ کر سکی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ پوری قوت اور جمیع اسباب کے ساتھ کام شروع ہونے والا ہے۔ افسوس کہ میں تعداد امور و اشتغال کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گیا ہوں اور اب صرف ایک ہی کا ہو کر رہ سکتا ہوں۔

امر دوم یعنی اجرائے زمیندار کے لیے بھی کوشش ہو رہی ہے۔ لاہور میں جو نیا ڈکلریشن دیا گیا تھا اس پر دس ہزار روپیہ ضمانت طلب ہوئی ہے۔

دہلی میں ایک جلسہ ہوا اور پانچ ہزار تک زراعانت کی فراہمی کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔

اس وقت دو قوتیں باہم دگر مقابل ہیں۔ ایک زمیندار کو بند کر چکی ہے دوسری دوبارہ جاری کرنا چاہتی ہے۔ پہلی کے پاس

قوت ہے، دوسری کے پاس حق ۔ دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں کون کامیاب ہوتا ہے ۔ واللہ یؤید بنصرہ من یشاء ۔ ان فی ذالک لآیات لقوم یومنون ۔

حق و باطل

(پونا) کی اردو کانفرنس میں ہز ایکسیلنسی گورنر بمبئی نے مسلمانان ہند کے موجودہ مسائل پر جو تقریر کی، ہم نے گذشتہ ہفتے پڑھی تھی اور قلت گنجائش کی وجہ سے اس کا تذکرہ اس ہفتے کے لئے اٹھا رکھا تھا لیکن دیکھتے ہیں تو آج بھی اس کا وقت نہیں۔

یہ ایک نہایت دل چسپ تقریر تھی۔ ہز ایکسیلنسی گورنر بمبئی کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے ملکوں سے پرانی دل چسپی ہے اور وہ جب کبھی ان کی نسبت کچھ کہنا چاہتے ہیں تو عموماً گہری دل چسپی کے لب و لہجہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

انھوں نے اپنی تقریر کے اکثر حصوں میں مسلمانوں کی موجودہ حالت کو امید افزا بتلایا ہے۔ ترقی تعلیم و تربیت کی جو حرکت ہر طرف پیدا ہو گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ مسلم یونیورسٹی کا خیال ان کی رائے میں اس کا ثبوت روشن ہے اور اب مسلمانوں کو جلدی کی گھبراہٹ کی جگہ، صبر کا انتظار کرنا چاہیے۔ آخر میں انھوں نے نصیحت کی ہے کہ ہمیشہ گورنمنٹ اور ہمسایہ اقوام کے ساتھ مل کر کام کیجئے۔ آپ ہم پر ہر اس کام کے لئے بھروسہ کر سکتے ہیں جو دنیا کی قوموں کے مقابلے کے لحاظ سے ہم انجام دے سکتے ہیں۔

اس مشفقانہ نصیحت کے لئے ہم ہز ایکسیلنسی کے ممنون ہیں۔ لیکن افسوس کہ نصیحت گوئی نفسہ قیمتی ہے، مگر اس کو کیا کیجئے کہ بازار میں اب پیشتر کا تیز نرخ باقی نہ رہا۔ ہز ایکسیلنسی کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اس نصیحت پر برابر نصف صدی سے

عمل کر رہے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ گورنمنٹ پر اعتماد کیا اور اس اعتماد کے لئے، جس جس قربانی کی ضرورت ہوئی کبھی دریغ نہیں کیا۔ اسی اعتماد کی خاطر ہم نہ صرف اپنے بائیس کروڑ ہمسایوں کے بلکہ خود اپنے بھی دشمن رہے، اور ایک کی خاطر سارے جہاں کی دشمنیاں مول لے لیں۔ کونسی قیمتی سے قیمتی شے ہمارے لئے ہو سکتی تھی جو ہم نے اس نصیحت پر نثار نہ کر ڈالی؟ ہم نے گورنمنٹ کی چوکھٹ پر سجدے کئے ہیں اور اس کے ابروئے بے مہر کو ہمیشہ محراب عبادت یقین کیا ہے۔ لیکن۔

کمر در خدمتت عمر یست در بستم چہ شد قدرم
برہمن می شدم گر ایں قدر زنار می بستم

ہماری عاشقانہ نیاز مندیوں کا ہمیں جو جواب ملا، وہ ابھی اتنا پرانا نہیں ہوا ہے کہ دہرانے کی ضرورت ہو۔

ہز ایکسلنسی کی نصیحت یقیناً محبت اور ہمدردی سے خالی نہ ہو گی مگر ان کو ہم بد بختوں کی دل کی تپش کیا معلوم؟ حکومت کے بستر پر لیٹ کر مشکل ہے کہ محکومی کی خاک پر لوٹنے والوں کا درد سمجھا جا سکے ان کی معذوری واضح ہے۔

نداننے کہ گشت دیلم ماہی دستاں
تو بیوۂ سر شاخ بلند را چہ خبر!

(ملکہ سبا) کی زبانی کیسا اٹل قانون قرآن کریم نے سنا دیا۔

ان الملوک اذا دخلو قریۃ افسدوھا، وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذالک یفعلون۔

ہمارے سامنے تو صرف دو ہی راہیں ہیں من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر گفر اور اسلام، شرک و توحید، نور و ظلمت، صداقت و کذب، حق و باطل، ہر شخص مختار ہے کہ دونوں میں سے ایک اختیار کرلے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔

لیکن جدید فن اخلاق کے ماہرین کہتے ہیں کہ گویہ صحیح ہو مگران دونوں کے درمیان ایک برزخی اور بین بین راہ بھی ہے اور وہی ہم کو بھی اختیار کرنی چاہیئے، اسی میں فلاح اور اسی میں ہر دلعزیزی ہے کفر و اسلام، دونوں کو ساتھ لیجئے۔ بت پرستی و توحید، دونوں کو دل میں رکھئے۔ اہرمن اور یزداں، دونوں کو رام کیجئے، ایک ہی طرف کیوں جھکئے جب دونوں دروازے کشادہ ہو سکیں! صرف کعبے ہی کے کیوں ہو رہیئے جب بتکدے سے بھی رسم و راہ قائم رہ سکے؟ نومن ببعض، ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا۔

معشوق ما بشیوۂ ہر کس موافق ست
باما شراب خورد و بزاہد نماز کرد

ہم اپنے بعض پاک باطن مگر ظاہر آلود دوستوں کو دیکھ رہے ہیں کہ دبی زبان سے ہمیں اسی تعلیم کی دعوت دینا چاہتے ہیں، اخلاق کے بعض دلچسپ پیرائے لوگ زبان ہیں اور کہتے ہیں کہ حق گوئی سے مانع نہیں، لیکن اگر حق گوئی کا حق اس طرح ادا ہو سکے کہ باطل کا دل بھی ہاتھ میں رہے تو اس میں کیا مضائقہ؟ اک زمانے کو خواہ مخواہ دشمن بنالینا کون سی عقلمندی کی بات ہے؟

اس میں شک نہیں کہ ان تعلیمات میں نفس انسانی کیلئے بڑی سخت کشش ہے۔ ہر دلعزیزی اور ممدوح خلائق ہونا کسے پسند نہیں؟ ہم ضرور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے مگر افسوس ہے کہ ہمیں تو کوئی تیسری راہ سامنے نظر نہیں آتی۔ جس راہ پر چل کر زمانہ سمجھ رہا ہے کہ دونوں راہوں کا برزخ اس کے قدموں کے نیچے ہے، وہ فی الحقیقت نفس شریر کے خدع و فریب کا ایک سیمیائی کرشمہ ہے ورنہ یہ گلیاں بھی بالآخر اسی شاہراہ میں جا کر ملتی

ہیں۔ اسلام اور حق وصدق مرادف الفاظ ہیں، اس کی راہ تو ایک ہی ہے اور ایک ایسا باریک خط، جس کے ادھر اُدھر قدم ٹکانے کا کوئی سہارا نہیں، اگر قدم کو ذرا بھی لغزش ہوئی تو پھر یقین کیجئے کہ آپ کے لئے کفر و باطل کے سوا اور کوئی شاہراہ نہیں ہے، نفاق کی مقبول عام گلی بھی اسی شاہراہ کی ایک شاخ ہے، یا پھر نام بدل گئے ہیں اور راستہ ایک ہی ہے، کفر سے تعبیر کیجئے یا نفاق سے۔ سچ ہمیشہ سے ایک ہی جگہ اور ایک ہی شکل میں رہا ہے۔ جب ملے گا تو وہیں ملے گا، اور راہوں اور شکلوں میں ڈھونڈھنا لاحاصل ہے۔

...... آپ سے پہلے تیرہ سو برس ہوئے ایک بڑی جماعت تھی، جس نے اسی گوشے میں پناہ لینی چاہی تھی مگر خدا نے فرمایا

ان المنافقین یخادعون اللہ، وھو خادعھم

مذبذبین بین ذالک لا الی ھاؤلاء الی ھاؤلاء

(حق) اور (باطل) دونوں آپ کے سامنے ہیں، انہی میں کسی ایک کو پسند کر لیجئے۔ اگر حق کی راہ اختیار کی ہے تو پھر مصلحت پیرایۂ بیان، طرزادا الفاظ شہد نما دعائی زہر آلود، اور اسی قبیل کی تمام باتوں کے لئے (نفاق) کے سوا اور کوئی لقب نہیں، سچ کہنے گا تو جھوٹ کو چوٹ لگے ہی گی، اس کو بچانے کی کوشش نہ کیجئے، ورنہ آپ کفر سے زیادہ دنیا کے لئے مہلک ہیں۔ نرمی و آشتی، حسن ادا پیرایہ بیان مصلحت بینی، اور مقتضیات زمانہ کے اگر یہی معانی ہیں جو تبلائے ر

جاتے ہیں، تو خدا کے لیے ہمیں سمجھائیے کہ پھر نفاق اور منافقی کی خصوصیات اور کیا ہیں؟ اگر ایک بات سچ ہے تو اس کو صاف صاف کہدیجیے، اگر کچھ لوگ بُرے ہیں تو کھول کھول کر ان کی بُرائی بیان کر دیجیے، بُری باتوں کے اظہار کے لئے اچھے لفظ کیوں اختیار کیے جائیں؟ بداعمالوں کو کیا حق ہے کہ نیک کرداروں کے حقوق کا مطالبہ کریں؟ اگر یہ طریقہ پسند نہیں تو پھر بتوں کو آستین میں چھپانے کی جگہ، بہتر ہے کہ سر پر جگہ دیجیے، ظاہر باطن میں مطابقت، جھوٹ میں بھی ہو تو سچائی سے خالی نہیں۔

لس کافرست زاہد از برہمن، ولیکن
او را بت ست در سر در آستیں ندارد

یا ایہا الذین امنوا لاتخونوا اللہ والرسول وتخونوا امانتکم وانتم تعلمون

ہم سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کڑوی سے کڑوی دوا پی لیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ شربت کہہ کر پکارئیے۔ دوا کا نام زبان پر نہ آئے کہ اس سے ہمیں سخت چڑ ہے۔ خیر، اگر آپ منھ بنانا چھوڑ دیں تو ایسا کر کے بھی دیکھ لیں گے، مقصود دوا پینے سے ہے نہ کہ چڑانے سے، مگر براہ کرم توقف ہی فرمائیے، کچھ عرصہ تک تو دوا کا نام سننا ہی پڑے گا۔ آپ نے چالیس برس تک شہد و شکر سے کام و زبان کو لذت بخشی، دو چار دن کڑوی کسیلی دواؤں کا تذکرہ سن لیجیے گا تو کیا حرج ہوگا؟ عجب نہیں کہ چند دنوں میں سنتے سنتے آپ کی وحشت بھی کم ہو جائے اور پھر ایسے عادی ہو جائیں کہ شربت بھی ملے تو دوا کہہ کر منہ سے لگائیں۔

مشکل یہ ہے کہ لوگ تیشے کی ضرب کی سختی کو دیکھتے ہیں مگر اسے نہیں دیکھتے کہ عمارت کی بنیاد بھی تو برسوں کی پرانی ہے۔ اگر کسی پرانی بنیاد کو اکھاڑنا مقصود ہو تو اس پر ابتدائی ضربیں سخت سے سخت لگائیے، جب جڑ ہل جائے گی تو پھر آپ کو اختیار ہے۔ انگلیوں سے مٹی ہٹا کر اینٹوں کو ایک ایک کر کے اٹھا لیجئے گا۔ لیکن اگر پہلی ضرب ہی سست پڑی تو پھر برسوں میں بھی نئی عمارت کے لئے جگہ صاف نہ ہو سکے گی۔ یہی سبب ہے کہ عام اس وقت اپنے کاموں کے لئے سخت سے سخت سختی کو بھی نرمی سمجھتے ہیں۔ جہاں تک کاندھوں میں زور ہو، جلد جلد ضربیں لگاتے جائیے۔ زمانے کا سیلاب بھی آپ کی مدد کے لئے تیزی سے امڈا آرہا ہے۔ اگر آپ نے اپنا کام پورا کر دیا تو پھر آپ کو ہمیشہ کے لئے فرصت ہے، یہ سیلاب خود بنیاد کی مٹی تک بہالے جائے گا۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

بیداری

پہلے شکایت کی جاتی تھی کہ آپ طرابلس سے نکل کر اپنی سرزمین میں آتے ہی نہیں، اب آئے ہیں تو شکایت کی جاتی ہے کہ اس طرح دوڑتے ہوئے کیوں آ گئے!

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنون را

غرض یہ ہے کہ برسوں تک میٹھے بیٹھے پاؤں شل ہو گئے ہیں۔ عرصہ کے بعد قدم اٹھے ہیں تو ذرا دوڑنے دیجیے کہ خون میں حرکت تو پیدا ہو۔ اب آہستہ خرامی کا وقت نہیں ہے۔ ساتھ کے چلنے والوں کی گرد پا کا بھی سراغ نہیں ملتا، اور آپ کی نصیحت ہے کہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چلیے!

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

بعض ناصح ہمدردانہ کہتے ہیں کہ راہ باریک اور ہر طرف تاریکی ہے، خوف ہے کہ کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ لیکن ہماری تیزی بھی اسی لئے ہے کہ تاریکی نے راہ کو خطروں سے بھر دیا ہے۔ اس لئے دوڑنا چاہتے ہیں کہ بن پڑے تو آگے نکل کر چراغ دکھلائیں۔ رہا ٹھوکر کھانے کا خوف، تو اس کی پروا نہ کیجیے۔ اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کی جگہ دوڑ کر ٹھوکر کھانا بہتر ہے۔ آپ گریں گے تو کم از کم کچھ شور و غل تو ہو رہے گا۔ عجب نہیں کہ بعض خفتگانِ غفلت چونک پڑیں۔ لیکن پڑے رہنے سے تو آپ کی بے ہوشی بھی بڑھتی جائے گی۔ اور سونے والوں کو بھی بیداری کی کروٹ نصیب نہ ہوگی۔

زندہ دِلوں کا وطن

یہ مانا کہ کسی ملک کی آب و ہوا جسم انسانی کے لئے کوئی خاص اثر رکھتی ہو مگر یہ تو کچھ ضرور نہیں کہ ایک سرزمین کا اخلاق بگڑنے پر آئے تو پورے خطے کی حالت یکساں بگڑ جائے، ہم عرصہ سے دیکھ رہے ہیں کہ پنجاب کے اخبارات گو خریداروں کے پیدا کر لینے اور نئے نئے کارخانوں کے چلا لینے میں ترقی کر رہے ہیں۔ مگر ان کا اخلاقی تنزل نہایت درد انگیز ہے۔ کل کی بات ہے کہ (زمیندار) اور (وطن) میں جوتی پیزار ہو رہی تھی، اور جس طرح پنجاب میں پہلوانوں کے دنگل ہوا کرتے تھے، اسی طرح دونوں پہلوان ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔۔۔ (زمیندار) کا صرف یہ قصور تھا کہ تھوڑے دنوں کے اندر ہی اس کی اشاعت پرانے اخباروں سے کیوں بڑھ گئی اور کیوں وہ لاہور کے چند دولت مندوں کی پرستش سے انکار کرتا ہے؟ انسان کے تمام قصور معاف ہو سکتے ہیں مگر ایک دوکاندار اس شخص کو تو کبھی معاف نہیں کر سکتا جس نے اس کے سامنے کی جگہ کی خالی دوکان پر قبضہ کر کے راہ کے خریداروں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔

ہمارے عقیدے میں یہ نتائج صرف اس بات کے ہیں کہ پنجاب میں تجارت کی ترقی نے بالعموم دکاندارانہ اخلاق پیدا کر دیا ہے، اور اغراض پرستی کی ہوائیں سب پہل رہے ہیں۔ تجارتی زندگی کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ شب و روز باہم تصادم و تسابق ہو، اور ملکوں میں ایسے موقعہ پر تجارت ہی کے میدان میں پیچ لڑائے جاتے ہیں، مگر یہاں یہ تدبیر اختیار کی گئی ہے کہ تلوار کی جگہ قلم کا وار کر کے پھر بااطمینان حریف کی دوکان لوٹ لی جائے۔

یہ قصہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ اور اب تک جاری ہے۔ کیکر سنگھ نے غلام پہلوان سے عاجز آکر اس کی کنپٹی پر مکہ کی ایک سخت ضرب لگا دی تھی۔ اسی طرح یہ قلم و کاغذ کے پہلوان جب عاجز آجاتے ہیں، تو پھر ایک دوسرے کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ فحش اور مغلظات سے بھی انھیں دریغ نہیں۔ ایک اپنے حریف سے پوچھتا ہے کہ وہ زمانہ بھی یاد ہے جب کالج میں پڑھتے تھے؛ دوسرا کہتا ہے کہ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ ورنہ میں تمہارا فلاں راز فاش کر دوں گا۔ اب یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ ایک دوسرے کو چور اور ڈاکو بتلاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ تم نے طرابلس کے نام پر روپیہ کھالیا۔ دوسرا کہتا ہے کہ فرضی کمپنیاں بنا کر قوم کو لوٹ لیا۔ یہ حالت صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہے۔ بلکہ اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ ہندو اور آریا اخبارات کو کھولئے تو وہ بھی ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے شریفانہ شغل ہی میں خوش ہیں۔ بدبختو! صرف تم ہی ذلیل نہیں ہو، بلکہ تمہاری تمام قوم اور پورا ملک ذلیل ہے۔ جس قوم پر خدا کا قہر نازل ہوتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے، پہلے اس سے حکومت چھین کر غیروں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب خدا سے منہ موڑا تو ان پر ایک باہر کی قوم بھیج دی گئی۔

بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید	پھر ہم نے تم پر ایک سخت و شدید قوم کو مسلط کر دیا۔

جب اس پر بھی باز نہیں آتے تو پھر فسق و فجور، حسد و حقد، ہوا پرستی و نفسانیت، نا اتفاقی و بیگانگت میں ان کو مبتلا کر دیتا ہے۔ خود ہی کٹتے ہیں۔ اور خود ہی مر جاتے ہیں۔

وما اهلكنا قرية الا و اهلها ظالمون ۔	اور ہم کسی آبادی کو تباہ نہیں کرتے۔ مگر اس وقت جبکہ وہ ظلم و معاصی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

ہم اپنے معاصرین سے بہ منت التجا کرتے ہیں کہ خدا کے لئے اپنی ملت پر نہیں تو خود اپنے اوپر رحم کریں، اور مسلمانوں کی موجودہ ذلت و رسوائی پر قناعت کر لیں۔ نفسانیت و خود پرستی کی حد ہوگئی ہے اور خدا کی طرف سے سب نے منھ موڑ لیا ہے۔ تعجب ہے کہ ساری دنیا آپ پر ہنس رہی ہے اور آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے اوپر رونا نہیں آتا؟ ملک ملت کی خدمت شاید اس طریقے سے الگ ہو کر بھی کی جا سکتی ہے، یہ تو کچھ ضرور نہیں کہ جب تک آپ ایک دوسرے کو چور ثابت نہ کر لیں گے۔ اس وقت تک آپ کی زیر اصلاح قوم آپ کو اپنا امین نہ سمجھے گی۔

تو بخوشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

اصبروا ورابطوا!

یہ بحث عام طور پر کی جارہی ہے کہ جب وزیر ہند کا فیصلہ مسلم یونیورسٹی کی امیدوں کے خلاف صادر ہوچکا ہے، تو اب یونیورسٹی لی جائے یا نہیں؟ باستثنائے بعض اشخاص عام پبلک کی رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ نہ لی جائے۔ اس کے بعد اب اس پر بحث شروع ہوئی ہے کہ نہ لی جائے تو روپے کو کیا کیا جائے؟ اس کے جواب میں بھی مختلف رائیں ظاہر کی جارہی ہیں، اور بظاہر قوم کا رجحان اس طرف بڑھ رہا ہے کہ اس روپے کو کسی زیادہ وسیع المنفعت کام میں لگا دیا جائے۔

ہم ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کریں گے کہ عام پبلک کو اپنے خیالات کے اظہار سے کسی عنوان بھی روکا جائے۔ اس قسم کے کاموں کے لئے فی الحقیقت اصلی حق رائے دہی عام پبلک ہی کو ہے اور اگر اس کو نہیں ہے تو پھر کسی کو نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ کاموں میں اگر تقدیم و تاخیر کی قدرتی ترتیب قائم رکھی جائے تو بہتر ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک مرتبہ اس کا فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ آیا انھوں نے اپنے اندر عام قومی رائے کی قوت پیدا کر لی ہے۔ اور وہ اس کے لئے پورے طور پر مستعد ہوگئے ہیں کہ ایک متفق اور متحدہ عام آواز قائم کر کے کارفرما طبقے کو تعمیل پر مجبور کر دیں؟ اگر اس کا جواب اخباروں کے صفحوں پر نہیں، بلکہ دل کے صفحوں پر اثبات میں ملے تو پھر یہ روح ملی کے عود کرنے کی پہلی تاریخ ہوگی۔ اس وقت قوم کو چاہیئے کہ جو اس کی رائے میں آئے، اور جس خیال پر سب متفق ہوجائیں اس پر جم کر کھڑی ہوجائے۔ اور وہی کر گزرے جو اس کی رائے میں بہتر ہو، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو صرف چند دنوں کے لئے اخبارات میں گرمی طبع کی

نمائش کرنا لاحاصل ہے۔ اور نیا موسم عنقریب آنے والا ہے۔ بہتر ہے کہ کل جو نتیجہ نکلنا ہے وہ آج ہی نکل آئے، جہاں برسوں تک اپنے جوش اور روپے کی قسمت لیڈروں کے ہاتھ میں دے چکے ہو، وہاں ایک یونیورسٹی کا مسئلہ اور سہی۔ جس طرح اور جن شرطوں پر ان کا جی چاہے لینے دو۔ البتہ آئندہ کے لئے کوشش کرو کہ تمہارے اندر اسلام کے معتقدات اور اعمال کی اصلی روح پیدا ہو جائے۔ اگر تم نے ایسا کر لیا، تو تم میں سے ہر فرد ایک زندہ مسلم یونیورسٹی ہوگا۔ جس کو علی گڈھ کی چونے اور اینٹ کی بنی ہوئی یونیورسٹی کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ اصلی یونیورسٹی ایک مسلمان کا مومن قلب ہے، جو چاہے تو سارے عالم کو اپنے مرکز سے ملحق کر لے۔

حُبُّ الدُّنیا راسُ کلِّ خطیئۃ

بعض اشخاص کی رائے ہے کہ "جو لوگ یونیورسٹی کے روپے کے بارے میں رائے دے رہے ہیں، پہلے بتلائیں کہ انھوں نے خود کتنا چندہ دیا ہے؟ ورنہ انھیں رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کی بعض جماعتیں دولت کو پوجتے پوجتے اب اس درجہ فنا فی المعبود ہو گئی ہیں، کہ انھیں روپیہ کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

آخر ایں صفرا بہ سودا می کشد

یہ سب نتائج اس جماعت کے عملی الحاد اور اسلام سے بیگانگت کے ہیں یا للعجب! آج ایک مسلمان کو باوجود ادعائے اسلام و توحید یہ کہتے ہوئے کوئی ندامت نہیں رہی کہ پیروانِ اسلام کے مفاد پر بحث کرنے کا صرف ایک محدود گروہ کو حق حاصل ہے۔ اور جس نے ہماری چندے کی مٹھی نہیں گرمائی، اسے زبان کھولنے کا کوئی حق نہیں؟ ساء ما یحکمون

ہم نے ادھر ارادہ کر لیا تھا کہ ہر طرف سے کان بند کر کے صرف اپنے خیالات و مقاصد کی اشاعت میں مصروف ہو جائیں، مگر کیا کریں، اس قسم کے ہفوات و ترہات کو سُن کر اپنے اندر اصلاً ضبط کی طاقت نہیں پاتے۔ اور مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ منہ سے تو قومی خدمت کا نام لیتے ہیں۔ مگر عملاً اسلام کی اصلی روح و قوت کو مٹانا چاہتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں جب ایک راہ چلتی بڑھیا خلیفۂ اعظم کو سرِ راہ ٹوکتی تھی۔ تو کیا اس سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ خود تو نے بیت المال میں کتنا روپیہ داخل کیا ہے؟ جب مسجدِ نبوی میں ایک شخص فاروقِ اعظمؓ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے روک دیتا تھا، تو کیا بتلایا جا سکتا ہے کہ اس سے اسلامی معاملات پر حق رائے دہی کا ٹکٹ مانگا جاتا تھا؟ علی گڈھ کالج کی تاریخ کو رٹ لینا، اور اس کے ایڈریسوں اور وائسرائے اور گورنروں کے جوابوں کو حفظ کر لینا دوسری شے ہے اور اسلام کو جاننا دوسری شے ہے۔ یہ کیا کفر آمیز استبداد و تحکم ہے، جس کی زنجیریں برسوں سے قوم کے پاؤں میں ڈالی جا رہی ہیں؟ غریب مسلمان ایک کھیلنے کا گیند بن گئے ہیں، جس نے چاہا لیڈری کی ایک ٹھوکر لگائی، اور اپنی طاقت کی نمائش کر دی آخر ان پر خود غلط نادانوں نے اسلام اور اسلام کے پیروؤں کو کیا سمجھ لیا ہے؟

ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون	آیا تمہارے پاس کوئی اور علم شریعت ہے جو تم دکھا سکتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں، صرف اپنے نفس کے واہموں پر چلتے ہو۔ اور خالی اٹکلیں دوڑاتے ہو۔

کاش یہ معاصرین جس عقیدت و نیازمندی سے علی گڈھ کالج کے ایڈریسوں کے مجموعے کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے عشر عشیر توجہ سے کبھی قرآن اور تاریخ قرآن کو بھی پڑھ لیتے۔

یونیورسٹی اگر مسلمانوں کی ہے۔ اگر ان کے روپیہ سے بنائی جا رہی ہے، اور اگر

مسلمانوں میں اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی باقی ہے تو یاد رکھنا چاہیئے، کہ ایک نومسلم چمار جس نے ایک بھوٹی کوڑی بھی کبھی لیڈروں کے سپرد نہیں کی ہے۔ یہ حق رکھتا ہے کہ بلا استثنا ہر اسلامی اور قومی معاملے کی نسبت رائے دے، اور اگر لیڈر مسلمانوں کے لیڈر ہیں تو مجبور ہیں کہ اس کی آواز پر کان دھریں۔ یہ حق ہر قائل لا الہ الا اللہ کو حاصل ہے۔ اس میں تمہاری بنائی ہوئی شرطوں کو کوئی دخل نہیں۔ چندہ دینے یا نہ دینے کا کوئی سوال نہیں۔ یہ حق خدا کا، اس کے قرآن کا، اور اس کے رسول کریم کا دیا ہوا ہے، پھر کیا تم میں کسی کو طاقت ہے جو اسے چھین لے؟۔

اسلام کی روح حریت

اس بارے میں اسلام کی تعلیم اور اس کے نظائر بالکل صاف اور غیر مشتبہ ہیں اسلام نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ہر مسلمان پر فرض کر دیا ہے۔ اور اس اصول کو اعمدہ دین متین و اکبر اساطین قوام ملت سے قرار دیا ہے۔ بلکہ اصل شرف و امتیاز ملت مرحومہ (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس، تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

احادیث کو دیکھا جائے تو منجملہ صدہا احادیث کے ایک مشہور حدیث (صحیح مسلم) میں ملتی ہے۔ جس کو (ابوسعید) خدری نے روایت کیا ہے۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم	تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف حق بات دیکھے، تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے اس کا انسداد کرے

تستطع فبلسانہ فان لم تستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔

اگر اس کی طاقت نہ پائے، تو زبان سے اس کی برائی ظاہر کر دے۔ اور اگر اس کی بھی قدرت نہ دیکھے تو پھر دل ہی دل میں اسے برا سمجھے، مگر یہ آخری صورت ایمان کا نہایت ضعیف درجہ ہے۔

نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس روایت کو لیا ہے اور نسائی کی روایت میں ہر صورت کے بعد "فقد برئ" کا لفظ بھی موجود ہے، کہ اگر اتنا بھی اس نے کر دیا تو اپنے فرض سے بری ہو گیا۔

اس کے بعد خود آنحضرتؐ اور صحابہ کرام کا طرز عمل ہے، اس کا یہ حال رہا کہ نہ صرف خلفائے اربعہ، بلکہ خود مہبط وحی، اور مورد "وما ینطق عن الھویٰ" کے سامنے صحابہ بے دھڑک اپنے اعتراضات و شبہات پیش کرتے تھے، اور ان کی جرأت افزائی کی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے (صلح حدیبیہ) کے موقع پر جس سختی سے اپنا اعتراض پیش کیا تھا، وہ ہر تاریخ میں مل سکتا ہے۔

خلفائے اسلام کا اس بارے میں جو طرز عمل تھا، وہ آج کل بار بار دہرایا جا چکا ہے۔ حضرت (عمر) کے زمانے میں جس شخص کا جی چاہتا تھا "واللہ ما عدلت یا عمر" کہہ کر سر راہ ٹوک دیتا تھا، اور وہ اس سے خوش ہوتے تھے کہ اسلام اور عربی خون کی آزادی کا اصلی جوہر ہے۔ البتہ (بنی امیہ) نے اس روح حریت کو غارت کیا۔ اور لوگوں کی زبانوں پہ تلوار کی ضرب سے مہر لگا دی۔

یا سبحان اللہ!! جس قوم کے ہر فرد کو سید المرسلین کے جانشینوں سے بیت المال کے حساب لینے کا حق تھا۔ اور وہ جب چاہتے تھے، خلیفہ اسلام کی دیانتداری کو جانچ سکتے تھے، آج ان کو کہا جاتا ہے کہ ان لیڈروں کے آگے قدم

کے روپے کی نسبت کوئی رائے نہ دو، جن کو اور تو اور، آج تک اسلام کے عام احکام صوم وصلوٰۃ پر بھی عمل کرنے کی توفیق کبھی نہیں ملی !! فما لهؤلاء القوم، لا يكادون يفقهون حديثا.

اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی خاموشی اور غلط اصول اعتماد سے کام کرنے والوں کو حبّ مطابق العنانی کا عادی بنا دیا تھا، اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ خود کام کرنے والے تو اب اس طرح کی کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے، ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں، جو قوم کی مداخلت کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ ان کے خواہ مخواہ کے دوست اس طرح کے خیالات ظاہر کر کے پبلک میں لیڈروں کو اور زیادہ بدنام کر رہے ہیں۔